بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُتَّقُوْنَ

(اور جو کوئی سچی بات لایا اور جس نے اس کو سچ جانا وہی ہیں متقی)

مرتبہ
حکیم ہلال اکبرآبادی

از:
علامہ عبدالماجد دریابادی (مرحوم)

نفیس اکیڈمی
اسٹریچن روڈ ۔ کراچی ۱

ناشِر

چوہدری طارق اقبال گاہندری

مالک

نفیس اکیڈیمی

اسٹریچن روڈ کراچی ۱

طبع اوّل ــــــــــــــــ مارچ ۱۹۷۷ء

طبع دوم ــــــــــــــــ اگست ۱۹۸۲ء

قیمت

مطبوعہ

نفیس اکیڈیمی آفسٹ پرنٹرز

کیمبل روڈ، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

(علامہ عبد القدوس ہاشمی)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی لَا یَنَامُ وَلَا یَمُوْتُ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی جَمِیْعِ اَنْبِیَائِہٖ وَعِبَادِہِ الصَّالِحِیْنَ

مشہور مفسّر قرآن مجید، صاحب طرز خاص ادیب اور بہت سی قیمتی کتابوں کے مصنّف مولانا عبد الماجد دریابادی مرحوم جن کی "سچی باتیں" آپ کے سامنے ہیں۔ یہ بزرگ ہمارے زمانہ کے بہت بڑے عالم، انگریزی دان اور اردو زبان کے مشہور و معروف صاحب قلم تھے۔ ان کی تصانیف ہمیشہ بڑی مقبول کتابیں رہی ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ مقبول رہیں گی۔ اُن کا افادۂ قلم جیسے اُن کی زندگی میں جاری تھا ویسے ہی آئندہ نسلوں کے لئے بھی انشاء اللہ جاری رہے گا۔

وہ لکھنؤ سے ہفتہ وار اخبار "سچ" پھر "صدق" اور اس کے بعد "صدق جدید" نکالتے تھے۔ وہ اپنے اخبار میں سچی باتیں کے عنوان سے چھوٹے چھوٹے دلنشین نوٹ لکھا کرتے تھے۔ یہ مختصر سے نوٹ اپنے اندر بڑی گہرائی اور بہت ہی زبردست تاثیر رکھتے تھے۔

زبان سادہ، جملے مختصر انداز بیاں سُلجھا ہوا اور دل کی گہرائیوں میں اُتر جانے والا ہوتا تھا۔ اِس طرزِ خاص کے وُہ خود ہی موجد تھے اور اس طرزِ انشاء میں اُن کا کوئی حریف نہ تھا۔

مولانا عبدالماجد دریا بادی بہت بڑے فلسفی تھے۔ انہوں نے قدیم و جدید فلسفہ کا وسیع مطالعہ کیا تھا۔ اور عمیق فکر کے ذریعہ اس فن پر ایسا قابو پالیا تھا کہ ایک مُدت تک احباب ان کو فلسفی شاہ کہتے تھے۔ اور اخبارات ان کے نام کے ساتھ فلسفی شاہ بی اے لکھا کرتے تھے۔

وُہ نہایت مضبوط کردار کے صحیح العقیدہ، عابد و زاہد اور ذاکر و شاغل مُسلمان تھے۔ وہ بہت محنتی آدمی تھے وہ ہر قسم کی کتابیں پڑھتے تھے۔ اور بہت پڑھتے تھے۔ وہ اردو فارسی عربی انگریزی اور ہندی سے پوری طرح واقف تھے اور بقدرِ ضرورت اور بھی چند قدیم و جدید زبانوں میں انہیں درک حاصل تھا۔ وہ بالکل محو ہو کر کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے وہ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں کے پوری طرح اداشناس تھے حکیم عیش لکھنوی کی مشہور و معروف مثنوی "زہرِ عشق" پر انہوں نے جو مقدمہ لکھا ہے وُہ اتنے اونچے درجہ کی تحریر سمجھا گیا کہ اردو زبان کے ماہر اساتذہ نے یونیورسٹی میں اعلیٰ درجے کے طلباتِ زبان کے لئے اِس مقدمہ کا مطالعہ لازمی قرار دیا انہوں نے انگریزی زبان میں جب قرآن مجید کی تفسیر و ترجمہ کا کام کیا تو اتنی اچھی انگریزی زبان لکھی کہ بہترین انگریزی دانوں نے بھی اس کی دل کھول کر داد دی۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی نے تفسیر لکھنے میں تقریباً ۳۰ سال

صرف کئے۔ اب تک جتنے ترجمے انگریزی میں ہو چکے تھے انہیں غور سے پڑھا عربی اردو اور فارسی کے تقریباً سارے تراجم و تفاسیر کا گہرا مطالعہ کیا اور اس مقصد کے لئے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام متداول مجموعوں پر پوری نظر ڈالی۔ اس کے بعد ترجمہ کیا اور تفسیری نوٹ لکھے۔ یہ مختصر ہیں مگر بڑے جامع۔ اسی طرح بڑی محنت و جانفشانی کے ساتھ اردو ترجمہ و تفسیر کا کام کیا۔

مولانا بڑے محنتی آدمی تھے انہوں نے تفسیر انگریزی اور اردو کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان کی تصنیفات کی فہرست کافی طویل ہے جن میں تصوف اسلامی، سفر نامہ حجاز، مولانا محمد علی کی ڈائری وغیرہ کے علاوہ فلسفہ کی متعدد کتابیں اور بعض تراجم بھی داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے کو طویل حیات عطا فرمائی اور انہیں خدمت دین اور خدمتِ علم و ادب کے لئے کافی وقت دیا اور پھر انہیں اپنی طرف سے وقت کی قدر پہچاننے اور خدمت کرنے کی توفیق بھی ارزانی فرمائی۔

مولانا مرحوم غالباً ۱۳۰۱ سنہ ہجری مطابق ۱۸۸۴ سنہ عیسوی میں بمقام دریا باد ضلع بارہ بنکی (یوپی۔ ہندوستان) میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۵ محرم ۱۳۹۷ سنہ مطابق ۶ جنوری ۱۹۷۷ء کو بمقام لکھنؤ وفات پائی اس طرح ان کی عمر ۹۲، ۹۳ سال ہوئی۔ موت سے کس کو رستگاری ہے۔ مرنا بہرحال سب ہی کو ہے کوئی بڑی عمر پائے یا چھوٹی دیکھنے کی چیز یہ ہوتی ہے کہ آدمی کو جتنا وقت اس دنیا میں رہنے کا ملا اسے کس کام میں لگایا۔ مولانا عبد الماجد دریا بادی نے اس کو علم دین ادب اور مسلمانوں کی خدمت میں لگایا۔ ایمان کی روشنی پھیلانے

اور یقین و تقویٰ کی طرف لوگوں کو بلانے میں صرف کیا۔ ورنہ بہتوں کو اتنی بلکہ اس سے بڑی عمریں بھی عطا ہوتی ہیں۔ لیکن سب کہاں اسے مفید کاموں میں لگاتے ہیں حالانکہ یہ سب ہی جانتے ہیں کہ ؎

"نہ پہچانے جو قدرِ زیست وہ زندوں میں مُردہ ہے"

مولانا عبدالماجد دریا بادی مرحوم ادھر دو سال سے فالج کی وجہ سے مجبور ہو گئے تھے لیکن اس آخری لمحہ تک جب تک اِنکے دل و دماغ نے کام کیا وہ کام کرتے رہے۔ لکھ نہ سکتے تو کسی کو بٹھا کر لکھواتے۔ لیکن دین کی طرف لوگوں کو بلانے سے غافل نہ رہتے۔ آنکھیں کام نہ کرتی تھیں لیکن جب بھی موقع مِل جاتا کسی نہ کسی سے کتابیں پڑھوا کر سنتے۔ وہ عابد شب زندہ دار تھے لیکن ترک دنیا کا جُرم ان سے کبھی سرزد نہ ہوا

مولانا عبدالماجد دریا بادی ایک قویّ الیقین اور راسخ العقیدہ عالم تھے لیکن وہ اس مقام تک صرف تقلیدی طور پر نہیں پہنچے تھے بلکہ ایک زمانہ ان پر وہ بھی گذرا تھا جبکہ وہ فلسفہ کی شک و ریب سے بھری ہوئی وادیوں میں گھومتے ہوئے انکارِ حق کی وادی ضلالت میں جا پہنچے تھے اور بہت ہی سخت قسم کے لامذہب ہو گئے تھے کئی سال ایسے بھی ان پر آئے تعجب کہ وہ فلسفہ کے گھُپ اندھیرے میں امام غزالیؒ کی طرح ٹھوکریں کھاتے رہے تھے۔ اس ظلمت کدہ سے نکل کر نورِ حق کی روشنی میں ان کے آجانے کا قِصہ دلچسپ ہے یہ کسی اتفاقی حادثہ کی طرح نہیں ہوا تھا کہ وہ انکار سے نکل کر اقرار کی منزل میں پہنچ گئے تھے۔ بلکہ حضرت امام غزالیؒ کی طرح بڑی طویل فکر اور بڑے عمیق سوچ بچار نے انہیں اس منزل تک پہنچایا تھا۔

ٹیلہ والے مولانا

لکھنؤ میں نواب آصف الدولہ کے مشہور و معروف امام باڑہ سے ذرا فاصلہ پر ایک بلند ٹیلہ ہے اس ٹیلہ کے اوپر ایک مسجد سُنیوں نے بنا رکھی ہے۔ اس مسجد سے ملحق ایک حجرہ میں ایک عالم رہتے تھے جو ٹیلہ والے مولانا صاحب کہلاتے تھے۔ ان کا حجرہ بڑا صاف ستھرا تھا اور اس میں وہ اپنی کتابوں کے قریب فرش پر بیٹھے ہوتے تھے۔ لوگ ان کے پاس حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سبق لینے کے لئے جاتے تھے۔ جمعہ کی نماز اس مسجد میں ہوا کرتی تھی۔ لوگ نماز کے بعد بیٹھ جاتے اور مولانا صاحب سے دین کی باتیں پوچھا کرتے تھے۔ یہ کاتب سطور بھی اپنے زمانہ طالب علمی میں اکثر اس محفل میں شریک ہوتا تھا مولانا صاحب کا طرز بیان دلنشین اور باتیں بڑی سلجھی ہوئی ہوتی تھیں۔ لوگ ان سے سوالات ایسے احمقانہ قسم کے بھی کیا کرتے تھے جس سے کوئی دوسرا آدمی شاید برافروختہ ہو جاتا۔ مگر ٹیلہ والے مولانا صاحب کی پیشانی پر کبھی بل نہ آتا تھا وہ طرح طرح سے سائل کو مطمئن کرنے میں لگ جاتے تھے۔ اور اکثر و بیشتر حضرات کو مطمئن کر دینے میں وہ کامیاب بھی ہو جاتے تھے۔

میں ۱۹۲۶ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں حصول تعلیم کے لئے داخل ہوا تھا اور اسی زمانہ میں میں نے مولانا عبدالماجد دریا بادی مرحوم کو ان کے فلسفی دوست مولانا عبدالباری ندوی پروفیسر شعبہ فلسفہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے ساتھ پہلی بار دیکھا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مولانا عبدالماجد دریا بادی اور ان کے دوست مولانا عبدالباری ندوی فلسفہ کے ظلمت کدہ سے نکل کر یقین کی روشنی میں آچکے تھے۔ اس لئے ان کی گمراہی کا زمانہ میں نے نہیں دیکھا البتہ دوسرے

بزرگوں سے سُنا ہے کہ ایک زمانہ میں یہ دونوں دوست فلسفہ کی زد میں ایسے آ گئے تھے کہ یقین کی روشنی سے بھی محروم ہو چکے تھے۔ اور مولانا عبدالماجد دریا بادی کو افکار کی انہی گمراہیوں کی وجہ سے حیدرآباد کی ملازمت سے بھی جہاں وہ دارالترجمہ میں ملازم تھے سبکدوش ہونا پڑا تھا۔

مولانا عبدالماجد دریا بادی کو اس کے بعد سے بارہا دیکھنے ان کی باتیں سننے اور ان سے طویل گفتگو کرنے کا مجھے موقع ملا اور مولانا عبدالباری ندوی کے قریب رہنے کا موقع تو حیدرآباد دکن میں کئی سال حاصل رہا۔ لیکن کبھی ان بزرگوں سے میں نے زمانہ گمراہی کا قصہ نہیں سنا دوسرے لوگوں سے جو ان کے قریب تھے۔ ان حضرات میں ذہنی انقلاب کی داستانیں سُنیں لوگ بیان کرتے تھے کہ پہلے مولانا عبدالباری ندوی ٹیلہ والے مولانا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے اور محض اتفاقاً حاضر ہوتے۔ پھر بہت دنوں تک ان سے ملتے رہے۔ ان کی گفتگو سے جب ان کے ذہن کی اصلاح ہو چکی تو انہوں نے مولانا عبدالماجد دریا بادی کو دریا باد سے اپنے ساتھ لاکر ٹیلہ والے مولانا صاحب سے ملاقات کرائی اور کئی ماہ تک بار بار انکو اصرار ان کو وہاں لے جاتے رہے۔ اس طرح ایک طویل مدت تک افہام و تفہیم کے بعد اللہ تعالےٰ کی رحمت و ہدایت سے مولانا دریا بادی کے ذہن و فکر کی اصلاح ہو سکی اور ایسی اصلاح ہوئی کہ انہوں نے اپنی ساری زندگی سچی باتوں کی تبلیغ و اشاعت میں گزار دی۔ مولانا دریا بادی ذہنی اصلاح کے بعد جب دین کی طرف متوجہ ہوئے تو انہوں نے جید علماء سے حدیث و تفسیر کی کتابیں پڑھیں عربی

زبان کی تعلیم حاصل کی۔ اور قرآن مجید کا علماء کی نگرانی میں مطالعہ کیا۔ یہاں تک کہ فلسفی شاہ سے مولانا عبدالماجد دریا بادی ہو گئے۔

مولانا نگرامی | مولانا عبدالماجد دریا بادی کے ایک مخلص اور حقیقی دوست تھے مولانا عبدالرحمٰن نگرامی ندوی۔ نگرام شہر لکھنؤ سے قریب ہی ایک مشہور قصبہ ہے۔ مولانا نگرامی ندوہ کے فاضل اور عربی و اردو کے بہترین انشا پرداز تھے۔ ایک زمانہ میں مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی ندوی کے ساتھ مل کر کلکتہ سے عربی ہفتہ وار "الجامعہ" نکالتے تھے۔ اس کے بعد وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں معلم ہو گئے تھے۔ اخبار "سچ" ابتداءً ان ہی مولانا عبدالرحمٰن نگرامی کے اشتراکِ عمل سے نکلا تھا۔ ظفر الملک علوی ایڈیٹر رسالہ الناظر اور مالک الناظر پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ اس اخبار کے مہتمم اور ناشر تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن نگرامی کے ذہن میں اخبار سچ نکالنے کا خیال اس طرح پیدا ہوا تھا کہ انگریزی میں ایک ہفتہ وار اخبار "ٹروتھ" کے نام سے نکلتا ہے اور ایک مدت دراز سے برابر نکل رہا ہے۔ شاید اب بھی نکل رہا ہو۔ میں جس زمانہ میں شہر گیا کے رسالہ "ندیم" کا ایڈیٹر تھا تو بڑی پابندی کیساتھ یہ اخبار لندن سے منگواتا اور پڑھتا تھا۔ اخبار ٹروتھ ویسے تو بظاہر ایک مجموعہ افکار بلکہ بڑی حد تک تحقیقی مضامین کا مجموعہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت وہ بگڑی ہوئی عیسائیت کا منادی ہے۔ اس اخبار کو دیکھ کر یہ خیال ان کے ذہن میں آیا کہ ایک اس طرح کا ہفتہ وار اخبار اردو میں شائع کیا جائے۔ اس لئے انہوں نے اس اخبار کا نام "سچ" رکھا مولانا نگرامی مرحوم کا انتقال جوانی ہی میں ہو گیا۔ پھر مولانا عبدالماجد دریابادی

نے بعض اور لوگوں کو اس میں شریک کیا۔ جب یہ اخبار مالی پریشانیوں کی وجہ سے بند ہوگیا تو کچھ دنوں میں دوسرا انتظام کر کے اس کی جگہ پر "صدق" کے نام سے دوسرا اخبار نکالا۔ صدق بعض سرکاری وقانونی وجوہ کی بنا پر بند ہوا تو پھر صدق جدید کے نام سے اخبار شائع ہونے لگا۔ اور اب تک شائع ہوتا رہا۔

مولانا عبدالماجد دریا بادی اپنی نوجوانی میں علامہ شبلی نعمانی کے رفیق رہے تھے۔ جوانی میں تحریک خلافت کے رکن رکین تھے۔ مولانا محمد علی جوہر مرحوم کے خاص رفقاء میں شامل تھے وہ اتحاد اسلامی کے داعی تھے اور اس سلسلہ میں کبھی کبھی ان سے اس وقت چھوٹ جاتا تھا جب اختلاف مسلمانوں اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والے بعض نامسلم فرقوں کے مابین رونما ہوتا۔ وہ انہیں گمراہ تو سمجھتے مگر ان کے خارج از اسلام ہونے کی مخالفت کرنے لگتے تھے۔ وہ مسلمان کہلانے والوں کے مابین کسی طرح کا اختلاف پسند نہیں کرتے تھے اور اپنی تحریروں میں دیدیانہ انداز اور طعن وتشنیع کے ساتھ اس کا اظہار کرنے سے بھی احتراز نہیں کرتے تھے۔

مولانا عبدالماجد دریا بادی قومی و ملّی اداروں میں پوری طرح حصہ لیتے تھے وہ ندوۃ العلماء کے رکن تھے اور دارالمصنفین اعظم گڑھ کی مجلس نظماء میں ایک ناظم کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی اصول پسندی اور صداقت شعاری نے ان کو ہندوؤں اور مسلمانوں کے بڑے طبقہ میں قابل احترام بزرگ کا مرتبہ دیدیا تھا۔ ان کے مزاج میں یقیناً بڑی سختی تھی لیکن یہ سختی حق پسندی میں استواری کی وجہ سے تھی اس لئے لوگ اسے برداشت کرلیتے تھے۔

انھوں نے میری متعدد کتابوں پر تبصرے لکھے اور اپنے اخبار میں میرے بعض مضامین

کو نقل کر کے شائع بھی کیا۔ لیکن کبھی بے جا تعریف کا ایک لفظ نہیں لکھا انہوں نے
بعض تبصروں میں میری غلطیوں پہ بڑی سختی کے ساتھ گرفت کی اور مجھے کبھی معاف نہیں
کیا۔ لیکن میں نے کبھی اس کا بُرا نہ مانا اس لئے کہ مجھے ان کی صداقت اور اخلاص کا یقین
تھا۔ اور میں جانتا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ کسی نفرت یا عداوت کی بنا پر نہیں
کہہ رہے ہیں اور حق تو یہ ہے کہ میں کیا اور میری تحریر و تقریر کیا۔ غلطیاں مجھ سے سرزد
ہوں تو جھڑکیاں دوسرا کون سہے گا؟

غرض یہ کہ مولانا عبدالماجد دریابادی کی دو حیثیتیں تھیں ایک تو فلسفی، عالم
دین اور بزرگ عبادت گذار کی اور دوسری اردو زبان کے اداشناس ادیب اور صاحب
طرز خاص انشا پرداز کی اور وہ ان دونوں حیثیتوں سے بلند اور اعلیٰ مقام رکھتے
تھے۔

اسی سال ۱۳۹۷ھ ۱۹۷۷ء کے پہلے ہی مہینہ میں وہ رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ آخر کب تک
نہ مرتے بڑی عمر پائی اور بڑے کام کئے۔ اللہ تعالےٰ ان کو اپنی رحمتوں میں جگہ دے
اُمید ہے کہ ان کے دل و دماغ کی کاوشیں جو صفحات قرطاس پر محفوظ ہیں۔ اُن
سے ایک مدت تک ہم مستفید ہوتے رہیں گے۔

"یرحمہ اللہ رحمۃً واسعۃ ولیغفر لہ مغفرۃ
تامۃ لا تغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ"

آیاتِ بیّنات

رواداری	۱۴	مومن کی ایک علامت	۵۱
روپیہ کا حقیقی مصرف	۱۶	اگلوں کا احترام	۵۲
تقویٰ کی اہمیت	۱۸	افترا پردازیاں	۵۴
بہتان طرازیاں	۲۱	مکر اللہ	۵۶
دشمنوں کا شعار	۲۴	نزولِ رحمت	۵۸
مومن کا احترام	۲۶	اسلامی اور یاجوجی نظامِ حکومت	۶۰
دین کے دشمن	۲۸	دعوتِ رسول	۶۲
دشمنوں کے حقوق	۳۰	فتنہ پرداز	۶۴
جزائے اعمال	۳۲	گم کردہ راہ	۶۶
مالک الملک	۳۴	موت کی بے ہوشی	۶۸
طالوتِ شریعت و جالوتِ نفس	۳۶	تصویرِ اعمال	۷۰
بے حیائی کے چرچے	۳۹	دشمنی کا سدِّ باب	۷۲
عزت کا معیار	۴۱	خدا فراموشی و خود فراموشی	۷۵
حجابِ اکبر	۴۳	آگ کے شعلے	۷۲
عورت پرستی	۴۵	ضابطۂ عمل	۷۹
نمازِ جمعہ	۴۷	دنیا کی لگاوٹ	۱۸
صبرِ جمیل	۴۹	گپ شپ	۸۴

حیاتِ دنیوی کی حقیقت
دوراستے ۸۸
منکرینِ حق کی ذہنیت ۹۰
میدانِ جنگ اور ذکرِ الٰہی ۹۲
اولیاء اللہ ۹۵
حسنِ اخلاق ۹۷
خشیتِ الٰہی ۹۹
دنیا سے دنی ۱۰۲

احادیثِ طیبہ ۱۰۵

شہروں کا پسندیدہ ترین اور ناگوار ترین حصہ ۱۰۵
چودھویں صدی ۱۰۹
مغرب پرستی ۱۱۲
اطاعتِ والدین ۱۱۵
حصولِ علم کا مقصد ۱۱۸
انکارِ حدیث ۱۲۰
امر بالمعروف ۱۲۲
محرم سے سلوک ۱۲۴

رمضان المبارک ۱۲۷
رحمتوں کا مہینہ ۱۲۹
عہدہ داروں کی ذمہ داریاں ۱۳۲
وطن کی محبت ۱۳۵
موسیقی اور اسلام ۱۳۷
بھوک ہڑتال ۱۳۹
عورت سے مصافحہ ۱۴۲
مومن فاسق ۱۴۴
کلمۂ توحید کی اہمیت ۱۴۶
نفت یا بشریٰ ۱۵۰
ہماری فلاح ۱۵۲
غلامی میں عبادتِ حق ۱۵۴
حکیمانہ دُعا ۱۵۶

اُسوۂ حسنہ ۱۶۰

الامین ۱۶۱
رؤف الرحیم ۱۶۴
بے داغ سیرت ۱۶۵
محبوبِ حق اور خشیتِ الٰہی ۱۶۷

رسول صلعم کا مجلسی دستور العمل ۱۷۰
رمضان اور بزرگانِ کرام ۱۷۲
انقلاب ۱۷۵
اُسوۂ رسول صلعم ۱۷۷
اسلامی تمدن ۱۷۹
شخصی اصلاح اور ضبط کا پروگرام ۱۸۱
عالمِ روحانیت کا موسمِ بہار ۱۸۳
زندہ مذہب ۱۸۵
ایک نعمت ۱۸۸
ہوالشافی ۱۹۰
زندگی کا سفر ۱۹۲
اسلامی حکومت اور فسق ۱۹۶
کیا کیا نہ کیا عشق میں ۱۹۸
روزہ دار غیروں کی نظر میں ۲۰۱
مسلمان ماں اور مسلمان بیٹی ۳۰۲
اسلامی مجاہدہ ۲۰۵
عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ۲۰۷
ایمان کی پختگی ۲۱۰
دینی خدمت کا قابلِ تقلید نمونہ ۲۱۳

مشرقی ماں ۲۱۵
مشرقی و مغربی تہذیب ۲۱۷
ام المومنین کا پردہ ۲۱۸
رہبر کی ہدایت اور راہگزر کا فریب ۲۲۰
اسوۂ علی ۲۲۲
بدعتوں سے بے تعلقی اور تعاون کے حدود ۲۲۴
قوم پرست اُسوۂ رسول کی روشنی میں ۲۲۷
بزرگوں کی نظر ۲۹۹
دو سبق ۲۳۲
مدح و قدح ۲۳۵

آیاتِ بیّنات ۲۳۹

قلم سے تعلیم ۲۴۱
غافل انسان ۲۴۳
مخلوط عبادت ۲۴۵
خدا کا عذاب ۲۴۷
ایمان کی قوت ۲۵۰
دعوتِ قرآن ۲۵۲

تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا ۲۲۵

فلسفی سرِ حقیقت نتوانست کشود ۲۵۸

عرب اور اسلام ۲۶۱

ملّتِ محمدی میں پانچواں کالم ۲۶۳

لڑکی کا حصّہ ۲۶۵

راہِ اعتدال ۲۶۷

حقوقِ نسواں اور رواج و دستور ۲۷۰

عورت کے حقوق ۲۷۳

نسوانی فطرت سلیم ۲۷۵

عورت کا مرتبہ ۲۷۸

رسمی مسلمان اور کافر کا فرق ۲۸۰

احکامِ الٰہی ۲۸۳

اہلِ اللہ سے اللہ کے واسطے جنگ ۲۸۵

اہلِ باطل کے جلوس میں شرکت مصلحت دینی سے ۲۸۷

شراب کے فوائد ۲۹۰

اتباع و حبِ رسول ۲۹۳

دین کے خادم ۲۹۵

قیامت کی تائید سائنس کی زبان سے ۲۹۶

بُرے القاب ۲۹۸

معجزۂ قرآن اور جوہری بم ۳۰۰

شریعت کا ایک ضابطہ ۳۰۲

روشن خیال عورت ۳۰۴

حقوقِ انسانی ۳۰۶

مذہب بطور کھیل تماشہ ۳۰۸

آج اور کل ۳۱۰

حضرت مصنّف کا مکتوب

مرتّب کے نام

کرم گسترا وعلیکم السّلام

آپ نے بے شک محنت اور سلیقہ مندی دونوں کے ساتھ "یہ سچی باتیں" جمع کیں اور ترتیب دی ہیں۔ صحیح عنوانات آپ کے حسنِ ذوق کی دلیل ہیں آپ انھیں جب چاہیں چھاپ سکتے ہیں البتہ ان میں غلطیاں جا بجا نظر پڑیں کچھ اس لیئے بھی کہ وہ الفاظ پرچہ میں چھپے ہی غلط تھے۔ یوں بھی جا بجا اضافے اور کہیں کہیں ترمیم کی ضرورت نظر آئی یہ سب کام اسی وقت ہو سکتے ہیں جب میں خود پورا وقت نظر ثانی کے لیئے نکالوں اور اس کی عنقریب کوئی توقع ہے نہیں۔

بہرحال آپ اپنا کام کر ڈالیئے میں اپنے کرتا رہوں گا۔ انشاء اللہ والسلام

دعاگو دعاخواہ

(مولانا عبدالماجد دریابادی)

اپنی باتیں

الحمد للہ ربّ العالمین ۔ ساری تعریفیں اُس خدائے علیم و حکیم قدیر و خبیر کے لئے ہے جو کائنات کے ذرّہ ذرّہ کا خالق اور رب ہے جس کی ذات ہر قسم کے عیب و نقص سے منزّہ اور پاک ہے ۔ جو محتاج نہیں محتاج الیہ اور سب کا حاجت روا ہے مخفی دعاؤں کا سننے والا تنہا وہی ہے ۔ عطائے موت و حیات و نفع و ضرر صرف اُسی کا کام ہے دنیا کی تمام قوّتوں کی عنانِ حکومت صرف اسی کے دستِ قدرت میں ہے جس کا حکم و قانون نسلی برتری، قومی فضیلت اور خاندانی اقتدار کے سارے نقائص سے بری ہے ۔

وحئ حق بینندۂ سود ہمہ ۔ در نگاہش سود و بہبود ہمہ

دُرود و بنا محدود اور اللہ کی بے شمار رحمتیں نازل ہوں اُس ذاتِ قدسی صفات پر جو رحمۃ للعالمین ہے رسول الامین ہے محبوب رب العالمین ہے بشیر و نذیر ہے رؤف الرحیم ہے جس نے اپنی پاک زندگی کی ہر حرکت و جنبش سے یہ واضح کر دیا کہ انسان کی فلاح و بہبود کا صحیح راستہ کونسا ہے انسان کی خودی و خود داری کی حفاظت کس طرح کی جا سکتی ہے ۔ اشرف المخلوقات کو ذلیل و حقیر ہونے سے کس طرح بچایا جا سکتا ہے احادیث و سیرت کے سارے دفاتر اسی اجمال کی تفصیل اور اسی دعوے کی دلیل ہیں ۔

اسلام | اسلام جس کے ظہور نے دُنیا کی شقاوت و حرمانی کا موسم بدل دیا ۔ ظلم و طغیان اور فساد و عصیان کی تاریکیاں مٹا دیں خدا اور اس کے

بندوں کا ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑ دیا انسانی اخوت و مساوات کی یگانگت نے دشمنوں اور کینوں کو نابود کر دیا اور کلمۂ کفر و ضلالت کی جگہ کلمۂ حق و عدالت کی بادشاہت کا اعلان عام کیا اسلام نے حقیقتِ انسانی کے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور اس نے بتایا کہ اے انسان تو مخلوقات کا بندہ نہیں تو مخلوقات کا آقا ہے تو ان کے لیے نہیں پیدا کیا گیا وہ تیرے لیئے پیدا کئے گئے ہیں تو ان کا غلام نہیں بنایا گیا۔ وہ تیرے غلام بنائے گئے ہیں تو تمام مخلوقات سے اشرف ہے اور تیری ذات ان تمام ہستیوں سے ارفع ہے تو صرف خالقِ مخلوقات کا بندہ ہے اور تمام مخلوقات کا آقا ہے حیف ہے کہ ان کو اپنا خدا بنائے اور ان کے آگے غلامی کا سر جھکائے۔

مسلمان مومن و مسلم ہستی وہ ہے جو صرف ایک ہی کی محکوم ہے اس کے گلے میں محکومی کی ایک بوجھل زنجیر ضرور ہے پر مختلف سمتوں میں کھینچنے والی بہت سی ہلکی زنجیریں نہیں ہیں وہ ماں باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتا ہے کیونکہ اس کے ایک ہی حاکم نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے وہ دوستوں سے محبت رکھتا ہے کیونکہ اُسے رفیقوں اور ساتھیوں کے ساتھ سچے برتاؤ کی تلقین کی گئی ہے وہ اپنے سے ہر بزرگ اور ہر بڑے کا ادب ملحوظ رکھتا ہے کیونکہ اس کے آداب آموزِ حقیقی نے اسے ایسا ہی بتلایا ہے وہ بادشاہوں اور حاکموں کا حکم بھی مانتا ہے کیونکہ حاکموں کے ایسے حکموں کے ماننے سے اُسے نہیں روکا گیا ہے جو اس کے حاکم حقیقی کے حکموں کے خلاف ہوں وہ دُنیا کے ایسے بادشاہوں کی اطاعت بھی کرتا ہے جو اس کی آسمانی بادشاہت کی اطاعت کرتے ہیں کیونکہ اُسے تعلیم دی ہے کہ وہ ہمیشہ ایسا ہی کرے لیکن یہ سب کچھ جو وہ کرتا ہے تو اس کے لیئے نہیں کرتا کہ ان سب کو حاکم مانتا اور

ان کو جھکنے کی جگہ سمجھتا ہے بلکہ اس لئے کہ طاعت صرف ایک ہی کے لئے ہے
اور حکم صرف ایک ہی کا ہے ؎

مقصود ما ز دیر و حرم جز جلیب نیست
ہر جا کنیم سجدہ بداں آستاں رسد

روشن خیالی کا موجودہ دور

زوالِ اُمّت کے اسباب بیان کرنے والوں نے خواہ کچھ ہی بیان کئے ہوں لیکن اس امر سے کسی کو اختلاف نہ ہوگا کہ مسلمان کی معراج خدا کی بندگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہی ہے۔ اقتدار، دولت، حکومت، عزت جو کچھ حاصل کرنا ہو مسلمان بن کر اور مسلمان رہ کر ہی حاصل کرنا ہے وطن پرست، قوم پرست یا نفس پرست بن کر نہیں لیکن بدقسمتی ہے آج کا مسلمان لٹے ہوئے مسافر کی طرح اپنی عزت، دولت اور حکومت کی متاعِ عزیز کھو کر گلی گلی کی خاک چھانتا پھر رہا ہے کہیں بصیرت سوز تہذیب فرنگ کی روشنی سے عزت کی راہ پانے کی توقع باندھتا ہے کبھی سیاستِ کافرانہ کی نقل کر کے حکومت حاصل کرنے کی آس لگاتا ہے اور آہ یہی اس کی سب سے بڑی بھول ہے ورنہ یہ کیوں ہے کہ تم نے کامیابی نہ پائی اور کام و مراد نے تمھارا ساتھ چھوڑ دیا۔ کیا خدا کا وعدہ سچا نہ تھا اور کیا وہ اپنے اقوال کا پکا نہیں تو تم جو انسانوں کے وعدوں پر ایمان رکھتے اور ان کے حکموں کے آگے گرنا جانتے ہو خدا کے وعدے لا یخلف المیعاد کے لیے اپنے اندر ایمان کی کوئی صدا نہیں پاتے ؟ آہ نہ تو اس کا وعدہ جھوٹا تھا اور نہ اس نے اپنا رشتہ توڑا مگر ہم ہی ہیں ہماری ہی محرومی و بیوفائی ہے ہمارے ہی ایمان کی موت اور راستی کی

حرمانی ہے جس نے اپنے پیمانِ وفا کو توڑا اور خدا کے مقدس رشتہ کی عزت کو اپنی غفلت اور بداعمالی اور غیروں کی پرستش اور بندگی سے بٹہ لگایا۔

اگر مسلمان اپنے خدو خال کو درست کرنا چاہتا ہے تو قرآن کے آئینہ سے بہتر کون آئینہ ہو سکتا ہے جس کو سامنے رکھ کر اپنے آپ کو آراستہ کر سکے اپنے ایک ایک عیب کو ایک ایک نقص کو ایک ایک داغ اور دھبے کو دور کر سکے زندگی کی پُرپیچ راہوں اور دنیا کی بھول بھلیوں میں سے بلا کھٹکے فلاح و بہبود کی منزل مقصود تک پہنچا ہو تو احادیث طیبہ اور اسوۂ حسنہ سے بہتر رہبر کوئی کہاں سے لا سکتا ہے۔

صبحِ امید ان ساری اندھیاریوں میں سے آفتاب امید بھی طلوع ہوتا نظر آرہا ہے مسلمان اپنی غلطیوں کو محسوس کرنے جا رہے ہیں۔ اسٹیشن کی جھوٹی چمک دمک اور اصلی گوہر کے جوہر ان پر کھلتے جا رہے ہیں اک زمانہ تھا کہ انگریزی تعلیم اور دہریت یا نیچریت لازم و ملزوم سمجھے جاتے تھے لیکن آج یہی حضرات دہریت کے طلسم باطل کو اس طرح توڑتے جا رہے ہیں کہ ان دینی خدمات پر ہمارے علمائے کرام کو بھی رشک آجائے خدمتِ دین اور اصلاح المسلمین کی انہی کوششوں میں سے ایک کامیاب ترین اور پسندیدہ ترین کوشش اخبار سچ اور صدق کی سچی باتیں تھے جو مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کے قلم فیض رقم کی رہین منت ہیں۔ پرچہ مذکور کا مقصدِ وجود ہی خود مولانا کے الفاظ میں شیطانی قوتوں کی بیخ کنی اور دجالی مرعوبیت کو دلوں سے دور کرنا ہے مولانا کی طرزِ تحریر کے متعلق کچھ کہنا تو تحصیل حاصل ہے بالکل سچ کہا ہے جس نے کہا ہے کہ مولانا طنز نگاری کے شاہنشاہ ہیں مولانا کے استفہامی جملے اور مخاطب کو دل سے

جواب طلبی کی تاکید عجیب اثر رکھتی ہے۔ دل محسوس کرنے لگتا ہے کہ مجھے کیا ہونا چاہیے تھا اور میں کیا ہوں دماغ سوچنے لگتا ہے کہ واقعی تاریکی سے روشنی میں آنے کے لئے مجھے کیا کرنا چاہیے۔ جس کو پانی سمجھا تھا حقیقتاً سراب سے زیادہ کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا اور جس چشمۂ شیریں سے پیاس بجھ سکتی ہے وہ سامنے ہی تو موجود ہے۔

باوجود ان صوری و معنوی خوبیوں کے "سچ" اور "صدق" کا دائرہ اثر و اشاعت محدود ہی رہا ضرورت تھی کہ سچی باتیں زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہونچاتے رہیں اس سے بڑھ کر اپنے دوستوں اور مسلمان بھائیوں کی خدمت اور ہم سے ہو بھی کیا سکتی ہے۔

زیر نظر کتاب "سچ اور صدق" دونوں کی سچی باتوں کے انتخابات پر مشتمل ہے جن کو تین ابواب "آیات بینات" "احادیث طیبہ" اور "اسوۂ حسنہ" پر تقسیم کیا گیا ہے۔ اسوۂ حسنہ کے تحت سیرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض پہلوؤں کے علاوہ بزرگان کرام اور عام صالحین امت کے اعمال حسنہ کا بھی ذکر خیر ہے۔ آیات بینات کا کچھ حصہ بلا ارادہ مرتب آخر میں شامل کر دیا گیا ہے ہوالاول والآخر اس کو بھی ایک فال نیک ہی سمجھیے۔

ترتیب کے بعد طباعت و اشاعت کتاب کی ساری مشکلیں جناب محمد اقبال سلیم صاحب گاہندری کی حسن توجہ اور ذوق سلیم نے آسان کر دیں اور یہ حسین و جمیل کتاب آپ کے سامنے آ گئی۔ والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ہم المتقون۔ والسلام۔

حکیم محی الدین حسین ہلال اکبری

رواداری

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ

(انعام) ۱۳۰ع) اور تم لوگ بُرا نہ کہو جن کو وہ پکارتے ہیں اللہ کے سوائے

کہ وہ بُرا کہہ بیٹھیں اللہ کو بے ادبی سے نہ سمجھ کر۔

خلاصہ ارشاد یہ ہے کہ مسلمانوں کو دوسری قوموں کے پیشواؤں کے بُرا کہنے سے قطعاً روک دیا گیا ہے اور جو مسلمان ایسا کرے گا اس پر خود اپنے اللہ کے بُرا کہلوانے کی ذمہ داری عاید کی گئی ہے! اللّٰہم احفظنا۔

امام بخاری اپنی صحیح کی کتاب الادب میں ایک باب باندھتے ہیں لَا يَسُبُّ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ (کوئی شخص اپنے والدین کو گالی نہ دے) اور اس بات کے تحت میں حدیث ذیل لاتے ہیں جسے بعینہٖ یا برائے نام لفظی تغیر کے ساتھ دوسرے محدثین کرام نے بھی نقل کیا ہے:۔

عن عبد اللہ بن عمرو قال قال النبي صلعم ان من اکبر الکبائر ان یلعن الرجل والدیہ قیل یارسول اللہ وکیف یلعن الرجل والدیہ قال یسب ابا الرجل فیسب اباہ ویسب امہ فیسب امہ۔

عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ بڑے گناہوں میں سے ایک بہت بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین پر لعنت کرے لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ یہ کیونکر ہوسکتا ہے؟ ارشاد ہوا کہ جب یہ کسی کے باپ کو

گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور جب کسی کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔

حدیث کا مفہوم بھی بغیر کسی شرح و تفسیر کے بالکل واضح ہے یعنی جو دوسروں کے بزرگوں کے ساتھ بدکلامی کرتا ہے وہ دوسروں کی زبان سے اپنے بزرگوں کے حق میں بدکلامی کرا کے گویا خود اپنے بزرگوں کے حق میں بدکلامی کا ذمہ دار بنتا ہے

اس آیت اور اس حدیث کو پڑھ کر سوچیے کہیں یہ جامہ ہمارے ہی قد پر تو ٹھیک نہیں اترتا ہے کہیں وہ ناخلف اولاد جو اپنے اجداد کو گالیاں سنواتے ہم ہی تو نہیں ہیں کہیں وہ بدبخت قوم جو اپنے بزرگوں کی توہین کراتے ہم ہی تو نہیں ہے؟ آج آپ اپنے اخبارات کو پڑھ پڑھ کر خوش ہو رہے ہیں کہ فلاں قوم کے خلاف والے لیڈر، فلاں پنڈت، فلاں لالہ کی خوب خبر لی گئی، فلاں نظم خوب رہی فلاں فقرہ غضب کا چبھتا ہوا رہا، فلاں پھبتی لاجواب رہی، لیکن دوستو اور عزیزو! اپنے ہاں کی تعلیم سے واقف ہونے کے بعد اپنے غیب داں خدا اور نکتہ شناس رسول کے ارشادات سے باخبر ہونے کے بعد اپنے ذاتی جذبات، خواہشوں کو آیاتِ قرآنی و احادیث نبوی کے ماتحت کر دینے کے بعد سوچو اور سمجھو کہ اپنی نادانیوں سے اسلام کے دوستوں، ہوا خواہوں اور ہمدردوں کی تعداد بڑھا رہے ہو یا اس کے برعکس دشمنوں، بدخواہوں، اور مخالفوں کی؟
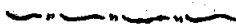
روپیہ کا حقیقی مصرف

اُلشیطٰن یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاءِ واللّٰہ یعدکم مغفرۃً منہ وفضلا واللّٰہ واسع علیمٌ۔ (شیطان تمہیں تنگدستی سے ڈراتا ہے اور تمہیں بخل کا حکم دیتا ہے اور اللہ تمہیں اپنی طرف سے بخشش اور فضل کا وعدہ دیتا ہے اور اللہ کشائش والا علم والا ہے)

آیۂ بالا سورہ بقرہ رکوع ۳۷ میں واقع ہوئی ہے اوپر سے یہ مضمون چلا آ رہا ہے کہ مسلمانوں کو رسم و رواج کی مد میں یا نام و نمائش، جاہ و نفس کی راہ میں خرچ کرنے سے بچنا چاہیے اور اپنی دولت اللہ کی رضاجوئی کے لئے نیک کاموں میں خرچ کرنا چاہیے اور اس خرچ کو فضول و لاحاصل نہ سمجھنا چاہیے اس آیت میں مذکور یہ ہے کہ راہِ خدا میں، کارِ خیر میں، خرچ کرنے سے شیطان طرح طرح سے آکر روکتا ہے، دل میں مفلس و تنگدست ہو جانے کے وسوسے پیدا کرتا ہے اور مال کو بچا بچا کر جوڑ رکھنے کی ترغیب دیا کرتا ہے لیکن اللہ جس کے ہاتھ میں سارے اسباب کشائش کی کنجی ہے اور جو تمام داناؤں سے بڑھ کر دانا ہے اس نے افلاس و امارت ناداری و خوشحالی کے قوانین ہی دوسرے رکھے ہیں وہ اپنی طرف سے اطمینان دلاتا ہے کہ اس کی راہ میں خرچ کرنے سے ہرگز کوئی مصیبت نہیں آجاتی بلکہ اس کے فضل و کرم ہی کا نزول ہوتا ہے۔

شیطان برابر یہ تحریک دل میں ڈالتا رہتا ہے کہ صدقات میں روپیہ نہ اٹھاؤ، زکوٰۃ ادا کرو، حج میں روپیہ نہ اٹھاؤ، اُمّت کے فلاح و بہبود کے کاموں میں چندہ نہ دو، غریبوں اور بیکسوں، یتیموں اور رانڈوں کی خبرگیری کی فکر میں

کہاں تک پڑو گے کہ ان طریقوں سے روپیہ گھٹنے لگے گا اور چند روز میں تم خود زیر بار و قرضدار ہو کر مفلس و نادار ہو جائے گا (یہی معنی ہیں فحشاء کے اس بداخلاقی کے جو طبیعت میں بخل سے پیدا ہوتی ہے) بلکہ اپنی دولت کو بڑے بڑے بنکوں میں محفوظ کر دو، اپنے سرمایہ سے ساہوکاری شروع کر دو، اپنے روپیہ کو کرایہ پر چلانا شروع کر دو کہ اس سے بجائے گھٹنے کے بڑھنے لگے گا، ایک ایک کے چار چار ملنے لگیں گے ہر قسم کے لطف و عیش عزت و نمود کا سامان خرید کیا جا سکے گا کہ یہی حاصل حیات و مقصد زندگی ہے یہ تمام تحریکیں جس ذریعہ سے پیدا ہوتی ہیں ان کا ایک جامع نام قرآن پاک نے شیطان فرمادیا ہے۔

اب ارشاد ہو کہ آج آپ کے گرد و پیش یہی صورت حال ہے یا نہیں، ؟ آپ کے دوستوں میں آپ کے ملنے والوں میں آپ کے جاننے والوں میں کتنے ایسے ہیں جو آپ کو سفر حج کے لیئے آمادہ کرتے ہیں ؟ جو آپ کو پابندی کے ساتھ زکوٰۃ نکالنے کی صلاح دیتے رہتے ہیں ؟ پھر جب آپ از خود کسی نیک مقصد میں چندہ دینے کے لیئے آمادہ ہوتے ہیں تو کتنے ایسے ہیں جو اس سے آپ کو روکنے کی کوشش نہیں کرتے اور قومی کارکنوں کے "چندہ کھا جانے" کی داستانیں سنا سنا کر آپ کو ان کے خلاف نہیں ورغلایا کرتے ؟ اس کے برخلاف کس کثرت سے ہر اخبار، ہر انجمن، ہر لکچرار کے ذریعہ سے آج یہ شیطانی تحریک آپ کے دل میں ڈالی جا رہی ہے کہ روپیہ کو سودی کاروبار میں لگاؤ بیمہ کمپنیاں قائم کرو، ساہوکاری اور مہاجنی کا پیشہ اختیار کرو اور اپنا اعتماد اپنے پیدا کرنے والے اور ہر شئے پر قدرت رکھنے والے سے ہٹا کر بینک کے منیجروں اور بیمہ کمپنیوں کے ڈائرکٹروں پر قائم کرو! اللہ پر اعتماد و توکل کا نام زبان پر "ترک دنیا"

کی تعلیم دینا ہے "رہبانیت" ہے جمود و تاریک خیالی ہے لیکن وہی توکل و اعتماد اگر بجائے دولت آفریں کے دولت پر قائم کیجئے گورنمنٹ کے پرامسری نوٹوں پر ڈاک خانہ کے تمسکات پر، بینک کے حصّوں پر جتنا بھی چاہئے آنکھ بند کرکے قائم کیجئے عین دانشمندی، روشن خیالی ہے، ضروریاتِ زمانہ کی نبض شناسی ہے، امّت کی مخلصانہ خدمت گزاری ہے، اور قوم کی مصلحانہ خیر اندیشی ہے۔

تقویٰ کی اہمیّت

ومن یتّق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ان اللہ بالغ امرہ قد جعل اللہ لکل شئی قدراً۔

اور جو کوئی اللہ سے تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ اس کے لیئے کشائش پیدا کردیتا ہے اور جہاں سے اُسے گمان بھی نہیں ہوتا اُسے روزی دیتا ہے اور جو کوئی اللہ پر توکل رکھے پس وہ اس کے لیئے کافی ہے۔ یقیناً اللہ اپنا ہر کام پورا کرلیتا ہے، اللہ نے ہر شے کا اندازہ ٹھہرا رکھا ہے۔

یہ کسی شاعر کا کلام نہیں کسی انشا پرداز کی عبارت آرائی نہیں کسی انسانی دماغ سے نکلا ہوا مقولہ نہیں زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے تمام اشیاء کو نیست سے ہست کرنے والے جملہ اسباب و وسائل کی باگ اپنے ہاتھ میں رکھنے والے کا ارشاد ہے جو قرآنِ پاک کی سورۂ طلاق کی رکوع ۲ میں وارد ہوا ہے آپ کا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ آپ بھی دنیوی کامیابی کے لیئے تقویٰ کی اس اہمیّت کے قائل ہیں؟

آپ بھی توکل کو ایسی ہی اہم اور ضروری چیز خیال کرتے ہیں یا اس کے برعکس ایک ضعیف الاعتقادی و خام خیالی ؟

آیہ کریمہ کا مفہوم واضح ہے کسی تفسیر و تحشیہ کی حاجت نہیں ارشاد ہوتا ہے کہ جو کوئی اللہ سے تقویٰ اختیار کرتا ہے، جو خوف خدا خشیتِ الٰہی، امانت، صداقت دیانت کو اپنی روشن زندگی بنا لیتا ہے اس کے لئے اسی مادی دنیا میں کامیابی اور کشائش کی نئی نئی راہیں اللہ پیدا کرتا رہتا ہے اور سامانِ معاش و معیشت اُسے اُن اُن ذرائع سے پہنچاتا رہتا ہے جن کا اُسے قبل سے کچھ وہم وگمان بھی نہیں ہوتا اور جو کوئی اللہ پر توکل و اعتماد رکھتا ہے وہ اپنی مراد کو پہنچ کر رہتا ہے اس لیے کہ اس کی ذات پاک تو تمام اسباب کی پیدا کرنے والی اور ان پر قدرت رکھنے والی اور وہی تو ہر ضرورت اور اس کے سامان کا اندازہ داں اور اس کی بہم رسانی پر تنہا بغیر کسی شرکت و امداد کے قادر ہے پس اپنے ذہن کو درمیانی واسطوں اور وسیلوں میں کیوں اتنا اُلجھائے ہوتے رہتے ہو براہِ راست اسی مسبب الاسباب اسی قادرِ مطلق سے کیوں نہیں تعلق پیدا کر لیتے اسباب کا جال بھی اسی حکیم مطلق کا پھیلایا ہوا ہے اس لیئے ان سے کام لینے کو منع نہیں فرمایا ان سے واسطہ رکھنے کو حرام نہیں قرار دیا لیکن ان پر اعتماد کرنے .... اُن سے دل اٹکانے کو یقیناً جہالت و نادانی بتایا ہے اور اس اعتماد و توکل، اور اس بھروسے اور سہارے کے لائق صرف اپنی ہی ذات کو قرار دیا ہے یہ اللہ کا فرمان ہے اور اسی کی بنا پہ رسول کا یہ عمل تھا کہ عین اس شب کو جب کہ مکہ کی ساری آبادی خون کی پیاسی ہو رہی تھی اور قتل کرنے والے سازشی اور خونی موقع کے منتظر مکان کا چکر کاٹ رہے تھے اپنے محبوب اور عزیز ترین بھائی علی مرتضیٰؓ کو اپنے

بستر خواب پر لٹا کر اور قرآن کی یہ آیت پڑھتے ہوئے کہ "ہم نے ان کافروں کے
آگے اور پیچھے دیواریں کھڑی کر دی ہیں اور ہم نے ان کی آنکھوں پر پردے ڈال
دیئے ہیں کہ وہ نہیں دیکھتے" مکان سے باہر تشریف لے آئے اور دشمنوں میں سے
کوئی بھی نہ دیکھ سکا! یہ اللہ کا ارشاد اور رسول کا عمل تھا اب اپنے دل سے دریافت
ہو کہ آپ کا خیال اور آپ کا عقیدہ، آپ کی عادت اور آپ کا عمل اس باب میں
کیا ہے؟ دیکھنے میں تو یہ آیا ہے کہ آپ کو جب کبھی کسی معاملہ میں کامیابی حاصل ہوئی
تو اسے ہمیشہ آپ نے اپنی ہی کوشش دیدہ وری اپنے اثر اور جوڑ توڑ اپنی تدبیر و دانائی
کا نتیجہ قرار دیا۔ مقدمہ میں جب آپ کو فتح ہوئی تو اس کا سہرا ہمیشہ آپ کی دوڑ دھوپ
اور آپ کے وکیل صاحب ہی کی ذہانت و قابلیت کے سر بندھا۔ ملازمت اگر
آپ کو آپ کی مرضی کے موافق مل گئی تو اس پر آپ نے ہمیشہ اپنی ہی حکام رسی، اپنے
ہی اعلیٰ اسناد اور اپنے ہی اثر و رسوخ کو قابل مبارکباد سمجھا۔ بیماری سے جب آپ
کو شفا ہوئی تو ہمیشہ آپ نے اپنے معالج ہی کی صداقت کا کلمہ پڑھا۔ غرض زندگی کے
ہر ہر شعبے میں آپ نے جب جب توکل و اعتماد کیا تو ہمیشہ داروغہ صاحب اور ڈپٹی
صاحب، کلکٹر صاحب اور جج صاحب، ڈاکٹر صاحب اور حکیم صاحب، وکیل صاحب
اور بیرسٹر صاحب، راجہ صاحب اور نواب صاحب وزیر صاحب اور لاٹ صاحب
ہی پر کیا اور ان سے بڑھ کر خود اپنے دل و دماغ، اپنی عقل و تدبیر پہ کیا، پر ان تمام
صاحبوں کے صاحب کا جلوہ بھی کبھی آپ نے اپنے دل کی گہرائیوں میں دیکھا؟ ان تمام
جھوٹے خداؤں کے پیچھے خدا کے فضل و کرم سے کبھی آپ نے اپنے دل کو اٹکایا؟ تماشہ
گاہ شہود کی ان ساری کٹھ پتلیوں کے پیچھے جو پُر قوت غیبی ہاتھ ہے کبھی اس کے

چومنے اور آنکھوں میں لگانے کی گدگدی بھی آپ کے دل میں پیدا ہوئی۔؟

بہتان طرازیاں

(۱) وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (نور ع ۱)

جو لوگ پاک دامن عورتوں پر عیب لگاتے ہیں، اور پھر چار گواہ نہ لا سکے تو مارو ان کے اسّی کوڑے اور کبھی ان کی کوئی گواہی قبول نہ کرو اور وہی لوگ نافرمان ہیں۔

(۲) اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (نور ع ۳)

جب تم اس بہتان کو زبانوں پر لانے لگے اور اپنے منہ سے وہ باتیں کہنے جن کا تمھیں کوئی علم نہ تھا اور تم انھیں ہلکی بات سمجھتے تھے حالانکہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات تھی اور جب تم نے سنا تھا اسی وقت کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمارے لیے یہ زیبا نہیں کہ ہم ایسی بات زبان سے نکالیں تو پاک ہے یہ بہتان عظیم ہے اللہ تمھیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو اس جیسی بات پھر کبھی نہ کرنا!

(۳) اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (نور ع ۲)

جو لوگ چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی باتوں کا چرچا مسلمانوں میں پھیلتا رہے ان کے لیئے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

یہ کلام مجید کی تین آیتیں ہیں اور آپ جس فرقہ سے بھی تعلق رکھتے ہوں اگر مسلمان ہیں تو کلام مجید کی ہر آیت پر یقین رکھتے ہوں گے پہلی آیت میں یہ ہے کہ بغیر چار چشم دید گواہوں کے کسی پاک دامن مسلمان خاتون کی عصمت پر عیب لگانے والوں کی سزا یہ ہے کہ ان کے اسی کوڑے مارے جائیں اور آئندہ عمر بھر کے لیئے ان کی گواہی غیر معتبر اور مردود ٹھہر جائے اور اللہ کی طرف سے اس کا اعلان ہوتا ہے کہ ایسے تہمت لگانے والے فاسق ہیں۔ دوسری آیت میں ام المومنین بی بی عائشہ صدیقہ رضی کی بابت ایک بیہودہ روایت پھیلانے والوں سے خطاب ہے کہ جس اتہام کا تمھارے پاس قطعًا کوئی ثبوت نہ تھا تم نے اپنی زبان سے اس کا چرچا کیوں کیا اور اس روایت کے گڑھنے والوں سے فورًا کہہ کیوں نہ دیا کہ ہم ایسی بے ہودہ بات زبان سے نہیں نکال سکتے اور آئندہ کے لیئے کسی پاک دامن مسلمان بیوی کی عزت و ناموس کی بابت ایسی بے احتیاطی اور بے پروائی نہ برتنا تیسری آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ قوم میں بدکاری اور بے حیائی کے تذکرے پھیلاتے رہتے ہیں ان کے لیئے دنیا اور آخرت دونوں میں سزا اور بہت سخت سزا ہے ان آیاتِ قرآنی ہی کی طرح صحیح بخاری کی ایک حدیث میں شرک، قتل، سود خواری وغیرہ سات سب سے بڑے گناہوں میں ایک گناہ تہمت بدکاری کا بھی ارشاد فرمایا گیا ہے۔

اللہ اور اس کے رسول کے یہ احکام اگر محض سن لینے اور پڑھ لینے کے نہیں بلکہ

عمل کے لیے بھی یں تو ارشاد ہو کہ خود آپ کا، آپ کے دوستوں کا، آپ کے عزیزوں کا، آپ کے کنبہ اور برادری والوں کا کہاں تک ان پر عمل ہے؟ مانا کہ آپ اس قسم کی روایات از خود نہیں گڑھتے لیکن جب کبھی سن پاتے ہیں تو ان کے قبول کر لینے میں اور پھر اس کا چرچا کرنے میں آپ کے کان اور آپ کی زبان نے کبھی احتیاط برتی ہے؟ آپ کے جاننے والوں میں خدا معلوم کتنے مرد اور کتنی عورتیں ایسی ہیں جن کی بابت آپ نے بد چلنی آوارگی و بے عصمتی کی روایات شوق کے کانوں نہیں سنیں اور بے پروائی کی زبان سے نہیں دوہرائیں؟ حالانکہ شریعت میں اسی کوڑوں اور گواہی کبھی آئندہ نہ قبول ہونے اور فاسق قرار پا جانے کی جو سزائیں مقرر ہیں، وہ صرف گڑھنے والوں ہی کے لیے نہیں بلکہ ان تہمتوں کی تشہیر کرنے والوں ان کا چرچا پھیلانے والوں کے لیے بھی ہیں آپ کی شریعت نے تو اس باب میں اتنی سختی برتی ہے کہ اگر اس دعوے پر بجائے چار گواہوں کے تین گواہ مل سکے، تو ان تینوں پر بھی حد شرعی جاری ہو گی، اور آپ ہیں کہ تین گواہ کیا معنی ایک گواہ کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے اور محض اپنی زبان کی بے احتیاطی کے باعث خدا نخواستہ اپنے کو دنیا و آخرت دونوں میں عذاب الیم کا مستحق بنا رہے ہیں! آج ہمارے گھرانوں میں، ہمارے کنبوں میں، ہماری برادری میں کتنی رنجشیں، کتنی کدورتیں، کتنی عداوتیں محض اسی بے احتیاطی نے پھیلا رکھی ہیں! آج اگر شریعت کی صرف اسی ایک سیدھی اور سہل ہدایت پر عمل ہوتا تو ہماری خانگی زندگی پاک محبتوں اور اخلاص مندیوں کی کیسی جیتی جاگتی تصویر بنی ہوتی!

دشمنوں کا شعار

یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم ھزوًا ولعبًا من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم والکفار اولیاء واتقوا اللہ ان کنتم مومنین واذا نادیتم الی الصلوٰۃ اتخذوھا ھزوًا ولعبًا ذالک بانھم قوم لا یعقلون (مائدہ۔ ع ۹)

اے ایمان والو، کافروں اور اہلِ کتاب میں سے جو لوگ تمھارے دین کو ہنسی اور کھیل قرار دیتے ہوتے ہیں انھیں اپنا دوست نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر ایمان رکھتے ہو اور جس وقت تمھیں نماز کے لیے آواز دی جاتی ہے تو اس کو یہ لوگ ہنسی اور کھیل ٹھہراتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ یہ لوگ بے عقل ہیں۔

آیۂ کریمہ کا مفہوم صاف اور واضح ہے، دو حصّے ہیں پہلے حصّہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ جو غیر مسلم اسلام کا مضحکہ بناتے ہوتے ہیں، انھیں اپنا رفیق و ہمراز دوست و مسازنہ بنانا مسلموں کے لیے جائز نہیں (اور جو مسلم اپنے دل میں اللہ کا ڈر رکھتا ہے اس سے ایسا ہونا ممکن نہیں) دوسرے حصّے میں تمام شعائرِ دین میں سے صرف اذان کو چُن کر فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ اس پر تمسخر کرتے ہیں اذان کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے اذان کی تحقیر علانیہ دین اسلام کی تحقیر ہے اب اپنے گرد و پیش دیکھ کر ارشاد ہو کہ آج قومیں سب سے زیادہ دین اسلام، شعائرِ اسلام، و عقائدِ اسلام کی تحقیر و تضحیک پر تُلی ہوئی ہیں؟ کن قوموں کے اخبارات نے تصانیف نے اسلام و شارعِ اسلام صلعم کے ساتھ تمسخر و استہزاء اپنا شعار بنا رکھا ہے کن قوموں کا

تمدن و معاشرت آج نمازیں پڑھتے رہنے اور روزہ رکھتے رہنے سود کے حرام سمجھنے، شراب سے بچتے رہنے تعداد ازدواج کے جائز سمجھنے کو ہدف مضحکہ بناتے ہوتے ہیے؟ ایسی قوموں کی دی ہوئی عزت کو، خطاب کو، ملازمت کو قبول کرنے کی اجازت آپ کا مذہب آپ کو کس حد تک دیتا ہے اس کا جواب کسی باہر کے مفتی سے نہیں خود اپنے اندر کے مفتی سے، اپنے قلب و ضمیر سے دریافت فرمایئے!

اذان کی تحقیر کو اسلام کے دشمنوں کا شعار بتایا گیا تھا آج ان کا نہیں خود آپ کا، بیگانوں کا نہیں اپنوں کا طرز عمل اس باب میں کیا ہے؟ آپ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ اذان کی توقیر پر مامور تھے، لیکن آپ کا عمل گواہی دے رہا ہے کہ آپ کے دلوں میں اور بستیوں میں توقیر کی جگہ تحقیر نے لے لی ہے جمعہ کی اذان آپ کے کانوں میں آتی ہے لیکن آپ اپنی عدالتوں اور کچہریوں میں اپنے دفتروں اور کارخانوں میں کتنی مرتبہ اسے سنتے ہی اپنی کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں؟ مغرب کی اذان آپ سال ہا سال سے سن رہے ہیں پر کب آپ نے حی علی الصلوٰۃ کی تعمیل میں اپنا ٹینس کھیلنا بند کیا ہے؟ یا چمن میں "صاحب" کی گارڈن پارٹی کو چھوڑ کر مسجد کی طرف لپکے ہیں؟ عشا کی اذان سنتے سنتے آپ کی اتنی عمر آچکی، پر کتنی مرتبہ آپ نے اللہ کی کبریائی اور بڑائی کی یہ پکار سن کر ڈنر کی میز کو، ضیافت کے پُر تکلف دستر خوان کو اور تھیٹر اور سینما کی قطر فریب لذتوں کو اس کی خاطر ترک کیا ہے؟ دوستوں کا رقعہ دعوت، دیہات میں نائی کے ہاتھ کا پیغام، سرکاری عدالتوں کا سمن غرض ہر شے آپ کی نظر میں اہم اور باوقعت ہے، بجز ایک اس پکار کے جو ہر روز پانچ پانچ مرتبہ آپ کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے پاس پڑوس کی مسجد سے بلند ہوتی رہتی ہے

ہے! "خداوندانِ مجازی" کی ہر خواہش، ان کا ہر ارشاد واجب التعمیل اور خداوند حقیقی کے دربار کی ہر پکار، نذرِ غفلت "بہ عشقِ لیلیٰ" میں سب کچھ حاضر، اور "عشق مولیٰ" میں وہی "سب کچھ" بھی نہیں؟

مومن کا احترام

والذین یوذون المومنین والمومنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتاناً واثماً مبیناً (احزاب۔ ع ۸)

اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایذا دیتے ہیں، بغیر اس کے انھوں نے کچھ کیا ہو، وہ موذی بہتان اور گناہ صریح کا بار اپنے اوپر لاتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ بعد انبیاء کرام کے کوئی مسلمان معصوم نہیں ہو سکتا امت کے ہر فرد سے کچھ نہ کچھ خطائیں، لغزشیں یا گناہ سرزد ہوں گے، لیکن محض اس بنا پر کہ ہر شخص سے گناہ و خطا کا امکان ہے، بغیر ثبوت کسی مسلمان پر کوئی جرم عاید کر دینا اور اسے بدنام کرنا یا کسی کی بدنامی کی حکایت سُن کر بلا تحقیق اُسے قبول کر لینا اور اُس کی تشہیر میں لگ جانا ہرگز کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں بلکہ جو لوگ ایسا کرتے رہتے ہیں انھیں مسلمانوں کا دکھ پہنچانے والا بتایا گیا ہے اور انھیں ڈرایا گیا ہے کہ وہ اپنی یاوہ گوئی سے خود اپنے ہی اوپر تہمت و معصیت کا بار لاد رہے ہیں۔

مومن کا مرتبہ اللہ کی نظر میں کعبتہ اللہ سے بھی بڑھ کر ہے (ابن ماجہ) اور مومن کی عزت اللہ کو سب سے زیادہ عزیز و محبوب ہے اسلام میں تو ناپاک جانوروں کتے سور تک کو بلا وجہ تکلیف دینے کی اجازت نہیں پھر انسان اور مومن

انسان کو دکھ پہنچانا اُسے بدنام کرنا اُس کی توہین و رسوائی کے واقعات از خود تراشنا یا دوسروں سے سنی سنائی حکایتوں اور روایتوں کا بلا تحقیق چرچا کرتے رہنا خدائی قانون میں کتنا سنگین جرم اور کیسی شدید معصیت ہوگی! یہ "تعلیم" آپ کی کتاب کی ہے مگر آپ کا "عمل" کیا ہے؟ اپنی دن بھر کی گفتگو کا کسی دن حساب لگائیے اور اس کو جانچیے کہ آپ کے وقت کا کتنا بڑا حصہ محض اپنے ہی جیسے مسلمانوں کی ہجو سننے اور کرنے کی نذر ہوتا ہے! آپ کی صحبتوں میں جب کسی کی بدگوئی ہوتی ہے جب کسی کی شراب خوری و بدکاری کے واقعات بیان ہوتے ہیں، جب کسی کی بدمزاجی کا تذکرہ ہوتا ہے جب کسی کے گھر کے عیبوں کے قصے چھڑتے ہیں تو آپ کس لطف و شوق سے سنتے ہیں! اور اس کے بعد کس کس طرح مزے لے لے کر دوسروں سے آپ اپنے ان نادر و بیش بہا معلومات" کو نقل فرماتے رہتے ہیں! پھر اس میں اس کی بھی قید نہیں کہ یہ تذکرے آپ کے دشمنوں ہی کے ہوں، ہموطن ہم محلہ، ہمسایہ، ساتھ کے پڑھے ہوتے ساتھ کے کھیلے ہوئے ہم خاندان، دوست عزیز کوئی بھی اس سے محفوظ و مستثنیٰ نہیں کسی کی بھی رسوائی اور بدنامی کی بھنک بس آپ کے کان تک پہنچ جائے! بس پھر آپ ہوتے ہیں اور اس غریب کی عزت! آپ کی زبان ہوتی ہے اور اس بیچارے کی آبرو دا!

زمانہ کی ترقی کے ساتھ اب آپ کی اس خصوصیت میں بھی ماشاءاللہ "ترقی" ہے پہلے بات بڑھنے اور پھیلنے پر بھی اپنے ہی والوں اپنے ہی ملنے جلنے والوں تک محدود رہتی تھی۔ اب اخبارات کے کالم میں اور پبلک جلسوں کے پلیٹ فارم! فلاں انجمن کا حساب جھوٹا نکلا، جھوٹا مدرسہ میں غبن ثابت ہو گیا، فلاں لیڈر

اتنا چندہ ہضم کر گیا، فلاں قومی کارکن کی چوری پکڑی گئی، فلاں شاہ صاحب نے بڑھاپے میں دوسرا عقد کر لیا، فلاں مولانا نے اپنی تنخواہ اتنی بڑھا رکھی ہے، فلاں خاندان کی سفیدی سیاہی میں مل گئی، فلاں گھرانے کی ناک کٹ گئی، فلاں نے فلاں سے رشوت لے لی! یہ ہیں ہمارے اخبارات کی سرخیاں، یہ ہیں ہمارے روزناموں کے مقالات کے عنوان! یہ ہیں ہمارے خوش تقریروں کی تقریروں کے خلاصے! گویا اللہ کے نزدیک مومن کی عزت جس قدر قیمتی تھی ٹھیک اسی کے مقابل ہماری نظر میں ہلکی اور بے وقعت ہو گئی ہے! اور خدائے ستار نے جتنی فضیلت مومنوں کے عیوب اور کمزوریوں کو چھپانے اور ان پر پردہ ڈالے رکھنے کی بتائی تھی، اتنی ہی مسرت ہمیں ایک دوسرے کی پردہ دری کرنے، ایک دوسرے پر گندگی اچھالنے اور ایک دوسرے کو ذلیل و رسوا کرنے میں ہو رہی ہے! ہماری ان دلچسپیوں کا نتیجہ اگر اس صورت میں ظاہر ہو رہا ہے کہ ہم خود ہر طرف ہنسے جا رہے ہیں، ہر محفل میں ہماری ہی بدنامی و ذلت کے چرچے ہیں اور ہر زبان پر ہماری ہی رسوائی و بے آبروئی کے تذکرے، تو اس کے ذمہ دار خود ہمارے ہی کرتوت ہیں یا کچھ اور!

دین کے دشمن

وذر الذین اتخذوا دینھم لعباً ولھواً وغرتھم الحیٰوۃ الدنیا (انعام - ع ۸)

اور ان لوگوں کو چھوڑ دیجیے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا رکھا ہے اور دنیا کی زندگی نے جنھیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔

مذہب کی سنجیدہ اہمیت آج کن کے دلوں سے جاتی رہی ہے؟ احکام مذہب کے ساتھ ہنسی اور تمسخر آج کن کا شعار ہو گیا ہے؟ فٹ بال اور کرکٹ، ہاکی اور ٹینس گھوڑ دوڑ اور ریولو، تھیٹر اور سینما، تاش اور شطرنج سے بھی کم اہمیت و وقعت نماز و روزہ کی آج کن کی نظروں میں رہ گئی ہے؟ حیات دنیوی نے آج کنھیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے؟ دنیوی ترقیوں پر آج کون مٹا ہوا ہے؟ مادی ترقیوں پر آج کس کی جان جا رہی ہے؟ موٹروں اور ہوائی جہازوں نے آج کن کے دلوں سے موت و آخرت کی یاد بھلا رکھی ہے؟ کالجوں اور یونیورسٹیوں نے آج کسے عالم غیب سے بے نیاز کر رکھا ہے؟ آہن پوش (ڈریڈناٹ) جہازوں اور ایک منٹ میں صدہا فیر کر ڈالنے والی کلدار توپوں نے آج کن قوموں کو اللہ اور اس کے فرشتوں کی طرف سے غافل و بے ہوش بنا رکھا ہے؟

اگر ان سوالات کا جواب صاف اور واضح ہے، اگر ایسی قوموں کی نشانیاں کھلی ہوئی ہیں تو ارشاد ہو کہ آپ کا عمل ان قوموں اور جماعتوں کے ساتھ آپ کے مذہب کے احکام کے کہاں تک مطابق ہے؟ آپ کو حکم تو یہ ملا تھا کہ ایسے لوگوں کو چھوڑ دو، حکم بالکل صاف لفظوں میں ہے، حکم کی تشریح بھی بہترین شارحین نے یہی کی ہے کہ "کنارہ کشی اختیار کر لو" "ہم نشینی ترک کر دو"۔ تعلقات "قطع کر لو" "لا اعرض" آپ کا اس حکم پر کہاں تک عمل ہے کہ اپنے لڑکوں کو بڑی سی بڑی تعداد میں لا و لاد کر تعلیم و تربیت کے لیے فرنگستان روانہ کرتے رہیے؟ کیا اس حکم پر یہی عمل ہے کہ اپنے دیس میں اپنے بچوں اور بچیوں کے لئے فرنگیوں اور فرنگنوں کے نمونہ پر زیادہ سے زیادہ اسکول اور کالج کھولتے رہتے؟ کیا اس حکم پر یہی

عمل ہے کہ زبان اپنی معاشرت، اپنے علوم سب کچھ بھلا کر انھیں کی زبانیں انھی کی معاشرت اور
زبان، اپنی معاشرت، اپنے علوم سب کچھ بھلا کر انھیں کی زبانیں، انھی کی معاشرت اور
انھی کے علوم و فنون سیکھنے چاہئیے ؟ کیا اس حکم پر یہی عمل ہے کہ اپنے رزق کی کنجی سرکاری
ملازمتوں اور سرکاری امتحانات کے اندر محدود و مخصوص سمجھ کر اندھا دھند سرکاری
دفتروں اور سرکاری محکموں میں گھسنا شروع کر دیجیے ؟ کیا اس حکم پر یہی عمل ہے کہ
حاکموں کی عقل کو عقلوں کا حاکم سمجھیے ؟

آپ سے ابھی کوئی یہ تو نہیں کہتا کہ اپنی جان دے دیجیے یا کسی کی جان لے لیجیے
سوال نہ تو پھانسی پر چڑھنے کا ہے، نہ گولی کھانے کا۔ یہاں تو سوال صرف اعراض و
کنارہ کشی، بے تعلقی و ترک جماعت کا ہے اپنی جگہ پر سوچیے اور غور کیجیے کہ دین سے
ہنسی اور کھیل کرنے والوں اور مادی ترقیوں پر مرنے والوں اور مغرور ہونے والوں سے
آپ اپنی زندگی کے کس شعبہ میں اور کس حد تک دور اور الگ بے تعلق اور کنارہ کش
رہ سکتے ہیں ؟

دشمنوں کے حقوق

سورۂ مائدہ کے پہلے رکوع کی دوسری آیت میں ایمان والوں کو مخاطب
کر کے ارشاد ہوتا ہے :-

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا۔

اور آمادہ نہ کرے تمھیں اس قوم کی دشمنی جس نے تمھیں مسجد حرام سے روکا،
کہ تم اس پر زیادتی کرنے لگو اور پھر پانچ آیتوں کے بعد دوسرے رکوع میں ایمان
والوں ہی سے ارشاد ہوتا ہے۔

ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی

تو وہ ضرور مستحق ہیں جس کا حکم آپ کو اپنے دشمنوں اور کٹر دشمنوں کے ساتھ اور آمادہ نہ کرے تمہیں کسی قوم کی دشمنی کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو کہ وہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔

دو آیتوں میں دو حکم ہیں، پہلا حکم سلبی ہے دوسرا ایجابی، پہلی آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ دشمن پر زیادتی نہ کرو اور دوسری کا مفہوم یہ ہے کہ دشمن کے ساتھ انصاف کرتے رہو، دونوں کو ملا کر ما حصل یہ نکلتا ہے کہ ادائے حقوق کا دشمنوں تک کے معاملہ میں لحاظ رکھو اور اس کی مکرر تاکید ہے۔

یہ تاکیدی احکام محض اجنبیوں اور بیگانوں کے حق میں نہیں، دشمنوں کے حق میں ہیں اور دشمن بھی ایسے سخت جو مسلمانوں کو اُن کے مذہبی فرائض کے ادا کرنے سے روک چکے ہیں انھیں وطن سے بے وطن کر چکے ہیں اور ان کے اور ان کے پیمبر کے ساتھ اور آزار پہنچانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھ چکے ہیں! پھر مسلمانوں کا برتاؤ مسلمانوں سے کیا ہونا چاہیئے؟ مسلموں کا سلوک اپنے بھائیوں کے ساتھ کیسا رہنا چاہیئے؟ آپ کے تعلقات ان سے کیسے رہنے چاہئیں، جو آپ ہی کی طرح کلمہ گو ہیں جو آپ ہی کے خدا پر ایمان رکھتے ہیں، جو آپ ہی کے رسول کا کلمہ پڑھتے ہیں جو آپ ہی کے قرآن کو اپنی آخری کتاب آسمانی سمجھتے ہیں، جو آپ ہی کے قبلہ کی طرف اپنا منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں، اور جو آپ ہی کی طرح کفن کی چادر میں لپیٹ کر آپ ہی کی طرح دو گز زمین کے غار میں ہمیشہ کے لیئے سلا دیئے جاتے ہیں، بھائیو!

کا سا نہ سہی، عزیزوں کا سا نہ سہی، دوستوں کا سا نہ سہی، کم سے کم اس برتاؤ کے کرنے کو طلب ہے کیا آپ کا برتاؤ اس معیار پر بھی پورا اُترتا ہے؟

اس کا جواب "وہابیوں" اور "رضاخانیوں" سے پوچھیے "مسعودیوں" اور "شریفیوں" سے پوچھیے "زمیندار" اور "انقلاب" سے پوچھیے "مہاجر" اور "انصار" سے پوچھیے خلافت کمیٹی کے دونوں فریقوں سے پوچھیے، علیگڑھ کی مختلف پارٹیوں سے پوچھیے ندوہ کے ارکان انتظامی کی مختلف ٹولیوں سے پوچھیے مسلم لیگ کی اندرونی جتھے بندیوں سے پوچھیے۔ "پیغامیوں" اور "محمودیوں" سے پوچھیے، غرض مقلد و غیر مقلد، شیعہ و سنی، اہل قرآن و اہلِ حدیث "نیچری" اور "لڈری" کے قدیم و جدید، جس کسی اسلامی فرقہ و گروہ کے جس ادارہ کو چاہیے اپنے سامنے کر لیجیے اور اس سے اپنے سوال کا جواب مانگ دیکھیے! جو برتاؤ دشمنوں تک کے ساتھ منع تھا، آج اس کے تختۂ مشق ہمارے ہی دوست، ہمارے ہی عزیز ہمارے ہی بھائی، ہمارے ہی ہاتھ سے بنے ہوئے ہیں! انا للہ وانا الیہ راجعون!!

جزائے اعمال

کلام مجید کے تیسویں پارہ کے وسط میں سورہ غاشیہ ہے جس میں قیامت کا بیان ہے اس کے شروع میں آتا ہے:۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً

کتنے چہرے ہیں، جو اس روز ذلیل و خوار ہوں گے، محنت کرنے والے تھکے ماندے اشخاص اس روز کون ہوں گے؟ اس کے جواب میں صحیح بخاری میں حضرت ابنِ عباسؓ کا قول ملتا ہے "وقال ابن عباس عاملة ناصبة

النصاریٰ" (کتاب التفسیر) کہ اس سے مراد نصاریٰ ہیں اور متعدد مفسروں نے اسی قول کو نقل و اختیار کیا ہے" یہی وہ گروہ ہے جیسے جلتی ہوئی آگ میں جھونکا جائے گا، جیسے اُبلتے اور کھولتے ہوتے چشمہ کا پانی پینے کو ملے گا اور جیسے ان خشک وخاردار جھاڑیوں کی غذا ملے گی جس سے نہ بھوک ہی کو تسکین ہوگی اور نہ جسمانی تنومندی ہی حاصل ہوگی تصلیٰ ناراً حامیۃً تسقیٰ من عین اٰنیۃ لیس لھم طعام الا من ضریع لا یسمن ولا یغنی من جوع۔

قیامت کا دن کشف اسرار کا دن ہوگا وہ گھڑی ظہور نتائج کی گھڑی ہوگی اس وقت کوئی نئے سرے سے نئی پیدا نہ ہوگی بلکہ آج جو کچھ کیا جارہا ہے وہی اپنی آخری اور انتہائی صورت میں نمودار و ظاہر ہوکر رہے گا، آج کس قوم کو اپنے عالم ہونے کا دعویٰ ہے؟ آج کس قوم کے افراد کو اپنی قوت عمل پر ناز ہے آج کون قوم سارے سارے دن اپنے کارخانوں اور اپنی دوکانوں میں اپنے ورک شاپ اور اپنی فیکٹری میں، اپنے انجنوں اور اپنے بجلی گھروں میں، اپنے کالجوں اور اپنی یونیورسٹیوں میں، اپنے کتب خانوں اور اپنی تجربہ گاہوں میں، اپنی کونسلوں اور اپنی کچہریوں میں اپنے اخباروں اور اپنی انجمنوں میں، اللہ کو بھلائے ہوتے مشغولِ عمل رہا کرتی ہے؟ آج کون قوم ساری کی ساری راتیں ہوٹلوں اور پارکوں میں، تھیٹر اور سینما میں، ناچ گھروں اور شراب خانوں میں بغیر اپنے پروردگار کے نام کو بھولے سے بھی یاد کئے ہوئے گنوانا اپنی تہذیب کا کمال سمجھ رہی ہے؟ ان دنیا پرستوں کو اور حیات مادی کے ان پرستاروں کو" اس وقت" جو ہر کوشش کے آخری اور کامل اور بے پردہ ظہور کا وقت ہوگا اگر اپنی ساری لاحاصل محنت

اور بے سود جد و جہد کا نتیجہ نری تھکن اور ماندگی محض خستگی و اضمحلال کی شکل میں نظر آئے تو کیا اس پر کچھ بھی حیرت ہونی چاہیے؟

"آج" جن کا سارا وقت بھاپ اور دہوئیں کے کارخانوں میں ورک شاپ اور پاور ہاؤس کی پرستاری میں گزر رہا ہے آج جن کی ساری زندگیاں آگ اور بجلی کی قوتوں کی پوجا کے لیے وقف ہیں "کل" اگر یہی دہکتی ہوئی آگ اور یہی کھولتا ہوا پانی، ان پر عذاب اور دردناک اور بے پناہ عذاب کی شکل میں ظاہر ہو، تو یہ نا انصافی نہیں، عین انصاف ہوا، اور "آج" جو قومیں مادی لذتوں اور نفسانی خواہشوں پر اتنی حریص ہیں کہ ملک پر ملک فتح کرنے کے بعد اور کروڑوں بندگانِ خدا کو اپنا بندہ بنا لینے کے بعد بھی انھیں کسی طرح سیری اور آسودگی نصیب نہیں ہوتی، کل اگر اپنے انھیں کرتوتوں کا نتیجہ ایسی بے ثمر اور خار دار جھاڑیوں کی صورت میں ملے جن سے نہ بھوک کی تسکین ہو سکتی ہو اور نہ کسی قسم کی روحانی و جسمانی تنومندی حاصل ہو سکتی ہو، تو اس کے فیصلہ کے بالکل منصفانہ اور اس جزاء عمل کے بالکل قدرتی ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے؟

مالک الملک

۷ مئی کو بمبئی کے ایک ریلوے اسٹیشن پر ایک اسپیشل ٹرین آ کر رکی۔ یہ اسپیشل امیر امان اللہ خان سابق تاجدار افغانستان کی تھی۔ ڈیڑھ سال پیشتر بھی انھیں شاہ افغانستان کا ورود بمبئی میں ہوا تھا اس وقت سارا شہر اُن کی زیارت کا مشتاق ہو کر امنڈ آیا تھا توپوں کی سلامی سر ہوئی تھی گارڈ آف آنر

پیشوائی کو حاضر تھا۔ صوبہ بمبئی کا گورنر اداؔنی خدمت گزار کی حیثیت سے موجود تھا اور وائسرائے کو اگر با موقع بخار نہ آ گیا ہوتا تو خود انھیں کو حاضر ہونا تھا۔ آج نہ توپوں کی سلامی تھی، نہ گارڈ آف آنر کی سلامی تھی، نہ لاکھوں کا مجمع تھا، نہ وائسرائے کا انتظار تھا۔ صوبے کے حاکم کی طرف سے سیکرٹری بھی نہیں، ڈپٹی سیکرٹری اور حفاظت کے لیے مسلح سپاہیوں کا دستہ استقبال کی کل اتنی کائنات تھی!

قل اللّٰھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممّن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر (آل عمران ع ۳)

کہو، کہ اے اللہ، ملک کے مالک، تو جسے چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور تو ہی جس سے چاہتا ہے ملک لے لیتا ہے، تو ہی جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور تو ہی جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے، تیرے ہی ہاتھ میں سر بھلائی ہے، بیشک تو ہی ہر چیز پر قادر ہے!

قرآن مجید میں یہ الفاظ بارہا آپ کی نظر سے گزرے ہوں گے، آج آپ کا دل بھی، ان کی صداقت کی گواہی پوری طرح دے رہا ہوگا! کل تک سارا ملک جس کے لیے آنکھیں بچھا رہا تھا، آج وہ آوارہ وطن ہے کل تک جو سراروں کا سرار تھا، آج اسے اپنے وطن میں بادشاہ کی حیثیت سے نہ سہی، معمولی رعایا کی حیثیت سے بھی جگہ نصیب نہیں! ملک چھن گیا، تاج اتر گیا، رعایا باغی ہو گئی، دولت لٹ گئی، اقبال مندی رخصت ہو گئی، خوش بختی افسانہ بن گئی، اور چشم زدن میں بادشاہ ایک معمولی انسان بن کر رہ گیا۔

بادشاہوں اور فرمانرواؤں کی تاریخ میں یہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں ؟

نزار روس پر کیا گزری ہے؟ قیصر جرمنی کا کیا ہوا؟ نادر شاہ کا کیا حشر ہوا؟ سلطان عبد الحمید خان پر کیا بیتی ہے؟ سارے واقعات آپ کی آنکھوں کے سامنے ہیں پھر بھی تاج و تخت کی ہوس و آرزو باقی ہے، دولت و حکومت کی تمنا و حسرت سے دل لبریز ہے۔ شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی عظمت کو کوئی نہ چھین سکا، خواجہ معین الدین چشتیؒ کو کوئی دشمن شکست نہ دے سکا، شیخ احمد مجدد سرہندیؒ کی عزت کو کوئی بادشاہ پامال نہ کر سکا، مولوی رومؒ کی حکومت دلوں پر صدیوں سے چلی آرہی ہے اُسے کوئی نہ ہلا سکا آخرت کے اعتبار سے نہ سہی، دنیا کے اعتبار سے بھی آپ کو اس لازوال دولت، اس غیر قانونی حکومت کا شوق کبھی پیدا نہیں ہوتا!

طالوت شریعت و جالوت نفس

قرآن پاک کے پارہ سیقول کے آخر میں بنی اسرائیل کا ایک قصہ مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ کے زمانہ کے بعد، جب ان کی مظلومیت بڑھ گئی اور ان میں ظالموں سے مقابلہ و مقاتلہ کی خواہش قدرتاً پیدا ہوئی، تو اللہ نے طالوت کو ان کی سرداری عنایت کی اور طالوت ان کی فوجوں کو لے کر روانہ ہوا، عین اس وقت اس نے اپنی سپاہ کے لئے ایک خاص امتحان بھی رکھ دیا ارشاد ہوتا ہے:۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ مُبْتَلِیْکُمْ بِنَھَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْہُ، فَلَیْسَ مِنِّیْ وَمَنْ لَّمْ یَطْعَمْہُ، فَاِنَّہٗ مِنِّیْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَۃً بِیَدِہٖ۔ (بقرہ ۔ ع ۳۳)

پھر جب طالوت اپنی فوج کے ساتھ روانہ ہوا تو اس نے کہا اللہ ایک نہر کے ذریعہ سے تمہارا امتحان لینے والا ہے پس جو شخص اس میں سے پی لے گا وہ

مجھ سے نہیں اور جو اُسے نہ چکھے وہ مجھ سے ہے ہاں اگر کوئی اپنے ہاتھ سے محض چلو بھر پی لے تو مضائقہ نہیں۔

ہر شخص اس امتحان میں پورا نہ اترا۔ اکثروں نے جی بھر بھر کر پانی پی لیا۔

فشربوا منه الا قليلاً منهم (پھر ان میں سے تھوڑوں کے سوا سب نے پانی پی لیا) یہ لوگ جب دشمن کے زبردست و پُرقوت لشکر کے مقابلہ میں پہنچے تو ہمت ہار گئے۔

فلما جاوزه هو والذين امنوا معه قالوا لا طاقة لنا اليوم بجالوت وجنوده

جب وہ اس کے پار ہوگیا اور وہ لوگ بھی اس کے ساتھ تھے جو ایمان لا چکے تھے تو ان پانی پینے والوں نے کہا کہ آج ہم میں جالوت اور اس کی سپاہ سے مقابلہ کی طاقت نہیں۔

لیکن جن لوگوں کا ایمان مضبوط تھا اور جن کا بھروسہ اللہ پر تھا۔ وہ دشمن کی کثرتِ تعداد سے مرعوب نہیں ہوئے انھیں اللہ کی مدد پر اعتماد تھا۔

قال الذين يظنون انهم ملقوا الله كم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله والله مع الصابرين۔

جن لوگوں کو یقین تھا کہ وہ اللہ سے مل کر رہیں گے انھوں نے کہا کہ اکثر ایسا ہوا کہ چھوٹا گروہ بڑے گروہ پر اللہ کے حکم سے غالب آگیا ہے اور صبر کرنے والوں کے ساتھ تو اللہ ہے۔

اس گروہ نے دشمن سے صف آرا ہونے کے وقت اللہ سے صبر و ثبات

کی دُعائیں مانگنی شروع کیں، نتیجہ یہ ہوا کہ اسی کو فتح حاصل ہوئی۔

ولما برزوا لجالوت وجنوده قالوا ربنا افرغ علينا صبرًا وثبت اقدامنا وانصرنا على القوم الكافرين فهزموهم باذن الله

جب یہ لوگ جالوت اور اس کے لشکر کے سامنے نکلے تو انھوں نے کہا اے پروردگار ہمیں بہت سا صبر عطا کر، اور ہمارے قدموں کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر ہمیں نصرت عطا کر پھر انھوں نے اللہ کے حکم سے کافروں کو شکست دی۔

قرآن قصہ کہانی کی کتاب نہیں، اس کی حقیقتیں ابدی ہیں، اس کی حکایتیں ابدی ہیں، طالوت و جالوت کی جنگ بھی اسی طرح ابدی ہے جالوتِ نفس آج بھی ہر انسان کے قالب میں زندہ ہے اس کی قوتیں آج ہر کمزور ایمان والے کو بڑھتی ہوئی معلوم ہو رہی ہیں، نہرِ دنیا اپنی زینتوں اور نمائشوں کے ساتھ ہر مومن کے لشکر کی راہ میں حائل ہے، طالوتِ شریعت نے آج بھی منادی کر رکھی ہے کہ اس نہر سے بجز ایک جرعہ پر اکتفا کرنے کے اور ہرگز کسی طرح کا سروکار نہیں رکھا جانا ہے، کمزور ایمان والے آج بھی طالوتِ شریعت کی نافرمانی کر کر کے نہرِ دنیا کی طرف پوری طرح جھک پڑنے والے ہیں اور پھر خود ہی فریاد برپا کرتے رہتے ہیں کہ اکثریت ہمیں کچلے اور پیسے ڈالتی ہے! علاج آج بھی وہی ہے، جو اس وقت تھا۔ یعنی اپنی کثرتِ تعداد اور اپنے ساز و سامان کے بجائے اللہ کی نصرت پر بھروسا اور اس سے صبر و ثابت قدمی کی طلب و درخواست!

بیحیائی کے چرچے

ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین اٰمنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا والاٰخرة واللہ یعلم وانتم لا تعلمون (نور-۱۴)

جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی کی باتوں کا چرچا ہوتا رہے۔ ان کے لیئے دردناک عذاب ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اللہ جانتا ہے۔ اور تم نہیں جانتے۔

آیت قرآن کی ہے تفسیر میں کسی کا اختلاف نہیں، مفہوم واضح ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ ایمان والوں کی جماعت میں، مسلمانوں کی سوسائٹی میں بیحیائی کے چرچے کو پسند کرتے ہیں ان کے لیئے شدید عذاب اس مادی وناسوتی دنیا میں بھی ہے اور اس کے بعد عالم آخرت میں بھی، اور اس قانون کی کارفرمائی سے گو انسان واقف نہ ہو، لیکن انسانوں کا پیدا کرنے والا تو بہرحال واقف ہے!

اردو میں "فحش" اور "فاحشہ" کا جو مفہوم ہے، ظاہر ہے، عربی میں اس کا مفہوم اس سے زیادہ وسیع ہے اور اس کا اطلاق ہر بڑی برائی پر ہو سکتا ہے، خواہ وہ عمل کی ہو، خواہ قول کی۔ والفاحشة ما عظم قبحتہ من الافعال و الاقوال۔ پروردگار عالم کا ارشاد ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کی سوسائٹی میں برائیوں، بیحیائیوں، بدکاریوں کے چرچے کرتے رہتے ہیں، ان میں بدکاریوں کی اشاعت کرتے رہتے ہیں، بیحیائیوں کے تذکرے ان کے کانوں تک پہنچاتے رہتے ہیں ان کے لیئے دردناک عذاب ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی! حکم یہ ہلا تھا اور حکم پر عمل یہ ہے کہ جن

جن تذکروں میں ہمیں سب سے زیادہ لطف آتا ہے جن چرچوں میں ہمارا زیادہ جی لگتا ہے وہ یہی ہوتے ہیں کہ محلہ کی فلاں عورت بدکار ہے خاندان کا فلاں شخص بدچلن ہے بستی کے فلاں فلاں گھرانوں میں فلاں فلاں شرمناک واقعات پیش آچکے ہیں! جس قوم کے پاس قرآن کا ہدایت نامہ موجود ہے اس کا کون سا خاندان، کون سا گھرانہ ایسا ہے جہاں انھیں تذکروں اور انھیں چرچوں کا ذکر تشور نہیں ہے اشخاص و افراد کو بھی چھوڑئیے کاغذ کے ان لمبے لمبے ورقوں کو دیکھئے جو ہر روز قوم کی خدمت اور اصلاح ملت کے دعووں کے ساتھ نمودار ہوتے رہتے ہیں! کوئی بداخلاقی کوئی بے حیائی کوئی بدکاری ایسی بچ رہتی ہے جو بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ مزے لے لے کر نہ بیان کی جاتی اور نہ پھیلائی جاتی ہو؟ ہر روزنامہ کے اندر ہر روز لازمی طور پر ایک کالم ظرافت و خوش طبعی کا ہوتا ہے اور خوش طبعی کے معنی ان بزرگوں نے یہ لے رکھے ہیں کہ کسی کی عزت و آبرو محفوظ نہ رہے اور ہر قسم کی فحش نویسی کو شریف گھرانوں کے نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں تک بلا تکلف پہنچا دیا جائے اور آج سب سے زیادہ "کامیاب" وہی روزنامہ ہے جس کا ظریفانہ کالم فحش نویسی میں سب سے زیادہ بیباک ہے! اور پھر اگر کوئی شرمناک مقدمہ اتفاق سے کسی عدالت میں چلنے لگے تو وہاں کے روزناموں کی تو گویا قسمت جاگ اٹھتی ہے! کیسے کیسے چٹپٹے اور شوق انگیز عنوانات دیئے جاتے ہیں کیسی کیسی مزیدار حاشیہ آرائیاں کی جاتی ہیں، اور قرآن جو "آج" خاموش ہے مگر "کل" اظہار کے وقت خاموش نہیں رہے گا، خاموشی کے ساتھ ان کے یہ سارے کرتوت دیکھتا رہتا ہے!

عزّت کا معیار

کلام مجید، سورۂ توبہ میں ایک آیت میں اُن اہلِ کتاب سے جو اللہ کے دشمن ہیں، جنگ کرنے کا حکم وارد ہوا ہے، اور آیۂ پاک کا خاتمہ ان الفاظ پہ ہوا ہے حتّٰی یُعطُوا الْجِزْیَۃَ عن یدٍ وھم صاغرون۔ یہاں تک کہ وہ جزیہ دینا منظور کریں، اور ذلیل ہو کر رہیں۔ "صاغرون" کے مفہوم میں وہ لوگ داخل ہیں، جو دب کر، محکوم ہو کر، پست و گمنام ہو کر رہیں۔ اس حالت میں کون لوگ ہیں؟ آیۂ کریمہ کے شروع کے الفاظ ہیں:۔

الّذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الاٰخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہٗ ولا یدینون دین الحق من الّذین اوتوا الکتٰب۔

وہ لوگ جو اہلِ کتاب میں ہیں مگر نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ یومِ آخرت پر اور نہ اللہ اور اس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں اور نہ سچے دین کو قبول کرتے ہیں۔

قتال کے احکام و شرائط کی تفصیل ایک الگ مسئلہ ہے یہاں صرف کہنا یہ ہے کہ انسانوں کی ایک قسم ایسی ہے جسے حسب تصریح قرآنی، مسلمانوں کی نظر میں پست و ذلیل، بے عزّت و بے قدر ہو کر رہنا چاہیے، اور وہ کس قسم کے لوگ ہیں؟ وہ لوگ ہیں جن کا ایمان نہ خدا پہ ہے نہ آخرت پر اور وہ جو نہ خدا اور رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کی حرمت کے قائل ہوتے ہیں اور نہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں۔

قرآن کا حکم صاف واضح حکم یہ تھا اس کے مقابل آپ کا عمل کیا ہے؟ آج جو "اہلِ کتاب" قومیں اپنی اپنی ترقی کی گھوڑ دوڑ میں نہ توحید کی قائل ہیں نہ حشر نشر کے عقیدہ پر غور و فکر کے لیے وقت رکھتی ہیں، ان کی بابت آپ کے دماغ کا، آپ کے دل کا، آپ کے نفس کا فتویٰ کیا ہے؟ فرانس و انگلستان، جرمنی و اٹلی، روس و امریکہ کی پر قوت قومیں آج روزانہ کتنے گھنٹے عبادت الٰہی کے لئے وقف کرتی ہیں؟ اپنی زندگی کے کس شعبہ میں توحید کی قائل نظر آتی ہیں؟ حشر و نشر پر اپنے ایمان کا کس گھڑی ثبوت دیتی ہیں؟ خدا اور رسول کے احکام کو اپنے ڈاکٹروں، اپنے مہندسوں، اپنے ستارہ بینوں، اپنے فلسفیوں، اپنے شاعروں، اپنے لیڈروں، اپنے اڈیٹروں، اپنے ایکٹروں، اپنے بازیگروں، اپنے بھانڈوں کسی کے اقوال کے برابر بھی جگہ دیتے ہیں؟ اور پھر بھی آپ انھیں کیا اور کیسا سمجھتے رہتے ہیں؟ انھیں حقیر و ذلیل، جاہل و بے علم سمجھتے ہیں، یا اس کے برعکس ان کے علم و فضل کے کلمہ گو ہیں؟ ان کی "تحقیقات" کی خوشہ چینی اپنے لیئے باعث فخر سمجھتے ہیں؟ ان کے اقبال و حشم سے مرعوب ہیں؟ اور ان کے اسکولوں اور کالجوں ان کے کتب خانوں اور یونیورسٹیوں کو بطور بلند ترین نمونوں کے اپنے سامنے رکھے ہوئے ہیں؟

جب تک ان کی علمی و عقلی فضیلت کا یہ جھوٹا رعب دلوں پر قائم ہے جب تک ان کا دل اور ان کا دماغ آپ کو مرعوب کئے ہوئے ہے جب تک ان کی خوش اقبالی و کامرانی آپ کو مسلم ہے جب تک زہر کو تریاق اور سیاہ کو سفید سمجھتے رہنے پر آپ کا اصرار قائم ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ آپ کہیں اپنے ایمان میں ثابت رہ سکیں؟ اپنا رشتہ اپنے رب سے استوار رکھ سکیں؟ اور خود ایک غیور و خوددار

غیرت مندو بے حمیت مومن صادق بن سکیں؟

حجاب اکبر

سورۂ بقر رکوع ۱۱ میں جہاں رسول اللہ صلعم کے زمانے کے سرکش اور لعنت زدہ یہود کے دوسرے جرموں کا ذکر ہے وہاں خود ان کی زبان سے ایک فقرہ یہ بھی نقل کیا ہے وقالوا قلوبنا غُلْفٌ اور اسی مضمون کو خفیف تغیّر کے ساتھ سورۂ نساء رکوع ۲۲ میں بھی دہرایا ہے وقولھم قلوبنا غلف یعنی یہ سرکش اور خیرہ چشم یہود، فخر و تعلی کے لہجہ میں کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں ہم کسی کی سحر بیانی یا کرشمہ سازی سے متاثر ہو کر اس کے قائل نہیں ہو سکتے اور اس کی پیمبری کو نہیں تسلیم کر سکتے، ہمارے لیئے وعظ و نصیحت کا یہ سارا دفتر بیکار ہے۔

غُلْفٌ کی دوسری قرأت غُلُفٌ (بہ ضمتین) ہے یہ قرءت حضرت ابن عباسؓ کی ہے اور اسی کو بعض اکابر تابعین مثلاً سعید بن جبیرؒ و حسن بصریؒ وغیرہم نے اختیار کیا ہے اس صورت میں غُلُفٌ غلاف کی جمع ہو گی اور آیت کے معنی ائمہ لغت و زبان کے نزدیک یہ ہوں گے کہ

ای ان قلوبنا اوعیة للعلم (لسان العرب) ای اوعیة لعلم فما لنا بالنا لانفقه ما یقول (تاج العروس) ای ھی اوعیة للعلم تنبیھا انا لانحتاج لان نتعلم منك فلنا غنیة عند نا (مفردات راغب)

ہمارے قلوب خود علم کے ظروف ہیں، علم سے لبریز ہیں علم کے خزینے ہیں ہمیں پیمبر کے لائے ہوئے علم پر توجہ کرنے کی کیا ضرورت ہے ہم اس کے لائے ہوئے علم پر توجہ کرنے کی کیا ضرورت ہے ہم اس کے لائے ہوتے علم سے بالکل فارغ و بے نیاز ہیں۔

متعدد ائمہ تفسیر نے بھی یہی معنی نقل کیے ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ یہود کو

عن الضحاک عن ابن عباس قال مملوعلما لانحتاج الی محمدؐ ولا غیرہ (ابن جریر) قلوبنا اوعیۃ بکل علم فلا نحتاج الی علمك قاله ابن عباس وعباس وعطا (ابن کثیر لبغوی خازن وغیرہا)

اپنے علم وفضل پر ناز تھا، اپنے علوم وفنون پر غرہ تھا اور اسی گھمنڈ پر وہ پیمبری ہدایات کو رد کرتے اور کہتے تھے کہ ہمیں اس کی کیا ضرورت ہم ان تعلیمات سے بے نیاز ہیں اور ان سے ماورا ہیں۔

کیا یہ ذہنیت یہود کے ساتھ ختم ہوگئی؟ ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد تاریخ پھر اپنے کو دوہرا رہی ہے۔ آج پھر "مسلمانوں" ہی کے مدعیان علم و دانش اور دعویداران علوم وفنون، فخر وتعلّی کے نشہ میں جھومتے اور اکڑتے ہوئے باہر نکلے ہیں اور وہ جن کے نام مسلمانوں کے سے ہیں خود بینی وخود نمائی کے نقارہ پر چوبیں لگا لگا کر پکار رہے ہیں کہ ہمیں محمدؐ کے علم کی طرف کیوں بلایا جا رہا ہے ہم مارگولیس کے نام لیوا اور نولڈیکی کے شاگرد و رشید ہیں ہم برلن اور پیرس کی یونیورسٹیوں کے علوم کے وارث ہیں ہم تاریخ کے ریسرچ اسکالرز ہیں، ہم

"مشرقیات" کے "ڈاکٹر" ہیں، ہم "اسلامیات" کے محقق ہیں، ہم تحقیقات کے سرمایہ دار ہیں۔ ہمارے سامنے یہ "وحی" و "الہام" کی کیا بے معنی اور غیر علمی تعلیمات پیش کی جارہی ہیں؟ ہمیں کیوں پیغمبروں اور فرشتوں کا نام لے کر ڈرایا جاتا ہے؟ ہمارے دماغوں اور ہماری عقلوں کو کیوں قرآن اور حدیث سے جکڑا جارہا ہے؟ ہمیں کیوں جذبات نگاری سے متاثر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے؟ اس بیسویں صدی میں ہمیں کیوں آخر ساتویں صدی عیسوی کے خرافات کی طرف بلایا جارہا ہے؟ ہم علم کے پتلے ہیں، علم کے یہ عقاید و ایمانیات کا پشتارہ کیا ہمارے سروں پر لادا جارہا ہے؟ قلوبنا غلف۔ ہمارے اگلوں نے کہا تھا اور ہم پچھلے یہی آواز بدل بدل کر اسی صدا کو دہرا رہے ہیں۔ ہے کوئی "اہلِ علم" جو اس رجز کے بعد میدان میں آنے کی ہمت کرے؟

عورت پرستی

عورتوں کی آزادی آپ دیکھ رہے ہیں کہ آپ کے دیکھتے دیکھتے کہاں سے کہاں پہنچی! ابھی یہی بحث چھڑی ہوئی تھی کہ عورتوں کو تعلیم دینا بھی چاہئیے یا نہیں، کہ آپ کی قوم کی عورتوں نے تعلیم حاصل کرنی شروع کردی، اور آپ کے فیصلہ کا انتظار نہیں کیا، زنانہ مدرسے کھل گئے، زنانہ کالج کھل گئے، لیڈیز کانفرنس کے اجلاس ہونے لگے، زنانے رسالے نکلنے لگے زنانے اخبار چھپنے لگے، برقعے اور نقاب رخصت ہونے لگے، ڈولی اور پالکی کی جگہ "عجائب گھر" رہ گئی، ما یہ وہ کلب، اور مزید ترقی کرکے بے پردہ کلب کھلنے لگے، جو بیچاریاں بے زبان تھیں،

وہ تقریروں، اسپیچوں، اور لکچروں پر اتر آئیں اور جنھیں آپ اندھیرے گھر کا چراغ سمجھے ہوئے تھے، اُنھوں نے آپ کی آنکھوں کے سامنے "سوسائٹی" کے اندر، بزم و رہگذر کے اندر، بجلی کے قمقموں کی چمک دمک پیدا کر لی!

آپ اپنی شاعری کی دنیا میں بیٹھے ہوئے جنھیں "کم سخن" و "بے زبان" سمجھتے رہے اُنھوں نے آپ کے دیکھتے ہی دیکھتے، پنڈال بنائے، رزولیوشن پر تقریریں شروع کردیں پلیٹ فارم پر قبضہ کر لیا اور اسٹیج کو اپنی ہنگامہ پرور ریوں سے تھرا دیا اور آپ اب تک جنھیں "بت" کہتے تھے وہ آپ کی آنکھوں کے سامنے "ناقوس" بن گئے۔

نشانِ سابق سے یہ مایوس ہوئے جاتے ہیں "بت" جو تھے دیر میں "ناقوس" ہوئے جاتے ہیں

ساردا ایکٹ کی تائید ہو رہی ہے، تعدد ازدواج کے قانون ممانعت کا مطالبہ ہو رہا ہے، پردہ اور حجاب اپنی ہر صورت میں توڑا جا رہا ہے، آج لکھنؤ میں جلسہ ہو رہا، کل دہلی میں اور پرسوں اجمیر میں، خواہش "آزادی" کی ہے اور "پابندی" سے بیزاری، "حقوق" یاد رہ گئے ہیں اور "فرائض" بھلا دیئے گئے ہیں، پائنیر اور ٹائمس آف انڈیا اور ملک کے اور انگریزی اخبارات جن کے بیش قیمت صفحات میں بہتر سے بہتر دینی مقالات اور اخلاقی مضامین کے لیے چند سطروں کی گنجائش بھی نہیں نکل سکتی اپنے دو دو اور چار چار کالم بڑے بڑے جلی اور نمایاں عنوانات کے ساتھ ان زنانے جلسوں کی روداروں اور کارروائیوں سے با تکلف لبریز رکھتے ہیں!

دنیا میں آج سے پیشتر بھی ایسی مہذب و متمدن قومیں گزر چکی ہیں جو اللہ کا نام لینا فحش کے خلاف اور اپنے پروردگار کی یاد عقلیت، روشن خیالی کے منافی سمجھتی تھیں۔ کلام پاک میں ان کے تذکرے میں آتا ہے کہ یہ لوگ۔

ان یدعون من دونہٖ الا اناثا   اللہ کو چھوڑ کر عورتوں ہی کو پکارتے ہیں

مفسرین کے مختلف اقوال آیت کی تفسیر میں ہیں اور اکثر نے یہ کہا ہے کہ عورتوں سے مراد دیویاں ہیں، جن کی یہ لوگ پرستش کرتے تھے۔ لیکن آج کے مشاہدات یہ کہتے ہیں کہ اس حد تک بھی مجاز کیوں اختیار کیا جائے اور "اناث" کے صاف اور سیدھے معنی، عورت ہی کے کیوں نہ لیئے جائیں؟

نمازِ جمعہ

یاایھا الذین آمنوا اذا نودی الصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع۔

یہ کسی بشر کا کلام نہیں، سب کے پیدا کرنے والے اور پالنے والے کا کلام ہے پارہ ۲۸ سورہ جمعہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ اے ایمان والو جب ہفتہ کا وہ دن آجائے جسے جمعہ کہتے ہیں اور نمازِ جمعہ کا وقت آجائے تو اپنے سارے کام کاج چھوڑ کر اس نماز کی طرف لپکو اور ذروا البیع، کاروبار لین دین، معیشت و تجارت کے سارے مشاغل اتنی دیر کے لیئے ملتوی کردو۔ اور یہ نہ سمجھو کہ ہرج کار سے تم تباہ و برباد ہو جاؤ گے یا مفلسی و تہیدستی کے شکار ہو جاؤ گے، ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون، اگر علم صحیح و بصیرت تامہ تمہیں حاصل ہو تو یہ معلوم ہوگا کہ تمہاری فلاح و بہبود اس وقت نماز پڑھنے ہی میں ہے نہ کہ اس کی طرف سے غافل و بے پروا ہو کر پیٹ کے دھندوں میں لگے رہنے میں! نماز کے بعد دنیوی کاروبار میں لگ جانے کی پوری اجازت ہے۔ فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض

وابتغوا من فضل اللہ، لیکن یہ حقیقت پھر یاد دلا دی گئی ہے کہ فلاح وبہبود تو ذکرِ الٰہی میں ہے نہ کہ اس سے غفلت وبے توجہی میں۔ واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون۔

ہدایت تو آپ کو یہ ملی تھی مگر آپ کا عمل کیا ہے! جب جمعہ آتا ہے اور موذن کی صدا مسجد سے بلند ہوتی ہے تو کتنے مسلمان امراء ورؤساء اپنی اپنی کوٹھیوں سے نکل کر مسجد تک تشریف لے جاتے ہیں؟ کتنے مسلمان جج اور مجسٹریٹ بڑے اور چھوٹے افسر اور عہدہ دار اپنی اپنی کچہریوں اور دفتروں کو چھوڑ کر ذکرِ الٰہی کی طرف لپکتے ہیں؟ کتنے مسلمان بیرسٹر اور وکلاء حی علی الصلوٰۃ کے حکم کا مخاطب اپنے تئیں سمجھتے ہیں؟ کتنے مسلمان طلباء اور اساتذہ کالجوں اور اسکولوں کے درجوں سے باہر آکر فاسعوا الیٰ ذکر اللہ کی تعمیل اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں؟ کہیں عذر یہ ہے کہ دفتر میں چھٹی نہیں ملتی کہیں عذر یہ ہے کہ پڑھائی کا حرج ہو جائے گا، کہیں عذر یہ ہے کہ "صاحب" کی نگاہیں پھر جائیں گی! یہ تعمیل ہو رہی ہے وذروا البیع کی! یہ عمل ہو رہا ہے فاسعوا الیٰ ذکر اللہ پر! یوں یاد ہو رہی ہے واللہ خیر الرازقین کی! شبہات کی جڑ تک کاٹ دی گئی تھی اور صاف صاف فرما دیا گیا تھا کہ کہیں روپیہ کی محبت (تجارت) اور کھیل تماشہ کی چیزیں (لھو) اس اہم ترین نماز سے غافل نہ کردیں۔ واذا راوا تجارۃً اولھواً انفضوا الیھا وترکوک قائماً قل ما عند اللہ خیرٌ من اللھو ومن التجارۃ واللہ خیر الرازقین لیکن خیر الرازقین کے وعدہ پر ایمان نہ ہوا اور کوٹھیوں اور بنگلوں، اسکولوں اور کالجوں دفتروں اور کچہریوں کے ہر چھوٹے دیوتا کی پوجا جاری رہی۔

اخبارات میں ہنگامہ برپا ہے کہ اسمبلی کے غیر مسلم صدر نے نماز ظہر کے وقت مسلمان ممبر کو تقریر جاری رکھنے کا حکم دیا، اور فلاں شہر کے فلاں پارک میں میونسپلٹی نے نماز مغرب کی ممانعت کر دی۔ اخبارات میں تو خبر جو چاہے چھپے لیکن اپنے دل میں بھی تو خدا را کبھی سوچیے کہ اس میں قصور بیگانوں کا ہے یا اپنوں کا؟ غیر مسلموں کا یا اپنے تئیں مسلمان کہلانے والوں کا؟ جمعہ کی اس بے وقعتی اور بے احترامی کے بعد اگر آپ کی "جماعت" منتشر و برباد ہو رہی ہے تو اس کی ذمہ داری سوا آپ کے کیا کسی اور پر ہے؟

ہجرِ جمیل

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا (مزمل)

اے پیغمبر یہ کافر تمھیں جو کچھ کہتے رہتے ہیں اس پر صبر سے کام لیتے رہو اور ان سے خوب صورتی کے ساتھ الگ رہو۔

یہ حکم گناہوں سے محفوظ و معصوم پیمبر کو ملا تھا، اور گستاخ و بدتمیز، بدزبان و دریدہ دہن کافروں کے مقابلہ پر ملا تھا، ارشاد ہوا تھا کہ ان کی ایذارسانیوں پر صبر کرتے رہو اور ان سے کنارہ کش رہو مگر محض کنارہ کش نہیں، بلکہ خوب صورتی و خوش اسلوبی کے ساتھ۔ محض "ہجر" نہیں بلکہ "ہجر جمیل" اختیار رکھو۔ الگ اس طرح رہو کہ اس میں کوئی بدنمائی و درشتی و خشونت نہ شامل ہو بلکہ حالت عتاب میں بھی مروّت لینت و نرمی کو قائم رکھو! یہ طرزِ عمل ان کے مقابلہ میں بتایا جا رہا ہے جو کھلے ہوتے دشمن تھے اللہ اور رسول کے، جو دشمن تھے حق و انصاف کے، اور جو دشمن تھے تہذیب و انسانیت کے۔ آج کافروں اور منکروں کو چھوڑ دیجیے یہ ملاحظہ فرمائیے کہ خود مسلمانوں

کے ساتھ مسلمانوں کا طرزِ عمل کیا ہے ؟ اور طرزِ عمل بھی عوام کا نہیں، قوم کے پیشواؤں اور راہنماؤں کا، سرداروں اور افسروں کا، مشہور عالموں اور نامور فاضلوں کا! "ٹوڈیوں" کی کیا رائے "نہروانیوں" کے متعلق ہے ؟ اور "نہروانیوں" کے نزدیک "ٹوڈیوں" کا کیا درجہ ہے ؟ کانگریس میں شریک ہونے والے کانگریس سے روکنے والوں کی بابت کیا رائے رکھتے ہیں اور کانگریس سے روکنے والے کانگریس میں شریک ہونے والوں کو کیا کہتے ہیں ؟ زمیندار کی زبان میں انقلاب والے کن القاب کے مستحق ہیں ؟ اور انقلاب کے دربار سے زمیندار والے کن کن خطابات سے سرفراز ہو چکے ہیں ؟ علی برادران کا کیا ارشاد جمعیتہ العلماء ہند کے صدر و ناظم صاحبان کے متعلق ہے اور الجمعیتہ کے صفحات میں علی برادران کی کیا حقیقت نظر آتی ہے ؟ خلافت کے "باغ و بہار" کے کالم روزانہ کس خوش مزاجی اور کس شرافت بیان کا نمونہ پیش کرتے رہتے ہیں ؟ اور اہل خلافت کمیٹی کے بزرگوں کے حق میں کوئی کسر اٹھا رکھے ہوئے ہیں ؟ یہ چند نام صرف اونچے طبقہ والے اور چوٹی پر رہنے والوں کے لے لئے گئے ہیں، باقی ان سے نیچا جو طبقہ ہے اس کی پستیوں اور گندگیوں کا تو "ناگفتہ بہ" رہنا ہی بہتر ہے ! یہ تعمیل ہو رہی ہے ہجراً جمیلا کی، یہ عمل ہو رہا ہے اکابرِ امت کا اپنے رسول کی سنت، اپنے پروردگار کی ہدایت پہ۔ البشری کمزوریاں کس میں نہیں ؟ کوتاہیوں سے کون خالی ہے ؟ غلطیوں اور شدید غلطیوں سے کس کی رائے محفوظ ہے ؟ لغزشوں اور اخلاقی لغزشوں سے کس کا دامن یکسر پاک ہے ؟ اجمالاً اسے سب تسلیم کریں گے لیکن جب تفصیل کا وقت آئے گا، تو ہر شخص بس اپنے تئیں تو فرشتہ سمجھے گا اور اپنے سے مخالف رائے رکھنے والے کو یکسر شیطان! گویا

اب انسان کا تو کوئی درجہ باقی ہی نہیں رہا۔ اگر آپ پارٹی کے ساتھ ہیں، تو فرشتہ ہیں، اور اگر پارٹی کے مخالف ہیں تو بس شیطان! رائے کا اختلاف، اجتہاد میں غلطی، اب عملاً آپ کے نزدیک ناممکن ہو گئی ہے، اور آپ نے گویا قسم کھا رکھی ہے کہ اختلاف رائے جب بھی آپ کو نظر آئے گا تو آپ اُسے ہمیشہ نفسانیت و خودغرضی، جاہ پرستی و بددیانتی، ضمیر فروشی و غداری ہی کہہ کر پکاریں گے!

مومن کی ایک علامت

کلام مجید میں ایک موقع پر جہاں مسلمانوں کی مدح آئی ہے، وہاں منجملہ دوسری علامتوں کے ایک علامت ان مسلمانوں کی یہ ارشاد ہوتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں فروتنی برتنے والے، ایک دوسرے کے حق میں درگزر سے کام لینے، ایک دوسرے کے مقابلہ میں نرمی اختیار کرنے والے ہوتے ہیں "رحماء بینہم" کے مختصر لفظوں میں یہ سارا مفہوم آ جاتا ہے ایک دوسری جگہ مومنوں کی شان یہ بتائی گئی ہے "انما المومنون اخوۃ" مومن ایک دوسرے کے محض ہوا خواہ ہی نہیں، محض دوست ہی نہیں بلکہ بھائی ہوتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ محبت کا وہ علاقہ اور الفت کا وہ رشتہ جوڑے رہتے ہیں، جو بھائی بھائی کے لئے مخصوص ہے، اپنے سکھ میں ان کو شریک کرتے ہیں، ان کے دکھ میں خود شریک ہو جاتے ہیں، ایک دوسرے کے غمخوار ایک دوسرے کے جاں نثار، ان کی عزت کو اپنی عزت، ان کی توہین کو اپنی توہین سمجھنے والے ہیں اور ان کی جان کو اپنی جان کی طرح عزیز رکھنے والے۔

کلام پاک کا یہ ارشاد برحق، مفسرین نے شرح و تفسیر میں جو کچھ لکھا وہ بھی صحیح

و درست لیکن سوال یہ ہے کہ یہ اوصاف کن مومنوں کے حق میں ارشاد ہوتے ہیں ؟ یہ صفات کن مسلمانوں کے بیان ہوتے ہیں ؟ چودھویں صدی ہجری یا بیسویں صدی عیسوی کے مسلمانوں کے ؟ آج کل کے مومنوں کے ؟ اس وقت کے مسلمان لیڈروں اور مولویوں اور درویشوں کے ؟ اس زمانے کے فقیہوں اور فتویٰ نویسوں کے ؟ اس وقت کے خوش گلو واعظوں اور خوش بیان مقرروں کے ؟ اس وقت کی اسلامی انجمنوں اور قومی کمیٹیوں کے ؟ اس زمانے کے قومی اخبارات اور ملی کارکنوں کے ؟ اس وقت کے "احرار" کے اس وقت کے "حقوق مسلمین" کا مطالبہ کرنے والوں کے ؟ اس وقت کے کانگریسی اور خلافتی مسلمانوں کے ؟

کلام پاک کا ارشاد تو غلط نہیں ہو سکتا، مومن تو وہی ہوں گے جن کے اوصاف کلام پاک کے بیان کے مطابق ہوں گے، کامل الایمان مسلمان تو وہی ہو سکتے ہیں جن کی صفات کلام مجید کے ارشاد کے موافق ہوں گی۔ جو اس معیار پر پورے نہیں اترتے جو محبت کے رشتوں کو جوڑے رہنے کے بجائے اپنے سے بیگانہ و بیزار بنانے میں مصروف ہیں جن کے نزدیک قومی خدمت یہی ہے کہ اپنے بھائیوں کے کلیجہ میں ناسور ڈال کر رہیں اور بس چلے تو ان کے سروں کو بھی توڑ توڑ ڈالیں، وہ اپنے کمال ایمان کی بابت اپنے مومن صادق ہونے کی بابت کبھی تو کلام مجید کی روشنی میں اپنے قلب اور اپنے ضمیر سے استفتاء کر کے دیکھیں!

اگلوں کا احترام

والذین جاؤ من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا

الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین اٰمنوا رحشر۔ع ۱) اور وہ مومنین جو ان لوگوں کے بعد آتے کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار بخش دے ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ایمان لانے میں ہم سے سابق ہوتے اور ہمارے دلوں میں میل نہ رکھنا ان کی طرف سے جو ایمان لائے۔

کسی بندہ کا نہیں خدا کا کلام ہے مومنین کے لیئے ایک عام دستور العمل ارشاد ہوتا ہے۔ مومنین کا شعار یہ ارشاد ہوتا ہے کہ یہ اپنے پیش روؤں سے بغض و عداوت رکھنا، ان کی تنقید و تنقیص کرتے رہنا الگ رہا ان کے حق میں دعائے مغفرت اپنی دعائے مغفرت کے ساتھ ہی ساتھ کرتے ہیں اور جس طرح اپنی نجات کے حریص ہیں، ان کی نجات، کے بھی طالب رہا کرتے ہیں اور اپنے قول و عمل سے ان کی تحقیر و توہین کرنا تو کجا دعائیں، اس کی مانگتے رہتے ہیں کہ دل میں ان کی طرف سے غبار نہ رہنے پائے! اگلوں کی عزت و نیکنامی کو پچھلے اپنی عزت و نیکنامی سمجھتے ہیں ان کی نا موری سے خوش ہوتے ہیں ان کی رسوائی سے کڑھتے ہیں۔

امت کو "تعلیم" یہ ملی تھی، امت کا "عمل" کیا ہے؟ آج جو بے ادب اگلوں کی عزت پر حملہ کرنے میں جتنا زیادہ بے باک اور بے دھڑک ہے اسی قدر زیادہ "محقق" و روشن خیال" حدیث میں ہر طالب علم" امام بخاری و امام مسلم پہ نکتہ چینی کے لیئے آمادہ، تفسیر میں ہر جاہل" مجاہد و ابن جریر کا حریف" فقہ میں ہر عامی" ابو حنیفہ و شافعی کی تنقید میں سرگرم کہ آج یہی دلیل کمال اور یہی معیارِ فضیلت ہے! اور ان سے بھی گزر کر اجلِ صحابہ اور خلفائے راشدین تک کے مقابلہ میں یہ دلیل قطعی ہر زبان پر موجود کہ "بہر حال وہ معصوم نہ تھے" عام اہلِ امت کی طرح خاطی ہی تھے" آج

سائنس کا "ایکسپرٹ" (ماہرِ فن) جو کچھ کہہ دے اس کے مقابلہ میں سب کی زبانیں گنگ اور سب کے قلوب جھکے ہوتے۔

لیکن فقہ و تصوف، حدیث و قرآن کے "ایکسپرٹس" (ماہرینِ فن) کے اقوال اگر نقل ہوں تو انھیں مان لینا، حریت ضمیر کے منافی، آزادی عقل والے کے حق میں مہلک!

کسی پیش رو سے کسی مسئلہ میں غلطی ہوگئی ہو تو غور و تحقیق کے بعد سنجیدگی و شرافت سے اُسے واضح کر دینا نہ کوئی گناہ ہے نہ کوئی شرعی جرم۔ نہ کہیں اس کی ممانعت ہے نہ اس کی حوصلہ فرسائی لیکن اس کے بالمقابل خیرہ سری و جسارت کے دوسرے سرے پر پہنچ جانا، بلا ضرورت اور بلا غور و تحقیق، اپنے بڑوں کی اپنے اکابرِ فن کی، اپنے مرحوم بزرگوں کی تحقیر و تضحیک کرتے رہنا ان کی ادنی ادنی غلطیوں کی ٹوہ میں خواہ مخواہ لگے رہنا اور اگر کوئی ہاتھ آجائے تو اُسے بڑے شوق کے ساتھ فاتحانہ انداز سے شائع کرنا یہ آخر کس آئینِ شرافت، کس آئینِ شریعت کے مطابق ہے؟

افترا پردازیاں

رسولِ کریم کے زمانہ میں جب بعض منافقین کی شرارت سے امت کی سب سے بڑی مومنہ صدیقہ پر ایک نہایت گندی تہمت لگی اور اس کے چرچے پھیلے تو کلامِ مجید میں یہ دو آیتیں نازل ہوئیں۔

(۱) لولا اذ سمعتموہ ظن المومنون والمومنات بانفسھم خیراً

وقالوا ہذا افک مبین (نور ع ۲)

جب تم لوگوں نے یہ گندی حکایت سُنی تھی تو مسلمان مردوں اور عورتوں نے اپنے لوگوں سے متعلق گمان نیک سے کام کیوں نہ لیا اور چھوٹتے ہی یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ صریح افترا ہے!

(۲) ولولا اذ سمعتموہ قلتم ما یکون لنا ان نتکلم بھذا سبحانک ھذا بہتان عظیم، یعظکم اللہ ان تعودوا لمثلہ ابداً ان کنتم مومنین (نور ع ۲)

اور جب تمہارے کانوں تک یہ گندی حکایت پہنچی تھی اسی وقت تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہم کو ایسی بات منہ سے بھی نہ نکالنا چاہیئے معاذ اللہ یہ تو بڑی سخت تہمت ہے۔ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اگر تم ایمان والے ہو تو ایسی حرکت پھر ہرگز کبھی نہ کرنا۔

خبر کے گڑھنے کا ذکر نہیں، اتہام تراشی کا مذکور نہیں، گڑھی ہوئی خبر کے صرف قبول کرنے اور بے سوچے سمجھے اس کے چرچے کرنے پر یہ ڈانٹ پڑ رہی ہے۔ کسی مسلمان پر افترا، تو کوئی مسلمان کیوں کرنے لگا کسی افترا کو قبول کرنا اور اس کی اشاعت میں معین ہونا بھی ہرگز کسی مسلمان کا کام نہیں ہوسکتا ارشاد ہوتا ہے کہ ایسی نامعقول رِوایتوں اور حکایتوں کے سننے کے ساتھ ہی انھیں رد کر دینا چاہیئے اور کسی مسلمان کی عزت پر حملہ سُن کر اسی وقت اس کے قبول کرنے سے صاف انکار کر دینا چاہیئے۔ وہ مسلمان کیسا جو دوسرے مسلمان کی دیانت پر، عزت پر، اخلاق پر حملہ ہوتے ہوئے دیکھے اور چپکا بیٹھا رہے، یا یہ کہہ کر اپنا پیچھا چھڑا لے کہ سُنا ایسا ہی تھا اُسے تو فوراً اس کی تردید کرنی چاہیئے۔ بغیر اس کے وہ مسلمان ہی کیسا اور اس کا

ایمان ہی کیا! آج دنیا تے اسلام کے کسی گوشہ میں اس پر عمل ہے؟ پبلک جلسے ہوں یا گھروں کے اندر تخلیہ کی صحبتیں، اخبارات کے مقالات ہوں یا خانگی خطوط، کہاں یہی چرچے یہی تذکرے نہیں کہ فلاں لیڈر قوم کا روپیہ کھا گیا، فلاں لیڈر انگریزوں سے مل گیا، فلاں لیڈر نے ہندوؤں سے رشوت لے لی، فلاں مولانا صاحب چھپے رستم نکلے فلاں شاہ صاحب کی چوری پکڑ لی گئی، محلہ کے چودھری صاحب کے جوہر لوں کھل رہے ہیں شہر کے قاضی صاحب کی یہ یہ حرکتیں ظاہر ہوئیں اس کا گھر جواریوں کا اڈا ہے، اس کے ہاں کی بہو بیٹیوں تک کی عزت کا ٹھیک نہیں؟ جہاں چار مسلمان جمع ہوئے نہ خدا کا ذکر نہ رسولؐ کا، نہ موت کی یاد، نہ آخرت کی فکر، بس غیبتیں ہیں تو مسلمانوں کی اور بدگوئیاں ہیں تو اپنے ہی بھائی بندوں کی! ایک ایک گھر کے پترے کھل رہے ہیں اور دنیا جہاں کا کوئی عیب کوئی الزام ایسا نہیں جو خود مسلمانوں ہی کی زبان سے مسلمانوں پر نہ لگ رہا ہو! تہمتیں تراشنے والے مسلمان، ان پر یقین کرنے والے مسلمان، انھیں پھیلانے والے مسلمان، نتیجہ رنجشوں، مقدمہ بازیوں، فوجداریوں کی صورت میں روزانہ موجود، لیکن زبان کو چاٹ ایسی پڑی ہوئی ہے کہ ساری تکلیفیں گوارا، لیکن ان چرچوں اور تذکروں سے ہاتھ اٹھانا ناممکن!

مکر اللہ

فلمّا نسوا ما ذکّروا بہ فتحنا علیھم ابواب کل شیٔ حتّٰی اذا فرحوا بما اوتوا اخذنٰھم بغتۃً فاذا ھم مبلسون (انعام، ع ۱۱)

پھر جب وہ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی انھیں نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیے یہاں تک کہ جو چیزیں ان کو ملی تھیں جب ان پر وہ خوب اترا گئے تو ہم نے دفعۃً انھیں پکڑ لیا پھر تو وہ ہکا بکا ہو کر رہ گئے۔

کلام پاک میں بعض اگلی شامت زدہ گمراہ قوموں کا ذکر کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ جب وہ لوگ احکام الٰہی سے برابر غفلت ہی برتتے رہے اور چونکانے سے نہ چونکے تو مشیت الٰہی نے دفعتہً انھیں کوئی سزا نہیں دی، فوراً ان پر در رزق بند نہیں ہوا، بلکہ اس کے برعکس ان پر ہر شے کے دروازے کشادہ کر دیے گئے فتحنا علیھم ابواب کل شیٔ ان کی آمدنیاں بڑھنے لگیں، ان کی دولت واقبال میں ترقی ہونے لگی ان کا جاہ و حشم عروج پر آگیا، یہاں تک کہ وہ اپنی ان کامیابیوں اور کامرانیوں کے نشہ میں اور زیادہ مست وسرشار ہو گئے، خود پرستی اور خدا فراموشی میں اور زیادہ منہمک ہو گئے، اپنی فتحمندیوں، خود بینیوں اور خود اعتمادیوں کے گھمنڈ میں اور زیادہ آگئے اس وقت ان پہ یک بیک قہر الٰہی نازل ہوا اور وہ پاداشِ عمل میں دھر پکڑے گئے۔

آج آپ کو سود خواری کی تلقین دی جاتی ہے اور دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ دیکھیے مغرب کی سود خوار قومیں کیسی خوش حال ہیں، آج آپ کو شریعت شکنی کا سبز باغ دکھایا جاتا ہے اور کہا یہ جاتا ہے کہ دیکھیے مغرب کی اقبال مند قومیں ان قیود سے آزاد ہو کر کیسی کیسی ترقیاں کر رہی ہیں، کلام پاک کی جو تصریح آپ کی نظر سے گزری اس کے بعد اس قسم کے دلائل وشواہد کا کوئی وزن باقی رہ جاتا ہے! "خوش قسمت"

اور "اقبال مند" اور "قابلِ رشک" وہ قومیں نہیں جن کا آغاز خوش گوار ہوتا ہے، بلکہ وہ ہیں جن کا انجام خوش گوار ہوتا ہے گھوڑ دوڑ میں بازی اسی گھوڑے کے ہاتھ نہیں رہتی جو دوڑ کے شروع میں آگے رہتا ہے، بازی اس کے ہاتھ رہتی ہے جو خاتمہ پر سب سے آگے ہوتا ہے، فرعون اور نمرود، ہامان اور قارون اور قوم عاد و ثمود سے زیادہ شاندار اور زیادہ با اقبال "آغاز" کس کا ہوا، لیکن "انجام" آخرت ہی نہیں اسی دنیا میں جو کچھ ہوا ہے اس کا تذکرہ بھی قرآن ہی میں محفوظ ہے، خوشحالی اور اقبال مندی کو لازمی طور پر اور ہر حال میں کسی قوم کی "اصلاح" و "فلاح" کی دلیل قرار دینا، قرآنِ پاک کی تعلیم سے یکسر بیگانگی کا ثبوت دینا ہے۔

نزولِ رحمت

واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ واطیعوا الرسول لعلکم ترحمون (نور۔ ع ۸)

نماز کے پابند رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو کہ ان سے تم پر رحم کیا جائے گا۔

رحمتِ حق کا تعلق صرف عالمِ آخرت ہی سے نہیں، اس مادی و ناسوتی دنیا سے بھی ہے اور رحمتِ حق کے مفہوم میں وہاں کی مغفرت و نجات کے علاوہ یہاں کا چین اور آرام، فلاح اور بہبود، ترقی اور اقبال مندی، سب کچھ داخل و شامل ہے ارشاد ہوتا ہے کہ اس رحمتِ حق کی کشش کا ذریعہ اور نسخہ یہ ہے کہ نمازیں پابندی کے ساتھ ادا کی جاتی رہیں، زکوٰۃ ادا ہوتی رہے عبادت کی دو ہی صورتیں ہو سکتی

ہیں بدنی اور مالی، عبادت بدنی کا خلاصہ نماز ہے اور عبادتِ مالی کا زکوٰۃ، ان دو اہم ترین اعمال کی صراحت کے بعد مطلق اور عمومی صورت میں یہ ارشاد ہوا کہ احکامِ رسول کی اطاعت کی جائے۔

خوب غور فرمالیجیے فلاح و بہبود کی صورتیں کس کو بتائی جارہی ہیں؟ صرف عرب کے مسلمانوں کو نہیں، صحرائے حجاز کے بدوؤں کو نہیں، چین و جاپان، روس و انگلستان، مصر و ہندوستان سب کہیں کے مسلمانوں کو، صرف پہلی صدی ہجری والوں کو نہیں، دوسری صدی والوں اور چودھویں صدی والوں، قیامت تک کے لیے ہر زمانہ اور عہد والوں کو، صرف جاہلوں کو نہیں عاقلوں کو اور عالموں کو حکیموں اور فلسفیوں کو، شاعروں اور ادیبوں کو، سائنس کے استادوں اور آرٹ کے نقادوں کو بڑوں اور چھوٹوں کو، امیروں اور غریبوں کو، اور بتانے والا کون ہے؟ کوئی خاکی بندہ، کوئی محدود علم و بصیرت رکھنے والا انسان نہیں بلکہ وہ جو حاضر و غائب حال اور مستقبل، آج اور کل یہاں اور وہاں، ان کی اور ان کی ہر گروہ اور کالے سب کی ضروریات اور سب کے حالات کا علیم و خبیر ہے وہ ترقی کا راستہ کیا فرماتا ہے؟ یہ کہ نمازیں بہ حفظِ اوقات و التزام جماعت ادا کرتے رہو زکوٰۃ دیتے جاؤ اور رسول کی اطاعت میں سرگرم رہو۔

قرآنِ حکیم کے اگر آپ (خدانخواستہ) منکر ہیں تو روئے سخن ہی آپ کی طرف نہیں، لیکن اگر آپ قرآنِ مجید پر ایمان رکھتے ہیں، تو للہ فرمائیے اور اپنی عقل و سنجیدگی سے مشاورت کے بعد فرمائیے کہ اس میں کہیں ذکر آپ کے نئے نئے تعمیری پروگراموں کا آپ کی نئی نئی کانفرنسوں لیگوں، انجمنوں، رزولیوشن سازیوں

اور جلسہ بازیوں کا ہے؟ نہ کونسل نہ اسمبلی، نہ کانگریس اور لیگ، نہ یونیورسٹی نہ اکاڈمی، نہ سائنس نہ آرٹ، نہ ٹینک نہ ہوائی جہاز، صاف اور سیدھا راستہ رحمت حق کی کشش کا، ہر قسم کی فلاح و ترقی کا صرف ایک ہی ہے اور وہ راستہ غیروں کی تقلید کا نہیں یورپ اور جاپان اور امریکہ کی ریس کرنے کا نہیں، بلکہ مسجدیں آباد رکھنے، نماز پابندی کے ساتھ پڑھتے رہنے خالق و مخلوق کے حقوق ادا کرتے رہنے اور رسولؐ کے بتلائے ہوئے طریقوں پر چلتے رہنے کا ہے کہتے ہیں کہ یہ زمانہ عقیدہ کا نہیں تجربہ کا ہے، خدا کے واسطے آخر اس راہ کا تجربہ کیوں نہیں کیا جاتا؟

اسلامی اور یاجوجی نظامِ حکومت

امریکہ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی جمہوری سلطنت ہے اور علم و عقل، تہذیب و شائستگی، جاہ و حشم دولت و اقبال کے معراج کمال پر ہے اس کے صدر مسٹر ہوور نے حال ہی میں ایک تقریر میں اپنے نظامِ حکومت کی آئندہ ترقیوں کا نقشہ الفاظ ذیل میں کھینچا ہے:۔

"ہمارا ارادہ ہے کہ ۲۰ سال کے اندر ملک کی آبادی بقدر ۲ کروڑ بڑھا دیں اس آبادی کے لئے ۴۰ لاکھ نئے مکانات اور ان سے بھی زائد خوب صورت عمارتیں ہزاروں کی تعداد میں تعمیر کر دیں، ریلوں کو خوب ترقی دیں، ہزارہا میل کے نئے راستے اور سڑکیں تیار کر دیں اور بجلی ۴/۱ ۲ کروڑ گھوڑوں کی قوت کی مہیا کر دیں اور ہمارا ارادہ ہے کہ مردوں اور عورتوں کے لیے نئے نئے

سامان لطف و تفریح بہم پہنچا دیں۔ افلاس کو اور دولت کو بڑھا دیں"۔
(انگلشمین کلکتہ، ۱۳۔ جولائی ۱۹۳۱ء ملاء)

کہتے ہیں کہ آج سے صدیوں پیشتر اسی سطح زمین پر ایک قوم اور بھی آباد تھی اس کے افراد بھی اسی گوشت و پوست کے بنے ہوئے تھے ایسا ہی دل رکھتے تھے اور دلوں کے اندر خواہشیں اور اُمنگیں، حوصلے اور ولولے لیکن اُسے فکر نہ ریلوں کی ہوئی نہ بنکوں کی، نہ پارکوں کی نہ ہوٹلوں کی، نہ بیوپار کی نہ ساہوکارہ کی، نہ تھیٹر کی نہ سینما کی، اس قوم کا دستور العمل یا نظام نامہ جو کچھ تھا اُسے بندوں کی نہیں پروردگار کی زبان سے سنیئے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ (حج، ع ۶)

یہ وہ لوگ ہیں کہ انھیں ہم اگر دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ نمازیں قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیکیوں کی طرف بلائیں اور برائیوں سے روکیں۔

گویا اس قوم کی حکومت کی غرض ہی یہ تھی کہ دنیا میں نیکیاں قائم کی جائیں اور بدیوں کو مٹایا جائے اور فتح مندی کے نشہ کے باوجود بھی اہتمام نماز" نماز باجماعت، آبادی مساجد، ادائے زکوٰۃ اور اعانت غربا کا رہے۔

دونوں "پروگرام" آپ نے دیکھ لیئے ہ دونوں راہیں آپ پر واضح ہو کر رہیں ہ ایک راستہ "نئی دنیا" کا ہے، دوسرا پرانے دین کا، ایک راہ ریل اور تار، جہاز اور ہوائی جہاز، تھیٹر اور سامان بنک اور ساہوکارہ، یونیورسٹی اور کالج، کلب اور ہوٹل، میوزیم اور آرٹ گیلری کی ہے اور اسی راہ میں دولت پرستی

اور سرمایہ داری، محکوموں پر ظلم اور غریبوں پر جور، ڈاکہ اور چوری تعب زنی اور غارتگری، خود بینی اور خود نمائی قتل اولاد اور حرام کاری، بدعہدی اور خدافراموشی کی یہی منزلیں ہیں۔ دوسری راہ نماز اور زکوٰۃ، تقویٰ و طہارت، یتیم پروری و فقر دوستی تضرع و انابت، خاکساری و شکستگی، سکونِ خاطر و اطمینان قلب، سرور روح و فنائے نفس کی ہے سوچ سمجھ کر ارشاد ہو کہ اپنی حکومت کے لیے اپنے "سوراج" کے لیے کون سا نقشہ ذہن کے سامنے ہے؟

دعوتِ رسول

لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضاً (نور)

مسلمانوں سے مسلمانوں کے رب کا ارشاد ہوتا ہے کہ ہمارے رسول کے پکارنے کو دوسروں کی پکار پر قیاس نہ کرو، عقیدۃً تو ظاہر ہے کہ ان کی امت کہلا کر ان کی آواز کو سب آوازوں پر اہم و مقدم سمجھتے ہی ہو، لیکن عملاً بھی انہیں کی بات کو سب پر بالا رکھو، ان کی پکار کو ہر دوسری پکار پر مقدم رکھو، اور ان کے بلانے کو کسی اور کا بلانا نہ سمجھو، کہ جی چاہا مانا اور جی چاہا ٹال دیا ان کی ہر آواز پر دوڑو، ان کی پکار پر اٹھ کھڑے ہو، ان کے ہر ارشاد کو بے چون و چرا بے حیلہ و حجت واجب التعمیل سمجھو ان کی ہر آواز دین کی آواز ہے، اللہ کے دین کی آواز ہے، اللہ ہی کی آواز ہے، بدبخت ہے وہ نام کا مسلمان جو ان کی آواز سننے اور لبیک بجائے ان کے کسی اور کی آواز پر کہے۔

صحابہؓ نے اس حکم ربانی پر عمل کیا، نتیجہ جو کچھ نکلا کسی سے مخفی ہے؟ آخر بہت

یں جو کچھ مراتب حاصل ہوں گے ان سے قطع نظر کیجئے، اسی مادی دنیا میں کیا کچھ نہیں مل گیا ؟ حکومتیں ملیں، سلطنتیں ملیں، فتح مندیاں حاصل ہوئیں۔ سربلندیاں نصیب میں آئیں، روپیہ ملا خزانہ ملا، ناموری ہوئی، شہرت ہوئی، اعزاز و اجلال سے بہرہ ور ہوئے۔ غرض دین کے علاوہ دنیا بھی ملی، اور اس طرح ملی جیسے بڑے سے بڑے دنیا طلب کو مل سکتی ہے۔ لیکن "آپ" ؟ آپ کا کیا حال ہے ؟ آپ کا رسولؐ کی پکار کے ساتھ کیا معاملہ ہے ؟ آپ دوڑتے کس کی پکار پر ہیں ؟ رسول کی پکار پر یا اغیار کی پکار پر ؟ کانگریس کی آواز، کانفرنسوں کی آواز، اسمبلی اور کونسل کی آواز "صاحب" کی آواز آکسفورڈ اور کیمبرج کی آواز، "نیشنلزم" کی آواز۔ ایمان سے کہیے کہ جو کشش آپ کے لئے ان آوازوں میں ہے اس کی نصف بھی رسول کی آواز میں ہے ؟ ایک وہ تھے جنھوں نے رسول کی آواز سنی، جاہل اور اُجڈ تھے، گنوار اور اُمّی تھے، دفعتہً حاکم اور بالا دست ہو گئے۔ خوش حال اور مال دار بن گئے، دنیا ان کے قدموں پہ لوٹنے لگی۔ ایک آپ ہیں کہ اپنی روشن خیالی کے زعم میں، اپنی عقل آرائی کے غرور میں اس پرانی آواز کو سنی ان سنی کر رہے ہیں، اور حکومت تو کیا ملتی، روز بروز غلامی اور پستی ہی کی زنجیروں میں اور زیادہ کسے چلے جاتے ہیں، آج انگریز نے ٹھکرایا، کل ہندو نے دھمکایا، پرسوں سکھ نے طمانچہ مار دیا، گریجویٹ ہوتے ہیں، سالہا سال تعلیم حاصل کرتے ہیں، صحتیں برباد کرتے ہیں، ہزارہا روپیہ ڈگری کی ہوس میں لگا دیتے ہیں، اور پھر بھی دنیا ہے کہ ہاتھ سے نکلی چلی جاتی ہے۔

فتنہ پرداز

ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیٰوۃ الدنیا ویشھد اللہ علیٰ ما فی قلبہ وھو الد الخصام واذا تولیٰ سعیٰ فی الارض لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنسل واللہ لا یحب الفساد واذا قیل لہ اتق اللہ اخذتہ العزۃ بالاثم فحسبہ جھنم ولبئس المھاد

(بقرہ ع ۲۵)

انسانوں میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جس کی گفتگو دنیوی زندگی میں تمہیں مزدار معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے مافی الضمیر پر اللہ کو گواہ بنا بنا کر پیش کرتا ہے حالانکہ وہ (رسول کا) شدید ترین دشمن ہے وہ جب مسلمانوں کی مجلس سے باہر جاتا ہے تو ملک میں کوشش کرتا رہتا ہے کہ اس میں فساد ڈالے اور کھیتی اور نسل کو برباد کرے حالانکہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ خوفِ خدا اختیار کرو تو نخوت اسے گناہ پر آمادہ کر دیتی ہے پس اس کے لئے دوزخ بس ہے اور وہ بڑا ہی برا ٹھکانہ ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ آیاتِ بالا ایک منافق اخنس بن شریق کے حق میں نازل ہوئی ہیں، بڑا لستان و چرب زبان تھا حضور کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا تو اللہ کی قسمیں کھا کھا کر اپنے مطیع و مسلم ہونے کا یقین دلاتا لیکن اللہ ہی نے اس کی بابت یہ یقین دلایا ہے کہ وہ اسلام کا، خدائے اسلام کا، رسولِ اسلام کا بدترین دشمن ہے اسلام کا کام تو دنیا میں آشتی پھیلانا اور اصلاح حال کرنا ہے حالانکہ

اس بدبخت کی تعلیم کا اثر یہ ہے کہ دنیا میں تباہی و بربادی پھیلے، کھیتیاں اجڑ جائیں اور نسلیں ہلاک ہو جائیں۔ اس کو جب جب سمجھایا گیا کہ اسلام قبول کرے اور دین حق کی پیروی اختیار کرے تو اس میں وہ اپنی ہتک سمجھا، اور جھوٹی شیخی میں اکڑ اپنی بات کی پیچ میں آکر اور زیادہ تمرد و سرکشی، عصیان و بغاوت پر آمادہ ہو گیا تا ایسے سرکش مجرم کی سزا بس دوزخ ہی ہو سکتی ہے جس نے اپنے اعمال سے اپنے ہاتھوں اپنے لئے دوزخ کا ماحول بنا لیا اس کا ٹھکانہ بس دوزخ ہی ہو سکتا ہے!

شانِ نزول کی روایات کو چھوڑیئے اپنی آنکھوں سے کام لیجیے اور اپنے دل کو ٹٹولیے آج آپ کے ارد گرد کتنے زندہ اخنس بن شریق موجود ہیں اور کہیں خود آپ کے اندر تو کوئی اخنس نہیں بیٹھا ہوا ہے؟ آپ کسی عمل یا عقیدہ کی غلطی منکشف ہو جانے کے بعد، وضوح حق پوری طرح ہو جانے کے بعد، پھر بھی اس غلطی کو نہ ماننا، حق کا اتباع نہ کرنا، تلافی پر تیار نہ ہونا، اس خیال سے کہ اس سے بات جائے گی اپنی آن میں فرق پڑ جائے گا، دنیا کے سامنے اپنی سبکی ہو گی، یہ سب کچھ اخذتہ العزۃ بالاثم کا مصداق بننا، اپنے کو وعید خداوندی کا مورد بنانا نہیں تو اور کیا ہے؟ اور آہ، کہ اس کی مثالیں آج گرد و پیش اندر اور باہر کس کثرت سے موجود ہیں! جنھوں نے اپنی زندگیوں کو حق سے سرچشمۂ راحت و سرور سے، منبع آسائش و خیر سے اس درجہ بے تعلق رکھا ہے انھیں کیا حق ہے کہ وہ عالمِ ناسوت سے گزرنے کے بعد اپنی جگہ تسکین و راحت، خیر و مسرت کی قرارگاہوں میں تلاش کریں۔؟ فحسبہٗ جھنم ولبئس المھاد، ایسوں کے حق میں ظلم و زیادتی نہیں، عین عدل و انصاف ہے!

گم کردہ راہ

ومن النّاس من یجادل فی اللہ بغیر علم ولا ھدیً ولا کتاب منیر ثانی عطفہ لیضل عن سبیل اللہ لہٗ فی الدنیا خزیٌ ونذیقہٗ یوم القیٰمۃ عذاب الحریق (حج ع ۱)

انسانوں میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ کے باب میں تکبر کے ساتھ جھگڑتے رہتے ہیں درآنحالیکہ نہ علم رکھتے ہیں نہ ہدایت اور نہ روشنی دینے والی کتاب تاکہ اوروں کو بھی (اپنی طرح) حق سے بے راہ کردیں ایسے شخصوں کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور قیامت کے دن بھی اُسے جلتی ہوئی آگ کا مزا چکھائیں گے۔

اہلِ تفسیر شانِ نزول میں لکھتے ہیں کہ باہر سے کچھ اشخاص مدینہ آکر مسلمان ہوتے، کلمۂ اسلام پڑھتے، اپنے مسلم ہونے کا اعلان کرتے اس کے بعد اپنے وطن جاکر اگر مال واولاد میں برکت اور فراغت دیکھتے تو کہتے یہ بہت اچھا دین ہے اور اگر اس کے برعکس صورت دیکھتے تو کہتے کہ بہت بُرا دین ہے، ایسے لوگوں کے حق میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔ یہ تو شانِ نزول کی روایت ہوئی اب آپ کا اپنا مشاہدہ کیا ہے؟ ٹھیک وہی ذہنیت جو ساڑھے تیرہ سو برس قبل تھی آج بھی کارفرما ہے۔

آج حق تعالےٰ جل شانہٗ کی ذات وصفات سے متعلق بے تکلف طرح طرح کی خیال آرائیاں اور مضمون آفرینیاں ہو رہی ہیں، ہر طرح کی بحث و مجادلہ کا بازار گرم ہے من یجادل فی اللہ اور یہ سب محض اپنی اٹکل ہے نہ کہ علم حقیقی کے مطابق یا شریعت کی روشنی میں یا وحی الٰہی کے ماتحت بغیر علم ولا ھدیً

لاکتاب منیر۔ محض نخوت، خود بینی اور ڈھٹائی کی بنا پر، ثانی عطفہ۔ جس کا نتیجہ تمام تر یہی کہ خلقت گمراہ ہو لوگ بے راہ ہوتے چلے جائیں لیکن ان کی تجارت کسی طرح چمکتی رہے لیضل عن سبیل اللہ۔

آج یہ صورتِ حال کہاں نہیں ؟ یہ منظر کس کی نظروں سے مخفی ہے؟ مدعیانہ و گستاخانہ، جو کچھ جی میں آتا ہے بے دھڑک مذہب سے متعلق زبان و زبانِ قلم پر لایا جارہا ہے، جب نفع مسلمان رہنے میں نظر آتا ہے تو جھٹ پٹ اپنے اسلام کا بھی اعلان کردیا جاتا ہے اور جب گرم بازاری ملحد بننے میں نظر آتی ہے تو علانیہ یہ کہا جانے لگتا ہے کہ "مجھے اپنی ذات سے نفرت ہونے لگتی ہے کہ میں بجائے مسلمان ہونے کے محض انسان کیوں نہ پیدا ہوا"۔ مسلمان کا دل یہ دردناک مناظر دیکھ کر مایوسی سے بیٹھنے لگتا ہے کہ صدائے تسکین اس کے کانوں میں آتی ہے کہ ایسوں کو آخرت میں تو کیا دنیا میں بھی مستقل فلاح نصیب نہیں ہوسکتی، نافہموں کی واہ واہ اور چند روزہ جاہ وشہرت انھیں دھوکے میں نہ ڈالے، دنیا میں بھی انھیں ذلت و ناکامی، محرومی و رسوائی سے دوچار ہونا ہے، اور آخرت میں بھی عذابِ حریق سے جس سے آج انکار و استہزاء ہورہا ہے، لہ فی الدنیا خزی ونذیقہ، یوم القیٰمۃ عذاب الحریق۔

موت کی بے ہوشی

ولو تریٰ اذ الظٰلمون فی غمرات الموت والملئکۃ باسطوا ایدیھم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تقولون علی اللہ غیر الحق وکنتم عن اٰیتہ تستکبرون ولقد جئتمونا فراویٰ کما خلقناکم وترکتم معکم شفعاء کما الذی زعمتم انھم فیکم شرکٰؤا ولقد تقطع منکم وضل عنکم ما کنتم تزعمون

کاش تم دیکھتے جس وقت یہ ظالم موت کی بے ہوشیوں میں ہوں اور فرشتے ہاتھ بڑھا بڑھا کر کہہ رہے ہوں کہ اپنی جانیں نکالو آج ہی تو تم کو ذلت والی سزا ملے گی، اس جرم کی کہ تم اللہ کی جانب کیسا کیسا جھوٹ گڑھا کرتے تھے اور تم ہمارے پاس ایک ہی ایک کرکے آ گئے جیسے اول بار پیدائش کے وقت بھی ایک ہی ایک تھے اور جو کچھ ہم نے ساز و سامان دے رکھا تھا سب پیچھے ہی چھوڑ آ گئے اور اب (قیامت کے دن) تمھارے ساتھ تمھارے وہ سفارشی تو دکھائی نہیں دیتے جن کی بابت تمھارا یہ دعویٰ تھا کہ وہ تمھارے شریک ہیں اور جو جو تمھارے رابطے تھے۔ سب ٹوٹ پھوٹ گئے اور جو جو دعوے تمھارے تھے وہ سب پاش پاش ہو کر رہ گئے!

روز آخر کا ہولناک نقشہ آپ نے دیکھا؟ یہاں کی بڑائیاں اور یہاں کی عزتیں کچھ کام نہ آئیں گی۔ یہاں کی خوش تدبیریاں اور یہاں کی پارٹی سازیاں

دھری کی دھری رہ جائیں گی، یہاں کے ساعی، سفارشی دوست احباب کوئی نہ پوچھے جائیں گے کام اس سے پڑتا ہے جو زبانوں کا نہیں، دلوں کا عالم ہے لفظوں پر نہیں معانی پر خبردار ہے، ساری چالاکیاں، سارے جوڑ توڑ بیکار ثابت ہوں گے اور دودھ کا دودھ، پانی کا پانی الگ ہو کر رہے گا آج جو اپنی بڑائی کے قائم رکھنے کی دھن میں ہیں، آج جو حق کے وضوح کے بعد بھی اس کے قبول کرنے میں عار و توہین محسوس کرتے ہیں اور جو حق تعالیٰ کی شان میں طرح طرح کی بے ہودگی کرتے رہتے ہیں، ان کے حق میں یہ ارشاد ہو رہا ہے، کہ انھیں جو عذاب دیا جائے گا۔ وہ خیر سخت و تکلیف دہ تو ہوتا ہی، ان کے لیئے باعث ذلت و توہین (عذاب الہون) بھی ہوگا، آہ، آج جو چند انسانوں کے سامنے قبول حق و اعتراف خطا کرتے شرماتے ہیں، اس وقت ان کے دلوں پر کیا گزرے گی، جب میدان حشر میں بے شمار اور بے انداز مجمع کے روبرو وہ اپنی طرح طرح کی توہین و رسوائی ہوتے دیکھیں گے اور اتنے بے بس ہوں گے کہ زبان تک نہ ہلا سکیں گے!

سب سے غور و تامل کے قابل یہ الفاظ ہیں کہ جس طرح اکیلے دنیا میں بھیجے گئے تھے اسی طرح اکیلے واپس بھی آؤ گے۔ ولقد جئتمونا فرادیٰ کما خلقنٰکم اول مرۃ) پرستش ہر شخص سے اس کے اپنے اعمال کی ہوگی جواب دہی کے وقت کوئی کانفرنس، کوئی کمیٹی منعقد نہ ہوگی، ہر شخص سے سوال یہ ہوگا کہ اس نے اپنے فرائض کے ادا کرنے میں کیوں کوتاہی کی، دوسروں کے افعال کی ذمہ داری دوسروں پہ ہے، ہر شخص ذمہ دار خود اپنے افعال کا ہے۔ آہ کہ آج کتنے اسی ابتدائی سبق کو بھولے ہوتے ہیں اور اپنے فرائض کو چھوڑ کر، فلاں کانفرنس، فلاں انجمن

فلاں کیٹی کی طرف نظر جمائے ہوئے ہیں مقدم فکر خود اپنی اور اپنے اعمال کی ہونی چاہیئے نہ کہ دنیا جہاں کے قصوں کی۔

تصویر اعمال

ووجد وما عملوا حاضرًا (کہف) یوم تجد کل نفسٍ ما عملت من خیر محضرًا وما عملت من سوءٍ (اٰل عمران)

لوگوں نے جو کچھ عمل کئے ہیں انھیں موجود پائیں گے جس دن ہر شخص جو کچھ اس نے نیکی کی ہے اُسے موجود پائے گا نیز جو کچھ اس نے بدی کی ہے۔

دونو آیتیں کلام مجید کی ہیں، دونوں موقعوں پر ذکر قیامت کا ہے اہلِ تفسیر نے معنی یہ لئے ہیں کہ اس روز ہر انسان کا عمل، چھوٹا ہو یا بڑا نیک ہو یا بد، اُسے نامۂ اعمال میں مکتوب و محفوظ ملے گا اور ہر ادنیٰ سا ادنیٰ جزئیہ بھی اس طرح اس کے مشاہدہ و معائنہ میں آجائے گا کہ گویا عین اس کا عمل ہی اس کے سامنے موجود ہے، دوسرے نصوص کے ظاہر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

لیکن بعض اہلِ کشف نے کہا ہے کہ لفظ "حاضرًا" اور "محضرًا" کو حقیقت ہی پر محمول رکھ کر ان کے لفظی معنی لینے چاہیئے۔ یعنی ہر عمل لکھا ہوا اور درج رجسٹر نہیں دیکھے گا بلکہ واقعۃً اپنے کو اسی طرح چوری کرتے ہوئے پائے گا! اور جس نے کسی کو زہر دے کر مارا ہے وہ حشر کے بھرے مجمع میں اپنے تئیں اسی طرح زہر ملاتے اور کھلاتے ہوئے پائے گا! حشر کے معنی اگر اعادۂ کامل کے ہیں، تو یہی معنی قرینِ قیاس بھی معلوم ہوتے ہیں۔ گویا حشر کے دن صرف جسد وقالب ہی میں زندگی کی

روح از سرِ نو نہیں پھنکے گی بلکہ ہماری نیکیاں اور بدیاں ہمارے سامنے ہوں گی اور کرتوت، ہماری نمازیں اور ہمارے روزے ہماری چوریاں اور بدکاریاں ہماری گفتگوئیں اور بزم آرائیاں ہماری غیبتیں اور بہتان طرازیاں ہماری جعلسازیاں اور مردم آزاریاں سب ایک ایک کرکے زندہ ہوہوکر سامنے آکھڑی ہوں گی!

آپ اس وقت کی پیشوائی کیلئے آمادہ وآمادہ ہیں؟ آپ ایسی گھڑی سے کاموجود ہونے کے واسطے تیار ہیں؟

آج اپنی کمزوریوں کو چھپانے کیلئے کیسے مستعد وسرگرم نظر آتے ہیں اپنے عیبوں پر پردہ ڈالنے کیلئے کس قدر بے تاب رہتے ہیں۔ اپنے دل کے چور آپ جانتے ہیں کہ قریب سے قریب کے عزیزوں اور عزیز سے عزیز دوستوں پر بھی نہ ظاہر ہوں اور اپنی بدنامی ورسوائی سے کتنا ڈرتے رہتے ہیں "کل" جب حشر کے بے شمار اور لاتعداد مجمع میں دوست ودشمن عزیز وبیگانہ، نوکروں، چاکروں، زیردستوں اور ماتحتوں سب کی نگاہوں کے روبرو، سب کی نظروں کے سامنے جب آپ اپنے کو فلاں کی چغلی کھاتے ہوئے فلاں کی غیبت کرتے ہوئے فلاں کا مال ناحق غصب کرتے ہوئے فلاں کی چوری کرتے ہوئے، فلاں کی عزت وناموس پر حملہ کرتے ہوئے

فلاں کو بدنگاہی سے گھورتے ہوئے فلاں اور فلاں ناگفتنی اور ناقابلِ ذکر شرمناک حرکتوں کا ارتکاب کرتے ہوئے پائیں گے تو اس وقت کیا حال ہوگا؟ اس گھڑی کیا گزرے گی؟ سزا وعقوبت، جہنم اور اس کی آگ کو چھوڑیئے صرف اپنی اس ذلت ورسوائی، اس پردہ دری اور اس اعلان عام ہی کے پہلو پر غور کیجیے دنیا کا کوئی سا عذاب یہاں کی کوئی سی بھی سختی، حشر کے اس نشر کا مقابلہ کرسکتی ہے؟ یہ وقت بندہ کی بے بسی وبے چارگی کے کمال کا ہوگا۔ نہ بڑے سے بڑے تاجدار

اپنی فوج اور پولیس کی مدد سے کسی کی زبان بند کر سکیں گے، نہ بڑے سے بڑے سرمایہ دار رشوت کی کسی رقم سے کسی کو خاموش رکھیں گے۔ نہ بڑے سے بڑے جج اور بیرسٹر کسی پر ازالہ، حیثیت عرفی کے مقدمات چلا سکیں گے! اللھم احفظنا۔

دشمنی کا سدِّ باب

قرآن مجید کے چھبیسویں پارہ میں ایک سورہ حجرات ہے اس میں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم ترحمون۔

سب مسلمان آپس میں بھائی ہیں سو اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے تقویٰ اختیار کئے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

گویا مقصود بندوں کو نزولِ رحمت سے خبر دینا ہے اور جو شرطیں نزولِ رحمت کی ہیں انھیں بیان کر دینا یعنی ہر ایک مسلمان کو بھائی سمجھنا اور یہ سمجھ کر مسلمانوں میں باہم میل ملاپ کرتے رہنا، دوسرے ہر فرض کا تقویٰ اختیار کئے رہنا اس کے مابعد دو ضوابط ارشاد ہوتے ہیں جن سے مسلمانوں کی باہمی سازگاری قائم رہ سکتی ہے۔

یا ایھا الذین امنوا لا یسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیرا منھم ولا نساء من نساء عسی ان یکن خیرا منھن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق

بعد الایمان ومن لم یتب فاولئک ھم الظلمون یاایھا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا ... بعضکم بعضا۔

اے ایمان والو نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئیے کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ ایک دوسرے پر عیب لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو ایمان کے بعد گناہ کا نام رکھنا ہی برا ہے اور جو توبہ نہ کریں گے تو وہی ظالم ہے اے ایمان والو بہت گمانوں سے بچتے رہو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کی کھوج میں نہ لگے رہو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔

یہاں نصیحت چھ چیزوں کی کی گئی ہے۔

(۱) ایک دوسرے کی تحقیر نہ کریں "تمسخر" اور "مزاح" دو متضاد چیزیں ہیں مزاح یا خوش طبعی سے مقصود دوسرے کا دل خوش کرنا ہوتا ہے تمسخر سے دوسرے کی دل شکنی اور تحقیر ہوتی ہے ممانعت اسی سے ہے)۔

(۲) ایک دوسرے پر عیب نہ لگائیں۔

(۳) ایک دوسرے کے لئے چڑھانے والے نام نہ تجویز کریں۔

(۴) ایک دوسرے کے اقوال، اعمال، احوال کی نسبت بدگمانیاں نہ کرتے رہیں

(۵) ایک دوسرے کے رازوں کی ٹوہ اور تجسس میں نہ رہیں۔

(۶) پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی کمزوریوں کا تذکرہ نہ کریں۔

خوب غور کرکے دیکھئے دلوں میں رنجش پیدا کرنے کی جتنی بھی راہیں ہیں ان

سب کو کس حکمت کے ساتھ بند کر دیا گیا ہے اور اگر آج ان تعلیمات پر عمل ہو تو نااتفاقیوں اور رنجشوں، نفاق و شقاق کے لیئے کوئی بھی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟

لیکن آج ان تعلیمات پر عمل ہے کہاں؟ آج ان احکام کی تعمیل پوری نہ سہی ادھوری ہی کون کر رہا ہے؟ کیا وہ لوگ جو ایک دوسرے کو "لوڈی" یا "ہرروانی" کہتے رہتے ہیں؟ کیا وہ جو اس قسم کی خبریں شائع کرتے رہتے ہیں کہ مولانا شوکت علی نے اپنا ایمان گورنمنٹ کے ہاتھ اور ڈاکٹر انصاری نے اپنا ضمیر کانگریس کے ہاتھ فروخت کر ڈالا؟ کیا وہ جو دن رات اسی فکر میں رہتے ہیں کہ اپنے بھائیوں کی کمزوریوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کا پردہ فاش کیا کریں اور جس حد تک بھی ممکن ہو اپنی ہی قوم کے ناموروں کو دنیا کی نظروں میں خوب حقیر و ذلیل کرکے رہیں؟ خوب خیال رہے کہ یہیں ممانعت تو واقعی عیوب کی بھی جستجو سے اور سچے الزامات لگانے سے بھی ہے چہ جائیکہ ایک دوسرے کے متعلق اتہامات خود اپنے ذہن سے تراشنا، یا محض افواہ کو شہرت دینا اور چرچے کرنا، ہر فریق کی نیت پر حملہ کرتے، ہر گروہ اور ہر سرگروہ سے متعلق بڑی سے بڑی بدگمانی کرتے ہر ایک کی پردہ دری کرتے رہنا کا نتیجہ بالآخر اسی مادی دنیا میں کیا نکل کر رہا ہے؟ اب کسی کا بھی اعتبار، کسی کا بھی وقار، باقی رہ گیا ہے؟ کسی کی عزت محفوظ رہی ہے؟ آخرت میں جو کچھ پیش آنا ہے، وہ تو آکر رہے ہی گا، آج اور یہیں اگر ہندو یا انگریز، مسلمانوں سے صلح کرنا چاہے تو آخر کن افراد سے کس انجمن سے کس جماعت سے، مخاطب کرے؟ کسی کا کوئی وزن آپ نے اپنے ہاتھوں باقی رہنے دیا؟

خدا فراموشی و خود فراموشی

آپ انگریزی تعلیم یافتہ ہیں اور ریل کے کسی اونچے درجہ میں سفر کر رہے ہیں اس وقت آپ کے اور آپ کے دوسرے ساتھیوں کے ہاتھ میں انگریزی اخبارات کا ہونا لازمی ہے۔ یہ اخبارات کون سے ہوتے ہیں؟ یہی پائنیر اسٹیٹسمین، ٹائمس آف انڈیا، ہندوستان ٹائمس، لیڈر، بمبئی کرانیکل ہیں یا کوئی اور۔ ان اخبارات میں سے کوئی مسلمانوں کا بھی اخبار ہے؟ کوئی واقعات عالم کو مسلمان کے نقطۂ نظر سے بھی دیکھتا ہے؟ کوئی آپ کی نمائندگی کرتا ہے؟ رپورٹر، ہو یا ایسو ایٹڈ پریس، فری پریس ہو یا کوئی اور کوئی بھی ہو ایجنسی آپ کے ہاتھ میں ہے؟ بہرحال خبریں ہوں یا واقعات جو آواز بھی آپ کے کانوں تک پہنچتی ہے سب غیروں ہی کی پہنچائی ہوئی ہوتی ہے

انگریزی کو چھوڑ دیجیے آپ کہہ سکتے ہیں کہ انگریزی میں مجبوری یہ ہے کہ مسلمانوں کا کوئی اخبار ہی کہنا چاہیئے کہ موجود نہیں۔ اُردو کو لیجیے، اُردو میں تو آپ اپنے اخبارات کے وجود کی نفی نہیں کر سکتے اس پر بھی آپ کا عمل کیا ہے؟ جب چاہیے ریل کا ذرا طویل سفر کر کے تجربہ کر لیجیے، ملاپ اور پرتاب اور تیج کثرت سے آپ مسلمانوں کے ہاتھوں میں دیکھیں گے، آخر آپ کے روزنامے بھی تو لکھنؤ اور دہلی، لاہور اور بمبئی سے نکل رہے ہیں، لیکن آپ کو انھیں چھوڑ کر بیگانہ نوازی کرتے ذرا غیرت نہیں آتی، آپ کے یہ پرچے بھلے نہ سہی بُرے اور اعلیٰ نہ سہی ادنیٰ سہی، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ اُن سے بھی گئے گزرے ہیں جن کی سرپرستی، اغیار نوازی کر کے آپ فرما رہے ہیں؟ لاکھ نادان سہی کیا تجھ سے

بھی نادان ہوں گے۔ بیگانوں سے نفرت و بیزاری آپ یقیناً نہ برتیے، لیکن آخر اپنوں کو چھوڑ کر بیگانوں کو نوازنا، اپنی آنکھ، کان، دل، دماغ کو اغیار کے اثرات و روایات کا تابع بنا دینا کس آئین دانش و قانون خودداری کے مطابق ہے؟

اخبارات کا نام محض بطور مثال لے دیا گیا ہے، زندگی کا کون سا شعبہ ہے جس میں آپ دوسروں کے دست نگر نہیں؟ جس میں آپ نے اپنی خودداری مٹا کر دوسروں کو اپنے اوپر حاکم و مختار نہیں بنا لیا؟ جس میں آپ رفتہ رفتہ خود اپنے سے بیگانہ ہو کر نہیں رہ گئے ہیں؟ خیالات کی رَو یہاں تک پہنچی تھی کہ ایک عارف کی زبان سے کلام پاک کی یہ آیت سننے میں آئی ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانسٰھم انفسھم (اے ایمان والو کہیں ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے پہلے اللہ کو بھلایا پس اللہ نے انھیں ایسا مسخ کر دیا کہ وہ خود اپنے کو بھی بھول گئے)۔

یہ سارا نظارہ اگر فانسٰھم انفسھم (اپنے آپ کو بھول بیٹھے) کی عملی تفسیر نہیں تو اور کیا ہے؟ اور یہ سزا اور لازمی نتیجہ ہے نسوا اللہ (اللہ کو بھول جانے) کا!

آگ کے شعلے

سنہ ۱۹۳۰ء کے آخر میں انٹر پارلیمنٹری یونین نے ایک کمیٹی اس تحقیق کے لئے مقرر کی تھی کہ یورپ میں آئندہ جنگ چھڑی تو اس کی نوعیت کیا ہوگی کمیٹی میں بڑے بڑے ماہرین سائنس اور بڑے بڑے فن حرب شامل تھے کمیٹی کے نتائج

تحقیق ایک کتاب کی صورت میں شائع ہوئے ہیں ان کا خلاصہ بعض ولایتی اخبارات کے واسطے سے ہندوستان بھی پہنچا ہے یہ محققین لکھتے ہیں کہ پچھلی جنگ عمومی میں طیاروں کی خود کوئی مستقل حیثیت نہ تھی محض بری و بحری فوج کے معین و معاون کی حیثیت تھی اب اصلی میدانِ جنگ ہوائی یا فضائی ہوگا اور طیارے اس وقت کے مقابلہ میں اب سوگنے زیادہ مہلک ہوگئے ہیں! اب ایسے طیارے تیار ہوگئے ہیں جو بغیر کسی طیارچی کی جان کو خطرے میں ڈالے محض مشین کے ذریعہ سے از خود اڑتے اور گیس اور گولے برساتے رہیں گے اب فوج کے حملے فوج پر نہ ہوں گے سپاہیوں کا دھاوا سپاہیوں پر نہ ہوگا بلکہ اصلی ہدف بڑے بڑے شہر اور تجارتی مرکز بنائے جائیں گے ہر حکومت نے دوسری حکومتوں کے پایۂ تخت کے مفصل نقشے حاصل کر لئے ہیں اور ایک دم سے لندن یا پیرس یا برلن یا روم کی اونچی اونچی عمارتوں پر آتشبازی و زہر افشانی شروع ہو جائے گی! جنگل پہاڑ دیہات سمندر اب یہ کوئی روک ثابت نہ ہوسکیں گے ہوائی جہازوں اور طیاروں کی نہ آواز سنائی دے گی اور نہ یہ دکھائی دیں گے بس یک بیک بیٹھے بٹھائے پر امن، بارونق اور گنجان آبادی والے شہروں کے سروں پر قیامت آجائے گی، اسکول اور کالج، گرجے اور کتب خانے اور نمائش گاہیں، لہلہاتے ہوئے باغ اور سرسبز و شاداب پارک تھیٹر ہال اور سینما گھر اسپتال اور ہوٹل بجلی گھر اور اسلحہ خانے اسٹیشن اور کارخانے پانی کے خزانے اور تیل کی ٹنکیاں آناً فاناً سب برباد ہونی شروع ہو جائیں گی، اور بم کے گولے جو فولاد کی دیوار تک کے آرپار ہو جائیں گے اور زہریلی گیس جو تولوں اور ماشوں کی مقدار میں بھی

شہر کے شہر ہلاک کر ڈالنے کے لیئے کافی ہیں دیکھتے ہی دیکھتے سب کچھ تہس نہس کر کے رکھ ڈالیں گے آگ کے شعلے ہر طرف سے لپکیں گے تہ خانے اور قلعے کوئی پناہ نہ دے سکیں گے، زمین دوز سرنگیں بیکار ثابت ہوں گی "گیس پروف" نقابیں بے اثر رہیں گی۔ چوڑی سڑکیں اور تنگ گلیاں سب لاشوں سے اٹ جائیں گی، نفسی نفسی کا عالم ہوگا کوئی کسی کے کام نہ آسکے گا، تہذیب شائستگی کا دعویدار انسان دیوانہ وار ٹکراتا دوڑتا پھرتا ہوگا ہر راستے میں گر گر کر، تڑپ تڑپ کر دم توڑے گا اور موت و ہلاکت کا عفریت گرج گرج کر اس کا خون چاٹ رہا ہوگا۔

اور یہ وقت وہ ہوگا جب آیۂ کریمہ

یرسل علیکما شواظ من نار ونحاس فلا تنتصران

(عنقریب) تمھارے اوپر آگ کے شعلے اور دھوئیں چھوڑے جائیں گے اور تم اپنے کو نہ بچا سکو گے۔

کی تصویر عملی رنگ میں جلوہ گر ہو کر رہے گی! آیت احوال قیامت کے سلسلہ میں ہے اور یقیناً یہ زہرہ گداز منظر حشر ہی کا ہو سکتا ہے لیکن تفسیر بحر المحیط میں ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ ہو سکتا ہے یہ خطاب اسی دنیا سے متعلق ہے ہو قیل ھو خطاب فی الدنیا) اور اس کے قبل کی آیت سنفرغ لکم ایھا الثقلان کے تحت ابن عطیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:۔

ویحتمل ان یکون التوعد بعذاب فی الدنیا ممکن ہے یہ وعید عذاب دنیوی سے متعلق ہو۔ جب وہ گھڑی آئے گی تو دنیا دیکھ لے گی کہ ہمارے مفسرین نے جن اقوال کو ضعیف و مرجوح سمجھا تھا وہ بھی اپنے اندر کس درجہ صداقت کی قوت رکھتے تھے اور سرے سے بے معنی و مہمل نہ تھے۔

ضابطۂ عمل

سورۂ مائدہ کے شروع میں ایک بڑی سی آیت ہے اس کے پہلے ٹکڑے میں مسلمانوں کو شعائر اللہ کی تعظیم پر توجہ دلاتی ہے دوسرے جزء میں یہ ارشاد ہوتا ہے کہ

ولا یجرمنکم شنآن قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا۔

اور یہ نہ ہو کہ کسی قوم کی دشمنی اس بنا پر کہ اس نے تمھیں مسجد الحرام میں داخل ہونے سے روک دیا تھیں اس بات پر آمادہ کر دے کہ تم اس کے ساتھ زیادتی کرنے لگو۔ یعنی دشمن کے بھی اور پھر ایسے شدید دشمن کے جو خانہ کعبہ کی راہ روکے ہوتے ہے، حقوق ہوتے ہیں مسلمانوں کو نہ چاہیے کہ غصہ میں آکر ایسے موذی دشمن سے بھی کسی معاملہ میں ناانصافی کا برتاؤ کر بیٹھیں! اللہ اللہ دنیا کی کون سی کتاب بجز کتاب اللہ کے ہے جس میں جان کے دشمنوں اور ایمان کے دشمنوں تک کے ادائے حقوق کی یہ تاکید اور اہتمام ہے خیر یہ ذکر تو یہاں ضمناً آگیا اس وقت مقصود آیت کے تیسرے جزو پر توجہ دلانا ہے ارشاد ہوتا ہے:۔

وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔

اور نیکی اور پارسائی کے کام میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو اور گناہ اور زیادتی کے کام میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

مسلم قوم کے باہمی برتاؤ اور آپس کی معاملت و معاشرت کے لیئے کتنا بہتر کتنا اعلیٰ ضابطۂ عمل بتا دیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے کہ کسی مسلمان سے خواہ مخواہ علیحدگی، مخالفت، بیگانگی جائز ہے نہ اندھادھند اس کی موافقت تائید و حمایت، دیکھنے کی چیز اشخاص نہیں اعمال ہیں، اگر کسی کا کوئی عمل اچھا ہے۔ نیک ہے، مفید ہے، تو بلا تامل اس کا ساتھ دے دینا چاہیئے۔ بلا لحاظ اس کے کہ وہ شخص کون ہے، اور اگر کوئی عمل بد ہے، مضر ہے نا جائز ہے تو اس میں شر سے بچنا چاہیئے اس سے علیحدہ رہنا چاہیئے خواہ اس عمل کا پیش کرنے والا کوئی بھی ہو، اگر آج اس قانون پر عمل ہونے لگے تو یہ ہماری قائم کی ہوئی امت کی تفریقیں اور تقسیمیں باقی رہ جائیں؟ ان گروہ بندیوں اور ٹولیوں اور ٹکڑیوں کا وجود کہیں رہ جائے! آج ڈاکٹر انصاری اگر دو اور دو چار کا مجموعہ کہیں تو اس کی تردید حلقۂ محافظین حقوق مسلمین کی طرف سے عین فرض اس لیئے کہ انصاری "نہرو انی" ہیں، کانگریسی ہیں؟ اور مولانا شوکت علی اگر دن کو دن اور رات کو رات بتلائیں تو اس کی مخالفت آزاد خیال گروہ کی طرف سے ہوتی فرض قطعی اس لیئے کہ شوکت علی ٹوڈی ہیں، گورنمنٹی ہیں"! احرار" مسلم کانفرنس" کے بخیہ ادھیڑ کر رکھ دیں گے اور مسلم کانفرنس، احرار کو نیچا دکھا کر رہے گی! وہابی بدعتی کے پیچھے نماز نہ پڑھے گا، اور بدعتی، وہابی کے سلام کا جواب نہ دے گا! علیگڑھ، دیوبند کا ساتھ نہیں دے سکتا اور فرنگی محل، علیگڑھ کی قیادت قبول نہیں کر سکتا!

یہ ساری تفریق و انتشار اسی خدائی قانون کو بھلا دینے کا نتیجہ ہے

نفسِ تقسیم میں مضائقہ نہیں، کروڑوں افراد کا اپنی اپنی طبیعت یا اپنے اپنے دائرہ عمل کی مناسبت سے مختلف گروہوں میں تقسیم ہو جانا قابلِ اعتراض نہیں بالکل قدرتی ہے لیکن ایک گروہ کا دوسرے سے اس درجہ کدورت رکھنا کہ اس کی ہر بات قابلِ تقلید ٹھہر جائے ایک دوسرے کی خوبیوں سے انکار محض اس بنا پر کہ مخالف کیمپ سے کوئی مفید آواز بلند ہو سکتی ہی نہیں یہ آخر کس اسلامی تعلیم کے موافق ہے ؟ چھوٹی چھوٹی جماعتوں اور پارٹیوں کے مذہبی یا سیاسی حیثیت سے کچھ نام رکھ لیے گئے ہیں اور ان ناموں کی بنا پر ایک دوسرے سے مستقل عداوتیں، مستقل نفرتیں، پیدا کر لی گئی ہیں آخرت میں تو خیر جو کچھ پیش آنا ہے، پیش آکر رہے گا ہی، اسی دنیا میں اس طرزِ عمل کا جو نتیجہ نکلا ہے کیا وہ کسی سے مخفی ہے ؟ کسی معاملہ میں نہ کوئی ایک آواز قوم کی ہے، نہ کوئی ایک سردار، نہ کسی قسم کا نظام باقی رہ گیا ہے بھیڑوں کا گلہ بھی ایک ساتھ چلتا ہے لیکن یہ کروڑوں کا انسانی گلہ ایسا ہے کہ اس کے ہر فرد کی راہ دوسرے سے جدا گانہ، ہندو اگر ہم پر ہنسیں اور انگریز ہم پر تالیاں بجائیں تو اس پر حیرت کیوں ہو ؟

دنیا کی لگاوٹ

ان الذین لا یرجون لقاءنا ورضوا بالحیٰوۃ الدنیا واطمانوا بھا والذین ھم عن اٰیٰتنا غٰفلون اولٰئک ماوٰھم النار بما کانوا یکسبون (یونس۔ ع ۱)

جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پر راضی ہیں اور اسی پر مطمئن ہو گئے ہیں اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں ایسے ہی لوگوں کا ٹھکانہ آگ ہے اس کے بدلے میں جو کچھ وہ کر گئے۔

آیۂ پاک کے آخر میں بعض لوگوں کے حق میں ارشاد ہوتا ہے کہ انھوں نے جیسے جیسے عمل کیے جو کچھ کیا دھرا جس طور پر زندگی بسر کی اس کے عوض میں ان کا آخری ٹھکانہ آگ ہے، انھوں نے اپنے کو اپنی اس آتشی زندگی کے لئے تیار کیا انھوں نے اپنے میں اس کی صلاحیت ہی باقی نہ رکھی کہ جنت کی خوشگوار ہوا اور لطیف پانی سے اعلیٰ سے اعلیٰ روحانی نعمتوں اور مسرتوں سے کچھ لطف و سرور حاصل کر سکیں یہ لوگ کون ہوتے ہیں ؟ جن کا یہ ہولناک انجام بتایا گیا ہے وہ کون سے لوگ ہوتے ہیں ؟ ان کی علامتیں اور شناختیں کیا ہیں ؟

آیت کے ابتدائی اور درمیانی حصّوں میں انھیں سوالات کا جواب ہے یہ بدنصیب لوگ ہوتے ہیں جو (۱) اللہ سے ملنے کی کوئی امید نہیں رکھتے (۲) اسی مادی و ناسوتی دنیا پر راضی ہیں (۳) اسی زندگی پر مطمئن ہو گئے ہیں (۴) اور اللہ کی نشانیوں سے غفلت برتتے رہتے ہیں بیان علامات میں انتہائی حکیمانہ شان سے ایک خاص تدریج اور ترتیب بھی مرعی رہی ہے پہلی علامت یہ بتائی کہ قلب میں آخرت کی طرف سے غفلت و بے پروائی، بے تعلقی پیدا ہو جاتی ہے انسان اپنے کھانے پینے ملنے جلنے، بولنے چالنے، دنیا کے مشاغل میں ایسا منہمک ہو جاتا ہے کہ اسے یہ یاد ہی نہیں رہ جاتا کہ آخر ان اعمال کی جواب دہی بھی کبھی کرنی ہے، گمرہی کی بنیاد یہیں سے پڑتی ہے رفتہ رفتہ وہ اپنے انھیں مشاغل

بلی خوش اور مسرور رہنے لگتا ہے اس کا دل اسی مادی دُنیا سے لگ جاتا ہے
آخرت سے اور اللہ سے بے تعلقی اس کے قلب میں رچ جاتی ہے۔ اور اُسے
یہاں کے مکروہات سے کوئی انقباض و تنغص نہیں رہ جاتا یہ دوسری منزل ہوئی
تیسری منزل میں نوبت یہ پہنچ جاتی ہے کہ آخرت کے تذکروں کا بھولے سے بھی خیال
نہیں آتا اور دل آرام و راحت انھیں دنیوی چرچوں اور مشغلوں سے پانے لگتا ہے
"اطمینان" کا درجہ "رضامندی" سے بہت بڑھا ہوا ہے اب اُسے اس موجودہ زندگی
کے ساتھ محض رضامندی ہی نہیں اطمینان کی بھی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور آخرت
کا خیال مستقلاً نہ سہی، اکثر بھی نہ سہی اب کبھی کبھی چونک کر بھی نہیں آتا۔ اعاذنا اللہ منہا

سب سے آخری منزل ان لوگوں کی ہے جو قدرت حق کی بڑی سے بڑی
نشانیاں دیکھتے ہیں جب بھی ان کا ذہن قادر مطلق کی طرف منتقل نہیں ہوتا محض ظاہری
اسباب اور مادی تدبیروں میں اُلجھا ہوا رہتا ہے، طاعون، ہیضہ، زلزلہ، جوان عزیزوں
اور دوستوں کی اچانک موت یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہتے ہیں لیکن
برابر ہر واقعہ سے غفلت ہی برتتے چلے جاتے ہیں عبرت کسی واقعہ سے بھی حاصل
نہیں کرتے اور مسبب الاسباب کی جانب بھولے سے بھی توجہ نہیں کرتے! عالمِ آخرت
اس عالمِ ناسوت سے بالکل بے تعلق کوئی مستقل عالم نہیں، اسی عالم کے تسلسل اور
تکملہ کا نام ہے آج غیب کے کشف کامل کا نام ہے، جن کے دلوں پر آج مادیت و
حیوانیت اس درجہ غالب آچکی ہے، وہ کل کیونکر نعماءِ الٰہی سے فائدہ اُٹھا سکیں گے؟
گوبر کا کیڑا اگر عطر دان میں رکھ دیا جائے تو جھٹ سے مرجائے گا جنھوں نے آج اپنی
صلاحیتوں کو یوں مردہ و برباد کر رکھا ہے اُنھوں نے اپنے ہاتھوں اپنا ٹھکانہ آج

آگ میں تیار کر رکھا ہے اور مناسبت اسی آگ کی جلن اور کھولن، سوزش اور تڑپ سے پیدا کر رکھی ہے!

گپ شپ

کلامِ پاک میں بعض بدترین قسم کے منافقین کا ذکر آتا ہے کہ یہ طرح طرح کی بیہودگیوں اور اللہ کے دین کے ساتھ تمسخر میں لگے رہتے ہیں اور جب ان سے سوال کیا جاتا ہے کہ یہ کیا حرکتیں ہیں تو جواب میں کہتے ہیں کہ کچھ نہیں ہم تو یوں ہی بطورِ مشغلہ و ہدایت، ہنسی اور تفریح کی باتیں کر رہے تھے انکار تھوڑے ہی مقصود تھا۔

ولئن سالتہم لیقولن انما کنا نخوض ونلعب (اگر تم ان سے پوچھو تو یہ کہہ دیں گے کہ ہم تو بس مشغلہ اور دل لگی کی باتیں کر رہے تھے)

سبحان اللہ کیا معقول جواب دیتے ہیں! ارے بدبختو! تمھیں مذاق اور تفریح، ہنسی اور دل لگی کے لیے وہی موضوع رہ گیا ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے! وہی آیاتِ الٰہی وہی اللہ کے بھیجے ہوئے اور رسول کے لائے ہوئے دین کی تعلیمات!

قل اباللہ وآیاتہ ورسولہ کنتم تستہزءون۔ کہہ دو کہ کیا تم اللہ کے ساتھ اور اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ تمسخر کر رہے تھے۔

لعب کے معنی کھیل تماشے کے کھلے ہوتے ہیں، خوض کا لفظ جب گفتگو کے لیے آتا ہے تو مراد ایسے کلام سے ہوتی ہے جس میں سنجیدگی اور واقعیت کے بجائے

جھوٹ اور لغویت ہو الخوض من الکلام ما فیہ الکذاب والباطل (لسان العرب) آج جس نوع کلام کے لیئے فرنگیوں نے لائٹ لٹریچر اور فکشن کی اصطلاحیں گڑھ رکھی ہیں یعنی افسانے اور قصے، گپ شپ حکایتیں اور کہانیاں جنھیں واقعیت اور اصلیت سے علاقہ نہ ہو محض دل بہلاؤ اور نشاطِ خاطر مقصود ہو یہ سب اس کی تحت میں آجاتا ہے منافقوں کا کہنا یہی تھا کہ اب کیا ہنسنا بولنا بھی منع ہے؟ ہم تو آپس میں ہنس بول رہے تھے افسانہ خوانی و حکایت طرازی کر رہے تھے محض انبساط و نشاط مقصود تھا مذہب پر سنجیدگی سے کوئی اعتراض ہم کب کر رہے تھے اس کے جواب میں ارشاد ہوا ہے کہ تمھاری عقلیں کیسی غارت ہوگئی ہیں ہنسی کے لیئے انتخاب کیا تو اسی ایک چیز کا جو کسی طرح اور کسی درجہ میں بھی ہنسی کے قابل نہ تھی!

اگلے منافقوں نے جو کچھ کیا اور جو کچھ کہا اسے چھوڑ یئے قرآن مجید تاریخ کا رجسٹر نہیں، ہدایت و حکمت کا درس ہے یہ دیکھیے کہ آج آپ کے اردگرد کیا ہو رہا ہے؟ جنت کے تخیل پر مضحکہ علانیہ ہوتا ہے جہنم اور عذاب جہنم کے تصور پر ٹھٹھے لگائے جاتے ہیں، حوروں پر شہدوں کی زبان میں پھبتیاں کہی جاتی ہیں مالک و رضوان کے نام لے کر قہقہے بلند ہوتے ہیں ملائکہ پر تالیاں پٹتی ہیں، انبیاء کرام پر طرح طرح کے آوازے کسے جاتے ہیں، نماز اور روزہ، طاعت و عبادت پر تمسخر کھلم کھلا جاری ہے خود اللہ تعالےٰ جل شانہٗ کی شان میں ہر طرح کی گستاخی اور دریدہ دہنی کھلے خزانے ہو رہی ہے اور جب کوئی اللہ کا بندہ روک ٹوک شروع کرتا ہے تو جواب کیا ملتا ہے وہی انما کنا نخوض ونلعب یہ مضامین تو محض افسانے کے رنگ میں لکھے گئے تھے محض تخیل تھے محض شاعرانہ خیال بندی تھی ان کی گرفت کرنا کیسی خشک ملائیت ہے کیسی ناقابل

برداشت دقیانوسیت ہے۔ سوچیے اور غور کیجیے کہ منافق کی نفسیت، منافق کی ذہنیت، منافق کی سرشت وفطرت، اس ساڑھے تیرہ سو سال کے عرصہ میں کچھ بھی بدلی ہے؟

حیاتِ دنیوی کی حقیقت

قد خسر الذین کذبوا بلقاء اللہ حتی اذا جاءتہم الساعۃ بغتۃ قالوا یحسرتنا علی ما فرطنا فیہا وھم یحملون اوزارھم علی ظہورھم الا ساء ما یزرون وما الحیوۃ الدنیا الا لعب ولہو وللدار الاخرۃ خیر للذین یتقون افلا تعقلون (انعام ع ۴)

جنھوں نے اللہ سے ملنے کو جھٹلاتے رکھا وہ بڑے خسارے میں آپڑے یہاں تک کہ جب وہ وقت مقرر آپہنچا تو کہنے لگے ہائے افسوس ہماری کوتاہیوں پر جو اس کے بارے میں ہم سے سرزد ہوتی رہیں اور حال یہ ہوگا کہ وہ اپنی پشت پر لادے ہوں گے اور عالم آخرت جس کو وہ دنیوی مشاغل کے آگے بھولے ہوئے ہیں اس کے سامنے یہ دنیوی زندگی تو کچھ ہے ہی نہیں بجز لہو لعب کے اور جو لوگ تقویٰ سے کام لیتے ہیں ان کیلئے تو وہی دارِ آخرت بہتر ہے پس اے منکرو کیا تم سمجھ سے کام نہیں لیتے؟

جن دنیوی ترقیوں پر آپ مٹے ہوئے ہیں ان کی کل کائنات آپ نے خالقِ کائنات کی نظر میں دیکھ لی؟ وما الحیوۃ الدنیا الا لہو ولعب حیات دنیوی ساری کی ساری، مع اپنی تمام فروع اور اپنے تمام متعلقات کے

اپنے سارے کمالات اور ساری ترقیات کے کچھ وزن ہی نہیں رکھتی، کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتی محض ایک کھیل تماشہ ہے، محض لہو و لعب ہے، کالج اور یونیورسٹیاں سائنس اور آرٹ، بڑی سے بڑی ڈگریاں، بڑے سے بڑے عہدے اور بہتر سے بہتر پیشے، کمشنری اور ججی ہائیکورٹ کی ججی اور صوبہ کی منسٹری، وکالت اور بیرسٹری انجینئری اور ڈاکٹری، اونچے سے اونچے خطابات اور مناصب، نامور، اخبار ول کی ایڈیٹری اور قوم کی لیڈری، کونسلوں میں خوش تقریری اور پبلک جلسوں میں جوش خطابت، اس انجمن کی نظامت اور اس کی مجلس کی صدارت، ان سب کی "کل" کیا وقعت نظر آئے گی؟ "کل" یہ سب ضائع اور برباد، رائیگاں اور اکارت نظر آئیں گی، اگر ان کا تعلق رضائے الٰہی سے نہیں رہا ہے بلکہ یہ خود مقصود رہی ہیں۔

اصل اور پائدار شے جو کچھ ہے وہ عالم آخرت ہے عقل و عاقبت اندیشی سے کام لیا جائے تو ہر کوشش، ہر جنبش قدم، ہر سعی و عمل وہاں اور صرف وہیں کے لئے ہونی چاہیئے ولدار الاٰخرۃ خیر للذین یتقون افلا تعقلون۔

اگر یہ منزلِ مقصود پیشِ نظر نہیں، تو عملاً روزِ آخرت کی تکذیب کرنا ہے عملاً لقائے رب سے انکار کرنا ہے، اس حال میں اگر ہمیں علوم و فنون میں "ڈاکٹر" کی ڈگری مل گئی تو، اور ہم علامۂ وقت تسلیم کر لئے گئے تو سرکار دولت مدار کے خاص مقربین میں داخل ہو کر کسی صوبہ کے گورنر ہم مقرر ہو گئے تو، اور بڑے سے نیشنلسٹ لیڈر ہو کر سالہا سال کے لئے جیل میں چلے گئے تو بہرحال و بہر صورت ہماری قسمت میں گھاٹا ہی گھاٹا اور انجام میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔ قد خسر الذین کذبوا بلقاء اللہ حتی اذا جاءتھم الساعۃ بغتۃ قالوا

یحملون (کذا) تنا علیٰ ما فرطنا فیھا وھم یحملون اوزارھم علیٰ ظھور ھم الا ساء ما یزرون ۔ رضائے حق اگر پیش نظر نہیں، تو آج کی ساری کامیابی کل وبالِ جان اور عذاب جان ہی بن کر رہے گی۔ اللھم احفظنا۔

دو راستے

سورۂ یٰسین میں ایک شخص اپنے ہم قوموں سے وقت کے پیغمبروں پر ایمان لانے کی سفارش کرتا ہے اور پیغمبروں کا وصف مشترک یہ بتاتا ہے کہ یہ وہ حضرات جو اپنی شبانہ روز کی مشغولیت کی کوئی اجرت نہیں مانگتے (قال یقوم اتبعوا المرسلین اتبعوا من لا یسئلکم اجراً) اپنی دن رات کی خدمات دینی کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے اسی طرح سورۂ شعراء میں حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ حضرت صالحؑ حضرت لوطؑ، حضرت شعیبؑ پانچ انبیاء جلیل القدر کی زبان سے یہ قول نقل فرمایا گیا ہے کہ (وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علیٰ رب العالمین) میں تم لوگوں سے تو تبلیغ رسالت پر کسی طرح کا معاوضہ نہیں چاہتا مجھے انعام جو کچھ ملنا ہے پروردگارِ عالم کے ہاں سے ملے گا، اور یہی مضمون بکثرت دوسری آیتوں میں بھی وارد ہوا ہے مثلاً قل ما اسئلکم علیہ من اجر۔ قل ما سألتکم من اجر۔ یاقوم لا اسئلکم علیہ اجراً۔ ام تسئلھم اجراً فھم من مغرم مثقلون۔ وغیرہا۔

دنیا کی سب سے زیادہ معزز ہستیوں کا طریق کار آپ نے دیکھ لیا، نہ بڑی بڑی فیسیں نہ محنتانے نہ نذرانے نہ بڑے بڑے مشاہرے نہ جاگیریں

نہ جاگیرداریں، نہ زمینداریاں، نہ بڑے بڑے تعلقے، نہ تجارتی کوٹھیاں، نہ بڑے بڑے فرم اور کمپنیاں نہ ساہوکاروں کے ہاں بہی کھاتے نہ بنکوں میں بھاری بھاری ڈپازٹ، جس شغل میں دن رات صبح شام لگے ہوئے اس کے عوض میں آمدنی ہزاروں کی تو کیا سینکڑوں کی، دہائیوں کی اکائیوں کی بھی نہیں! اگر آپ محض زبان ہی سے نہیں، دل سے بھی انھیں حضرات کو سب سے زیادہ معزز سمجھ رہے ہیں، اگر آپ انھیں کی انتہائی عزت کے قائل ہیں تو قدرتاً آپ کے دل میں بھی ولولہ انھیں کے نقشِ قدم پر چلنے کا انھیں کی راہ اختیار کرنے کا پیدا ہونا چاہیے

لیکن اس کے برعکس آج دنیا نے عزت و ناموری کے ساتھ کن کن ناموں کو چمکا کر آپ کے سامنے پیش کر رکھا ہے؟ فلاں بیرسٹر صاحب اور فلاں وکیل صاحب جو ایک ایک پیشی میں سینکڑوں اور ہزاروں لے لیتے ہیں، جو کاغذات مقدمہ دیکھنے اور مشورہ دینے میں ہزاروں کما لیتے ہیں۔ فلاں ڈاکٹر صاحب اور فلاں حکیم صاحب جو ایک ایک CALL میں اپنی جیبیں بھر بھر لیتے ہیں جو ایک ایک آپریشن میں مالا مال ہو جاتے ہیں، فلاں جج اور فلاں کمشنر، فلاں منسٹر اور فلاں ایگزیکٹو کونسلر جن کی اتنی اتنی تنخواہیں ہیں فلاں رئیس اور فلاں زمیندار جن کی لاکھوں کی آمدنیاں ہیں اور خیر یہ تو پھر دنیوی پیشے اور کھلے خزانے دوپیٹ کے دھندے ہیں، فلاں شاہ صاحب اور فلاں مولوی صاحب جن کے نذرانے اور جن کے ہاں کے چڑھاوے سن سن کر دنیا داروں کو بھی رشک آ جاتا ہے اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھیے کہ دل میں امنگیں کس کی روش پر چلنے کی ہیں؟ انبیاء کرام کے طریقہ پر یا آج کے معززین اور اہلِ وجاہت کی راہ پر؟ زمانہ نے آپ کی

نظر میں زیادہ خوش آیند اور قابلِ تقلید بنا رکھا ہے" اجر" سے بھاگنے والوں کو یا" اجر" پر دوڑ دوڑ کر گرنے والوں کو؟

منکرینِ حق کی ذہنیت

یعلمون ظاھرًا من الحیٰوۃ الدنیا وھم عن الاٰخرۃ ھم غٰفلون اولم یتفکروا فی انفسھم ما خلق اللہ السمٰوٰت والارض وما بینھما الا بالحق واجل مسمّٰی وان کثیرا من الناس بلقائ ربھم لکٰفرون اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم کانوا اشد منھم قوۃ واثاروا الارض وعمروھا اکثر مما عمروھا وجاءتھم رسلھم بالبینٰت فما کان اللہ لیظلمھم ولٰکن کانوا انفسھم یظلمون (روم - ع ۱)

یہ لوگ صرف دنیوی زندگی کی ظاہری حالت کو جانتے ہیں اور آخرت سے بالکل بے خبر ہیں کیا انھوں نے اپنے اندر غور نہیں کیا اللہ نے تو آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے ان سب کو کسی حکمت ہی سے اور ایک میعادِ معین ہی کے لیئے پیدا کیا ہے اور بہت سے لوگ اپنے رب سے ملنے ہی کے منکر ہیں کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے بھالتے کہ جو منکرین ان سے پہلے گزرے ہیں ان کا کیا انجام ہوا ہے وہ ان سے قوت میں بھی بڑھے ہوئے تھے اور اُنھوں نے زمین کو بھی ان سے بڑھ کر بویا جوتا تھا اور جتنا اُنھوں نے

زمین کو آباد کر رکھا ہے اس سے زیادہ اُنھوں نے آباد کر رکھا تھا اور ان کے پاس بھی ان کے پیمبر کُھلے ہوئے دلائل لے کر آتے تھے سو اللہ تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔

منکرینِ حق کی اصلی سایکالوجی بیان ہو رہی ہے ذہنیت بے نقاب ہو رہی ہے کہ انھیں اپنے علم اور معلومات پر غرّہ ہے سو اس کی بساط ہی کیا ہے! ان کے سارے علوم اور سارے فنون کی کائنات بس یہی حسّی اور مادی دنیا اور اس کے احوال تو ہیں بہت بڑا اور بے حد وسیع عالم جو اس کے بعد آنے والا ہے وہ جس طرح ان کی ظاہری آنکھوں سے اوجھل ہے اسی طرح اُس کی طرف سے یہ اپنے دل کی آنکھیں بھی بند کئے ہوئے ہیں! یہ ذرا غور و فکر سے کام لیتے تو انھیں نظر آجاتا کہ یہ تو یہ، یہ زمین و آسمان اور جتنی بھی مخلوق ہے سب کی خلقت کسی مقصد ہی سے ہوئی ہے، اس لیئے بے مقصد اور غیر ذمّہ دار کوئی بھی ہستی نہیں، اور سب کی زندگی ایک وقتِ مقرر تک ہی کے لیئے رکھی گئی ہے اس لیئے فنا و موت لوازمۂ حیات ہے اور یہ سبق کسی طرح بھولنے والا نہیں مگر یہ لوگ ایسے احمق و نافہم ہیں کہ اسی مرکزی اور بنیادی حقیقت سے غافل ہیں! اور ذرا یہ لوگ گھروں سے باہر نکل دیکھتے کہ پُرانے منکروں کا کیا انجام ہوا ہے ہلاکت و بربادی سے کس طرح اپنے تئیں بچا سکے ہیں انھیں اپنے تئیں تہذیب و تمدّن، قوّت و شوکت پر ناز ہے پُرانی قوموں کی تہذیب و تمدن کی تاریخ کا پتہ لگائیں بہت سے امور میں تو ان کی قوّت و شوکت ان سے کہیں بڑھی ہوئی تھی، علیٰ ہذا آراستگی و نفاست شائستگی و نزاکت کی بہت سی قدروں میں بھی وہ ان سے کہیں آگے تھے لیکن تکذیب

وانکارِ حق کا نتیجہ کیا ہوا؟ ایسے غارت ہوئے کہ آج پتہ اور نشان تک باقی نہ رہا۔ ظالم سب کچھ سن سنا کر بھی اپنی عاقبت اور انجام کو بھلا رہے اور اپنے ہاتھوں اپنے کو مصیبتوں میں ڈالے رہے۔

نقشہ ساڑھے تیرہ، چودہ سو سال قبل کے منکرین کا ہے لیکن آج بھی کس قدر صحیح اور حرف بہ حرف صحیح ہے! خلاصہ ساری سرکشی اور تمرّد، نافرانی اور کفر شعاری کا کیا ارشاد ہوا ہے؟ صرف ایک شے یعنی سامان دنیوی میں پڑ کر یادِ آخرت سے غفلت! اگر صرف یہ یاد رہے اگر اپنی موت اور انجام یاد رہ جائے تو بس پھر سارے بگڑے ہوئے کام بن سکتے ہیں، اور ساری گمراہیوں کی تاریکی دُور ہو سکتی ہے لیکن آج ہم نے بھی انھیں بے بصروں کی تقلید میں سب سے زیادہ بھلا کس چیز کو رکھا ہے، سب سے زیادہ پسِ پشت کس شے کو ڈال رکھا ہے؟ اسی یادِ آخرت کو اسی خیال موت کو آج طرح طرح کی کمیٹیاں بنیں گی قسم قسم کی کانفرنسیں قائم ہوں گی قوم کی فلاح و ترقی کے لیئے کالج تیار ہوں گے اسکول کھلیں گے کفایت شعاری کے طریقے بتائے جائیں گے اشاعتِ تعلیم پر لکچر ہوں گے اور طریقِ نمائندگی وانتخاب پر تو جھگڑ جھگڑ کر ایک دوسرے کی بوٹیاں نوچ لی جائیں گی، لیکن جو چیز قلم اور زبان پر اشارۃً بھی نہ آئے گی وہ یہی یادِ آخرت اور خیالِ موت ہے!

میدانِ جنگ اور ذکرِ الٰہی

یاایھا الذین اٰمنوا اذا لقیتم فئۃً فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرًا لعلکم تفلحون (انفال ع ۵)

اے ایمان والو جب تم سے اور کسی گروہ سے (میدانِ جنگ میں) مقابلہ پیش آجائے تو ثابت قدم رہو اور ذکرِ الٰہی کثرت سے کرتے رہو کہ تمھیں فلاح ہو۔

تذکرہ میدانِ جنگ اور جہاد کا ہو رہا ہے اس موقع اور وقت کے خطرات ظاہر ہیں قیاس یہ ہوتا ہے کہ اس وقت تو سارا زور خالص جنگی مشاغل پر ہوگا اور حکم یہ ملے گا کہ جس طرح اور جس حد تک بھی ممکن ہو اپنی ساری قوتوں کا مرکز اسی کو بنائے رکھو لیکن برعکس اس کے ارشاد یہ ہوتا ہے۔ فاثبتوا ثابت قدم رہو پیر نہ ڈگمگانے پائیں، گویا پہلی چیز ثبات قدم ہوئی لیکن قدم کا ثبات خود محتاج ہے قلب کے ثبات کا اگر قلب ثابت و قائم نہیں تو قدم کب ثابت و قائم رہ سکتا ہے؟ اور ثبات قلب کا ذریعہ کیا ہے؟ ذکرِ الٰہی اس لیے معًا بعد ارشاد ہوتا ہے کہ واذکروا اللہ کثیرًا ذکرِ الٰہی کثرت سے کرتے رہو۔ ذکرِ الٰہی کی تاکید اور وہ بھی کثرت کے ساتھ۔ دُنیا کے کسی دوسرے لشکر کو اس طرح کا حکم ملا ہے؟ یورپ آج دنگ ہے کہ مٹھی بھر عربوں نے بغیر کسی اعلیٰ ساز و سامان حرب کے بغیر اعلیٰ آلاتِ جنگ کے بغیر اعلیٰ قواعد دانی کے دیکھتے ہی دیکھتے بڑی بڑی پُر قوت سلطنتوں اور پر شوکت حکومتوں کو کس طرح شکست دے دی یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ دوسری سپاہ آج تک ان اسلحہ سے بھی مسلح ہو کر میدانِ جنگ میں آئی ہے؟ اللہ کا نام لیتے ہوئے اللہ کو زبان سے پکارتے ہوئے اللہ کی یاد کو دل میں چھپائے ہوئے اللہ کے دین کی خاطر اللہ کے حکم کی تعمیل میں، اور کس نے تلواریں چمکائی ہیں؟ کس نے اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر پیش کی ہیں؟ کس نے اپنی گردنیں کٹائی ہیں؟ انگریز جب لڑے گا تو زیادہ سے زیادہ انگلستان کی خاطر، جرمن جب اُٹھے گا تو بہت سے بہت "فادر لینڈ" اپنے

وطن کے لیئے، ہندو انتہائی عالی خیالی وحوصلہ مندی کے جوش میں بھر کر بڑھے گا بڑھے گا تو مادرِ ہند کی خاطر آریہ ورت کی خاطر، اپنے دیش اور جنم بھومی کی خاطر، لیکن مسلمانو کو کیا حکم ملتا ہے؟ مٹی کے گھروندوں کے لئے نہیں، زمینی حدود کے لیئے نہیں دریاؤں اور پہاڑوں کیلئے نہیں، ندیوں اور پہاڑیوں کے لیئے نہیں کھیتوں اور باغوں کے لیے نہیں، تجارت کی منڈیوں اور غلّے کے بازاروں کے لیئے نہیں بلکہ اس کے لیئے اور صرف اس کے لیئے لڑے جو زمین وآسمان، آفتاب و ماہتاب، یورپ و ایشیا امریکہ وافریقہ سب کا خالق ہے، جو تمام مقصدوں کا منتہٰی ہے اور جس کے آگے نہ کوئی مقصد خیال میں آسکتا ہے نہ کوئی مطمح نظر!

اور پھر حکم کے ساتھ حکمت بھی موجود لعلکم تفلحون تاکہ فلاح پاؤ۔
گویا مقصود بالذات جنگ وقتال نہیں مقصود تو وہی فوز وفلاح دینی ودنیوی ہے، جہاد وقتال اپنے شرائط کے ساتھ اس مقصود کا ایک ذریعہ ہے، لڑو اور جانیں دو، لیکن یادِ الٰہی سے اس وقت بھی غفلت ہونا کیا معنی، اور اس کی کثرت کا حکم ہے کیا جن کے دل اللہ کی یاد سے اللہ کے خوف سے معمور رہیں گے، ان سے بھی دنیا کے عام لشکروں کی طرح لوٹ مار اور طرح طرح کے جرائم کا اندیشہ ہوسکتا ہے؟ پھر جب کثرتِ ذکرِ الٰہی سے عین معرکہ جنگ کے وقت غفلت روا نہیں تو ہم لوگ جو پڑھنے لکھنے ملازمت وتجارت وغیرہ کے معمولی بہانوں سے نماز وغیرہ سے جی چرانے لگتے ہیں یہ کسی طرح اور کسی حد تک بھی روا ہوسکتی ہے۔

اولیاء اللہ

"ولی" "ولی اللہ" "اولیاء اللہ" یہ الفاظ جب ہم آپ سنتے یا بولتے ہیں تو ذہن میں تخیل کیا پیدا ہوتا ہے؟ بس ایسے شخص کا، جو بستی سے دور اور آبادی سے الگ کسی حجرہ یا کٹی میں رہتے ہوں، ان تک رسائی دشوار ہو، وہ لوگوں سے ملتے بہت کم ہوں اور بولتے اس سے بھی کم ہوں زیادہ تر چشم وابرو کے اشارے سے کام لیتے ہوں، ہنسی اور مسکراہٹ تو ان کے قریب بھی نہ آئے اک طرح کا جلال ہر وقت چہرے سے برستا ہو، کوئی انھیں کبھی کھاتے پیتے نہ دیکھے نہ کوئی بیوی ہو نہ بچے، اور بازار میں چلنا پھرنا، عام لوگوں سے گھل مل کر رہنا، خرید وفروخت کرنا، کسی قومی جلسہ یا ملی مجلس میں شریک ہونا یہ چیزیں تو کہیں آس پاس بھی نہ ہوں، زبان سے ان کے جو کچھ بھی نکل جائے پورا ہو کر رہے وہ جس بیمار کو چاہیں اچھا کردیں، جب چاہیں پانی برسادیں جس کے حق میں دعا کردیں بس اس کا بیڑا پار ہو جائے۔ قدم قدم پر کرامتوں کا ظہور ہو رہا ہے بے کہے دل کی باتیں سمجھ جایا کریں۔ عموماً یہی تخیل ایک ولی اللہ یا بہ زبان عوام "اولیاء اللہ" کا ذہنوں میں سمایا ہوا اور دلوں میں بیٹھا ہوا ہے نا؟

لیکن اس کی سند آخر کہاں سے ہے؟ یہ طریقہ کسی نبی کا بھی رہا ہے اور خصوصاً ہمارے نبی الانبیاء صلعم کا؟ اولیاء کاملین میں صدیق و فاروق، عثمان و علی، حسن و حسین رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر اور کون ہوا ہے؟ کیا یہ طریقے ان کی زندگی کے تھے؟ کلام پاک میں ایک مقام پر اولیاء اللہ کے مقام کی بلندی انھیں الفاظ کی صراحت

کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۔ اولیاء اللہ پر یقیناً نہ کوئی خوفناک و اندیشہ ناک واقعہ طاری ہوگا نہ انھیں غم ہوگا۔ تخصیص آخرت کی نہیں اس عالم ناسوت میں بھی ان کے قلب کو سکون ہی حاصل رہتا ہے مگر یہ لوگ ہوتے کون ہیں؟ ولی کے لغوی معنی قرب رکھنے والے اور دوست کے ہیں "اولیاء اللہ کے معنی ہوتے اللہ سے قرب رکھنے والے یہ مرتبہ حاصل جس طرح ہوتا ہے اس کا ذکر بھی عین اسی مقام پر کلام مجید میں موجود ہے۔ الذین آمنو وکانوا یتقون ؕ وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ سبحان اللہ ولی اللہ کی کیسی جامع و مانع تعریف بیان فرمادی گئی، ضروری صرف دو چیزیں نکلیں پہلی چیز ایمان یعنی عقائد درست ہوں اللہ پر کامل ایمان ہو قوائے نظری کے لحاظ سے تزکیہ ہوچکا ہو بس یہی لوگ ولی اللہ۔ نہ غیب دانی نہ پیشینگوئیاں نہ خرق عادت نہ ہوئی بچوں سے نفرت لھم البشریٰ فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الاخرۃ ایسے لوگوں کے لئے خوشخبری اس دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی!

تجارت کرنا، گلہ بانی کرنا، لوگوں سے ملنا جلنا۔ دشمنان دین سے جنگ کرنا، شرائط صلح طے کرنا، مال غنیمت تقسیم کرنا، جزیہ کا حساب کتاب رکھنا، بیوی بچے رکھنا، ایک وقت میں کئی کئی بیویاں رکھنا، اپنا سارا کام کاج اپنے ہاتھ کرنا یہ سب چیزیں جب نبوت و صدیقیت کے منافی نہ ہوئیں تو ولایت کا درجہ نبوت سے تو بہر حال کمتر ہے کافروں کا تخیل حضرات انبیاء سے متعلق بھی ایسا ہی مسخ شدہ تھا حیرت اور اعتراض کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ ما لھذا الرسول یاکل

الطعام ویمشی فی الاسواق یہ کیسے رسول ہیں کہ کھاتے پیتے بھی رہتے ہیں اور ہم ہی لوگوں کی طرح بازاروں میں چلتے پھرتے رہتے ہیں! بس ایسے ہی کچھ وہم اولیاء الٰہی کے متعلق ہم نے گڑھ لیئے ہیں حالانکہ ولی کے لیئے جو شئے ضروری ہے وہ صرف اللہ سے تعلق اور رضائے الٰہی کی طلب ہے۔

حُسنِ اخلاق

فبما نقضھم میثاقھم لعنّٰھم وجعلنا قلوبھم قٰسیۃً یحرفون الکلم عن مواضعہٖ ونسوا حظا مما ذکروا بہٖ ولا تزال تطلع علٰی خائنۃٍ منھم الا قلیلا منھم فاعف عنھم واصفح ان اللہ یحب المحسنین۔

(مائدہ ۔ ع ۳)

سو ان کی عہد شکنی کے باعث ہم نے ان پر لعنت کی (یعنی اپنی رحمت سے دور کر دیا) اور ان کے قلوب سخت کر دیئے وہ لفظوں کو ان کے مقام سے بدل دیتے ہیں جو کچھ انھیں نصیحت کی گئی تھی اس کا ایک بڑا حصہ بھلا بیٹھے اور تم کو ان لوگوں کی خیانت کی اطلاع آئے دن آتی رہتی ہے بجز ان میں سے معدودے چند کے سو ان کو معاف کرو اور ان کی خطاؤں سے درگزر کرو بیشک اللہ حسنِ اخلاق رکھنے والوں سے محبت رکھتا ہے (یہ عفو درگزر بھی حسنِ اخلاق ہی کی ایک شاخ ہے)

اوپر سے ذکر یہود اور ان کی شدید بدعملیوں کا چلا آرہا ہے، خود

اس آیت میں یہ تذکرہ ہے کہ یہ لوگ بالآخر اپنی مسلسل بدعہدیوں اور قانون شکنیوں کی پاداش میں ملعون ہو گئے رحمتِ حق سے دُور اور مہجور ہو گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے قلوب کی نرمی اور لینت سختی اور قساوت سے بدل گئی یہاں تک کہ انھوں نے کلامِ الٰہی میں اپنی مرضی کے موافق دیدہ و دانستہ لفظی و معنوی تحریف شروع کر دی اس سے بڑھ کر جسارت، شوخ چشمی اور دیدہ دلیری اور کیا ہو سکتی ہے، پھر جو اللہ کو دھوکا دینے پر دلیر ہو اُسے بندوں کو دھوکا دیتے کیا لگتا ہے، ان کی خیانت ان کی بددیانتی ایک روزمرہ کا واقعہ بن گئی اور کھلم کھلا روزانہ اس کی مثالیں ملنے لگیں، گویا یہ قوم حقوق اللہ اور حقوق العبد دونوں کے ضائع کرنے میں حدِ کمال کو پہنچ گئی اب ایسے لوگ کس برتاؤ کے مستحق تھے ؟ بظاہر نظر ایسے نالائقوں اور بدبختوں کے ساتھ سلوک کیا ہونا چاہیے تھا ؟ ظاہر ہے کہ سخت سے سخت برتاؤ ان کے ساتھ ہوتا جب بھی عقل بشری کے لحاظ سے نرم ہی تھا لیکن اس کے برعکس وحیٔ خداوندی کیا فرماتی ہے ؟ یہ کہ ان کی پردہ دری نہ کرو ان کی رسوائی و تفضیح کے درپے نہ ہو، انھیں معاف کر دو" ان سے مواخذہ نہ کرو چشم پوشی اور تحمل سے کام لو اور "ان کی خطاؤں سے درگزر کرو" اور آگے اس کی مزید تحریص و ترغیب ہے کہ "اللہ تعالیٰ حسنِ اخلاق پر سب سے بڑی نعمت اور انتہائی دولت محبوبیت الٰہی کا وعدہ ہے اور اس برتاؤ کو حسنِ اخلاق ہی کی ایک فرد قرار دیا ہے!

آج کوئی بدتر سے بدتر مسلمان بھی کیا ان یہود سے گیا گزرا ہے ؟ کیا اس کی خطاؤں کا شمار ان خدائی مجرموں کے جرائم سے بھی زیادہ ہے ؟ آج کسی

بڑے سے بڑے فاسق و فاجر مسلمان کا نامۂ اعمال ان بدبختوں سے بھی زیادہ گندا ہے؟ اور پھر کسی ملامت کرنے والے کا کسی بہتر سے بہتر مسلمان کا دامن، رسول اللہ صلعم کے دامن سے پاک تر و پاکیزہ تر ہے؟ ایک طرف ان واقعات حقائق و احکام کو پیش نظر رکھیے اور دوسری طرف اس طرز عمل کو دیکھیے جو آج ہر مسلمان بے تکلف دوسرے مسلمان سے متعلق اختیار کیے ہوئے ہے فلاں بے ایمان ہے فلاں خائن ہے، فلاں غدار ہے، فلاں سرکار پرست ہے، فلاں ہندو پرست ہے فلاں بدنیت ہے فلاں کمینہ کی اولاد ہے، فلاں زانی ہے، فلاں شرابی ہے، ایسے الفاظ بے دھڑک ایک دوسرے سے متعلق اخبارات میں لے آنا اور اعلانیہ ایک دوسرے کو مغلظات گالیاں دینا تعلیم اسلام سے کوئی بھی مناسبت رکھتا ہے؟

خشیتِ الٰہی

پارہ سیقول کے آخر میں قوم یہود (بنی اسرائیل) کی تاریخ کے ایک واقعہ کا ذکر آتا ہے کہ اس زمانہ میں جالوت نامی ایک ظالم و سرکش بادشاہ نے مومنین پر طرح طرح کے مظالم ڈھا رکھے تھے بڑی دعاؤں کے بعد بالآخر مومنین کو ایک سردار طالوت نامی ہاتھ آیا اس کے آگے کلام پاک کی تصریح ہے کہ:۔

فلما جاوزہ، ھو والذین اٰمنوا معہ، قالوا لا طاقۃ

لنا الیوم بجالوت وجنودہ۔

جب طالوت مع اپنی سپاہ مومنین کے نہر کے پار (دشمن کے مقابلہ میں) پہنچا

تو ان لوگوں نے رجالوت کی کثرتِ سپاہ اور سازو سامان کو دیکھ کر) کہا کہ آج ہم میں جالوت اور اس کی سپاہ سے مقابلہ کی طاقت نہیں۔

یہ کہنے والے رسول کے ماننے والے ہی تھے، منکر نہ تھے اور قرآن ان کے قول کو بلا نکیر نقل کرتا ہے، یہ سند ہے اس امر کی، کہ کثرتِ تعداد سے یا شوکت و سامان سے قلوب کا متاثر و خوف زدہ ہو جانا ایک امرِ طبعی ہے، جس کا اسلام و ایمان کے ساتھ جمع ہو جانا ناممکن نہیں، پس آج بھی جن مسلمانوں پر "ہندو اکثریت" کا خوف اور انگریزی حشمت و اقتدار کی دہشت چھائی ہوتی ہے وہ بے چارے ایک حد تک معذور ہیں۔

اس کے مابعد کلام مجید ہی میں مومنین کے ایک دوسرے گروہ کا قول بھی مذکور ہے۔

قال الذین یظنون انہم ملٰقوا اللّٰہ کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللّٰہ واللّٰہ مع الصابرین۔

(یہ سن کر وہ لوگ جنھیں اس کا یقین تھا کہ اللہ کے حضور میں حاضر ہونا ہے، بولے کہ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ کے حکم سے قلیل جماعت کثیر جماعت پہ غالب آگئی ہے (تو کثرت سپاہ سے ڈرنا کیا)، اور اللہ تو صبر (و استقامت) والوں کے ساتھ ہے۔

گویا جو مومنین زیادہ پختہ ایمان کے تھے انھوں نے سمجھا یا کہ کثرت یا اکثریت سے ڈرنا بے معنی ہے۔ اللہ کے حکم سے تھوڑی تعداد بھی بڑی تعداد پر غالب آجایا کرتی ہے اور اقلیت اکثریت کو شکست دے دیتی ہے صبر و استقامت

سے کام لو تو حق تعالیٰ کی معیت نصیب میں آئے گی۔اس گروہ کا ممدوح و مبارک ہونا ظاہر ہے، لیکن ان کی اس قوت قلب کی، ان کی اس بے خوفی کی، بے جگری کی، مخلوق سے بے نیازی کی بنیاد قرآن سے کیا نکلتی ہے؟ محض ان کا اعتقاد آخرت! الذین یظنون انھم ملقوا اللہ، ان کا وصف امتیازی یہ تھا کہ معاد کا اعتقاد، بعث و نشر کا اعتقاد، احکم الحاکمین کے حضور میں پیشی کا اعتقاد، ان کے لیے حال بن چکا تھا، یہ عقیدہ ان میں راسخ ہو چکا تھا تو نتیجہ یہ نکلا کہ "اکثریت" کا خوف اگر دلوں سے دور کرنا ہے تو صحیح علاج یہ ہے کہ ایمان کو خوب پختہ کیا جائے جس کا ایمان و اعتقاد جس قدر پختہ ہو گا اسی نسبت سے وہ غیر اللہ کے مقابلے میں نڈر اور بلا جھجک ہو گا۔

آج کسی کی توجہ اس آسانی علاج کی طرف ہے؟ جداگانہ و مخلوط انتخاب پر بحثیں صد ہا ہزار ہا بار ہوں گی بے شمار مقالات لکھے جائیں گے، بے گنتی تقریریں ہوں گی۔ ایک کہے گا "ان ٹوڈیوں کو دیکھو ہندوؤں سے لرزے جاتے ہیں" دوسرا جواب دے گا۔ ان بے غیرتوں کو دیکھو اپنا ضمیر ہندوؤں کے ہاتھ فروخت کر چکے ہیں" باہم سب و شتم و بدگمانیاں، بدزبانیاں، دراز دستیاں سب ہی کچھ ہو گا، بس یہ نہ ہو گا کہ یظنون انھم ملقوا اللہ کی طرف ایک بار آزمائش ہی کے طور پر رجوع کیا جائے بے اعتمادی کے ازالہ کی حقیقی تدبیر پر توجہ کی جاتے اور سب کو ایمان باللہ، اعتماد علی اللہ کی پختگی و رسوخ پر اکٹھا کیا جاتے۔

دنیائے دنی

دنیائے دنی ناپاک ہے مردار ہے توجہ کے قابل نہیں التفات کے لائق نہیں، دنیا ہیچ است وکار دنیا ہمہ ہیچ یہ اور اسی طرح کے اور الفاظ آپ نے واعظوں کی زبان سے بارہا سنے ہوں گے اخلاق کی کتابوں میں بارہا پڑھے ہوں گے، گویا یہی عین دیانتداری اور یہی حاصل تقویٰ ہے لیکن کلام الٰہی میں تو دنیا کی طرف متوجہ ہونے کی اجازت ہی نہیں حکم موجود ہے اور وہ بھی کچھ زیادہ پر پیچ الفاظ میں نہیں تقریباً صراحت ہی کے ساتھ خیر نہ کیجئے آیت تلاوت کے وقت صدہا بار آپ کی نظر سے گزر چکی ہے یہ اور بات ہے کہ اب تک اس پر توجہ نہ فرمائی گئی ہو، سورہ بقر کے رکوع ۲۷ میں ارشاد ہوتا ہے۔

کذٰلک یبین اللہ لکم الاٰیٰت لعلکم تتفکرون فی الدنیا والاٰخرۃ۔

اللہ اس طرح احکام کو کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم دنیا اور آخرت میں غور کرو۔

غور و فکر کرنے کا حکم اگر صرف آخرت سے متعلق ہوتا تو عین توقع کے مطابق تھا لیکن یہاں آخرت کے ساتھ ہی ساتھ، اسی سلسلہ میں اور اسی پر عطف کرکے "دنیا" سے متعلق بھی ہے اوپر سے ذکر بعض احکام فقہی کا چلا آ رہا ہے آگے بھی یہی ذکر ہے مصارف خیر، خلت وحرمت وغیرہا درمیان

میں نکلتا یہ آگیا کہ غور کرو آخرت پر بھی اور دنیا پر بھی! غور و فکر ظاہر ہے کہ توجہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے تو کیا صوفیہ و علماء کی تعلیم و تلقین اب تک بالکل غلط ہی رہی ہے؟ نہیں وہ تعلیم ذرا بھی غلط نہ تھی، صرف ہم سے سمجھنے میں غلطی رہی مطلق توجہ اور غور و فکر، محبت و دوستی، پسند و اختیار کے کیا مستلزم ہے؟ توجہ جس طرح اپنے خاص خاص عزیزوں، دوستوں پر رہتی ہے اسی طرح اپنے بڑے بڑے جانی دشمنوں پر بھی تو مصروف رہتی ہے! مطلق توجہ اور غور و فکر کی تاکید سے یہ کب لازم آتا ہے کہ دنیا کی دوستی اور محبت بھی کسی درجہ میں پیدا کرو؟ صوفیہ و علماء نے جس شے سے روکا وہ دنیا کی دوستی اور محبت ہے۔

کلام پاک نے حقیقتاً دنیا اور کار دنیا میں غور و فکر کی تاکید کرکے دنیا کے ساتھ دوستی و محبت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا اور اس کی جڑ ہی کاٹ دی۔ ایک اسی سال کی پیرزال اگر نہایت خوش نما برقعہ پہنے ہوتے ہو۔ اور کسی نوجوان کی نگاہیں اشتیاق سے اس طرف لگی ہوئی ہوں تو کسی دانا کا اس پیرزال کے چہرے سے نقاب اُلٹ دینا اور نوجوان سے یہ کہنا کہ آؤ خوب اچھی طرح غور کرکے دیکھ لو، یہ اس کے شوق و اشتیاق کو بڑھانا ہے یا اس کی جڑ تک کاٹ دینا؟ نوجوان محض وعظ و نصیحت سے ہرگز اتنا نہ مانتا جتنا اب قائل ہو جائے گا۔ دنیا کی حقیقت تو اس قدر واضح ہے کہ دنیا سے وابستگی جبھی تک ہے جب تک قلب غافل ہے پردہ غفلت اُٹھنے اور

غور کرنے کے بعد کون اس کا دیوانہ رہ سکتا ہے؟ کس کے دل میں ذرا بھی کشش اس کی باقی رہ سکتی ہے؟ آخرت کا باقی، اور دُنیا کا فانی ہونا تو ادنیٰ غور کے بعد بھی روشن ہو سکتا ہے، اور کون فانی کو فانی سمجھ چکنے کے بعد اس سے اپنا دل اٹکا سکتا ہے؟

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى

احادیثِ طیبہ

شہروں کا پسندیدہ ترین اور
ناگوار حصّہ

چودھویں صدی

مغرب پرستی

اطاعتِ والدین

حصولِ علم کا مقصد

انکارِ حدیث

امر بالمعروف

مجرم سے سلوک

رمضان المبارک

رحمتوں کا مہینہ

عہدہ داروں کی ذمّہ داریاں

وطن کی محبّت

موسیقی اور اسلام

بھوک ہڑتال

عورت سے مصافحہ

مومن فاسق

کلمۂ توحید کی اہمیّت

نفقت یالبشری

ہماری فلاح

غلامی میں عبادتِ حق

حکیمانہ دُعا

شہروں کا پسندیدترین اور ناگوار ترین حصّہ

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلعم احب البلاد الی اللہ مساجدھا وابغض البلاد الی اللہ اسواقھا (صحیح مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک شہروں کا پسندیدہ ترین حصّہ وہاں کی مسجدیں ہیں اور ناگوار ترین حصّہ وہاں کے بازار ہوتے ہیں۔

آپ نے سنا کہ یہ کس کا ارشاد ہے؟ اُس کا، جسے ہم اور آپ اپنی زبان سے سب سے بڑا رہبر اور سب سے بڑا معلّم تسلیم کرتے ہیں! ارشاد ہوتا ہے اشارہ کنایہ میں نہیں صاف اور کھلے لفظوں میں ارشاد ہوتا ہے کہ شہروں کے پیدا کرنے والے کی نظر میں وہاں کا بہترین اور محبوب ترین حصّہ کیا ہوتا ہے؟ مسجدیں اور ناگوار ترین حصّہ کون سا ہوتا ہے وہاں کے بازار۔

یہ رسول کا قول تھا، امّت کا عمل کیا ہے؟ آج ہم کو آبادی کا ہر حصّہ، شہر کی ہر عمارت، مسجد سے زیادہ عزیز ہے، چوک کے کوٹھوں کی آبادی ہمارے دم سے قائم ہے، تھیٹروں کی سرپرستی ہمارے ذمّہ، سینما اور سرکس دیکھنے والوں میں ہم سب سے پیش پیش، میلے ٹھیلوں کی چہل پہل ہماری ذات سے وابستہ، پارک کی سیر ہم کو عزیز، کلب کی حاضری میں ناغہ

ہم نہیں کرتے، مشاعروں کی شرکت ہمارے لیے عین فرض، گھوڑ دوڑ کے میدان ہمارے دم سے آباد، فٹ بال میچ اور ہاکی میچ شاید ہی ہم سے کبھی چھوٹا ہو، ہوٹل ہم کو عزیز، نمائش گاہیں ہم کو عزیز، عجائب خانہ ہم کو عزیز، چاندنی چوک ہم کو عزیز، ایڈورڈ پارک ہم کو عزیز، مال روڈ ہم کو عزیز، حسین ساگر ہم کو عزیز، چوپاٹی ہم کو عزیز، حضرت گنج ہم کو عزیز، چار مینار ہم کو عزیز، رائے سینا ہم کو عزیز، سودے والوں کی صدائیں ہم کو عزیز، کھانے کی دوکانوں کی خوشبوئیں ہم کو عزیز، شربت والوں کے گلاس ہم کو عزیز، آئس کریم کی پلیٹیں ہم کو عزیز، اور خیر یہ تو "عوام" کا ذکر تھا، کتب خانے ہمارے "خواص" کو عزیز، کونسل چیمبر ہمارے ممبروں کو عزیز، لیکچر ہال اور جلسہ گاہیں ہمارے "لیڈروں" کو عزیز، مدرسے اور بورڈنگ کی عمارتیں ہمارے قومی کارکنوں کو عزیز، غرض سب کو، اللہ کے گھر کے سوا اور سب کچھ عزیز، اللہ کی توحید کا کلمہ پڑھنے والو، محمدؐ کی شفاعت پر ایمان رکھنے والو، اپنے دلوں کو ٹٹولو، فی صدی نہیں، فی ہزار، بلکہ فی لاکھ ہم میں سے کتنے ایسے ہیں جنھیں مسجد دل سے عزیز ہے، جن کے دل مسجد میں راحت پانے والے ہیں ؟

شارحین حدیث کہتے ہیں کہ بازاروں کے ناپسندیدہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہاں جھوٹ اور فریب، مکر و ریا کی گرم بازاری رہا کرتی ہے، جب یہ حال قدیم مشرقی دکانوں کا تھا تو آج جدید طرز کی مغربی دوکانوں کی بابت جن کا سارا دارومدار سودی کاروبار پر ہے کیا حکم ہوگا ؟ آج ہر مصلح قوم کی زبان پر فریاد ہے کہ "اپنے بنک قائم کرو، روپیہ کا کاروبار

پھیلاؤ، میدانِ تجارت میں دوسری قوموں کو شکست دے دو۔ اللہ کے بندو ذرا سوچو کہ قوم کو کس منزل کی طرف ہنکانا چاہتے ہو؟ ابوالبشر کو شیطان نے یہی کہہ کر فریب دیا تھا کہ میں تمہارا ہوا خواہ ہوں، اور تمہاری فلاح و ترقی کے لیے یہ صلاح بتا رہا ہوں وہی حربہ آج پھر کام میں لایا جا رہا ہے اور ترقی و کامیابی کا سبز باغ دکھا کر اللہ کے بندوں کو آج پھر اللہ کے ناپسند کیے ہوئے مقامات کی طرف بلایا جا رہا ہے کیا اولادِ آدم کے لیے آدم کا تلخ تجربہ بالکل بیکار ہو جائے گا۔؟

چودہویں صدی

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلعم اذا اتخذ و لفی دولاً والامانۃ مغنماً والزکوٰۃ مغرماً وتعلم بغیر الدّین واطاع الرجل امراتہ وعق امہ وادنیٰ صدیقہ واقطی اباہ وظہرات الاصوات فی المساجد وساد قبیلۃ فاسقھم وکان زعیم القوم ارزلھم واکرم الرّجل مخافۃ شرہ وظہرت القینات والمعازف وشربت الخمور ولعن اٰخر ھٰذہ الامۃ اولھا فارتقوا عند ذالک ریحاً حمراء زلزلۃ وخسفاً ومسخاً وقذفاً وایات تتابع کنظام قطع ملکہ فتتابع۔

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جب مال

غنیمت کو دولت سمجھ لیا جائے اور امانت کو ذاتی مال اور زکوٰۃ کو باعث نقصان اور علم کا مقصد دین نہ رہ جائے اور مرد اپنی بیوی کا فرمانبردار بن جائے اور ماں کا نافرمان اور دوست کے قریب ہوجائے اور باپ سے دور اور مسجدوں میں آوازیں ظاہر ہونے لگیں اور جماعت کی سرداری فاسق کو اور امت کی راہنمائی رذیل کو ملنے لگے اور انسان کی عزت اس کی بدی کے خوف سے کی جانے لگے اور گانے والیوں اور باجوں کا ظہور ہو اور شرابیں پی جانے لگیں اور امت کے پچھلے اپنے اگلوں پر لعن طعن کرنے لگیں تو اس وقت منتظر رہو ہوائے سرخ کے اور زلزلوں کے اور زمین کے دھنسنے کے اور صورتوں کے مسخ ہوجانے کے اور پتھروں کے برسنے کے اور دوسری علامتوں کے جو پے درپے اس طرح ظاہر ہوں گی کہ جیسے ایک موتیوں کے ہار کا دھاگا ٹوٹ جائے اور پڑے ہوتے موتی ایک ایک کرکے جھڑنے لگیں۔

جس زمانہ کی آمد کی پیشگوئی حدیث بالا میں فرمائی گئی ہے کیا اس کے آنے کا انتظار ابھی باقی ہے؟ غنیمت کو دولت سمجھ لیا جائے اور امانت کو ذاتی مال اور زکوٰۃ کو باعث نقصان، کیا یہ آج نہیں ہو رہا ہے؟ علم کا مقصد دین نہ رہ جائے آج کے صاحب علم کی تحصیل دین کے لیے کر رہے ہیں؟ بڑی بڑی شاندار "اسلامی" درس گاہوں "قومی" کالجوں اور "مسلم" یونیورسٹیوں میں کہیں بھی علم کو دین و مذہب کے لیے پڑھا اور پڑھایا جارہا ہے؟ مرد اپنی بیوی کا فرمانبردار بن جائے اور ماں کا نافرمان آج صورتحال

کیا ہے؟ آزادیٔ نسواں، حقوقِ نسواں کا غلغلہ ہر زبان پر ہے لیکن کہیں بھی، طبقہ "نسواں" ——— میں بجز بیوی کے بہن اور ماں کا بھی، نام زبان پر نہ سہی، دل میں بھی آتا ہے؟ دوست کے قریب ہو جائیے اور باپ سے دور۔ اس وقت ہر طرف کیا ہو رہا ہے؟ دوستوں کے کلب یا آشناؤں کی سوسائٹیاں، یا باپ کی اطاعت و فرمانبرداری کا چرچا بھی کہیں سننے میں آتا ہے؟ مسجدوں میں آوازیں ظاہر ہونے لگیں، لڑائیاں مسجدوں میں ہوتی ہیں، بدزبانیاں مسجد میں، غیبتیں مسجد میں اور "لاؤڈ اسپیکر" بحر الصوت کے آلات مسجدوں میں نصب کیے جا رہے ہیں، جماعت کی سرداری فاسق کو اور امت کی راہنمائی رذیل کو ملنے لگے، موجودہ لیڈروں اور سرداروں کی فہرست پر ایک نظر کر جائیے۔ انسان کی عزت اس کی بدی کے خوف سے کی جانے لگے، آج جن کی تعظیم پر آپ اپنے تئیں مجبور پاتے ہیں کتنے ایسے ہیں جن کے اخلاق و سیرت کی عظمت آپ کے دل میں موجود ہے اور کتنے ایسے ہیں جن کی محض ایذا رسانی کے خوف سے آپ ان کی ظاہری تعظیم پر مجبور رہیں؟ گانے والیوں اور باجوں کا ظہور ہو، تھیٹر کی ایکٹرسوں سینما میں کام کرنے والیوں عصمت کی تجارت کرنے والیوں، اور گراموفون، ہارمونیم، پیانو، وائلن، کا آج مہذب دنیا میں جو مرتبہ ہے وہ کس سے مخفی ہے؟ شرابیں پی جانے لگیں، حال ظاہر ہے امت کے پچھلے اپنے اگلوں پر لعن طعن کرنے لگیں، مہذب دنیا کے نزدیک آج پرانے زمانوں والوں کی عقل و فہم کا کیا درجہ ہے؟ روشن خیال و تعلیم یافتہ مسلمان آج صحابہ و تابعین، ائمہ تفسیر و حدیث، فقہ و تصوف و

صالحین سلف کی بابت علانیہ کیا رائے ظاہر کر رہے ہیں؟

مغرب پرستی

عن انس ان رسول اللہ صلعم قال اول اشراط الساعۃ نار تحشر الناس من المشرق الی المغرب (صحیح بخاری)

انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ قیامت کی علامتوں میں سے پہلی چیز ایک آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی جانب ہنکا کر لے جائے گی۔

روایت صحیح بخاری کی ہے جس کی صحت میں کلام نہیں رسول برحق کی نگاہ کشفی کا ایک مشاہدہ بیان ہو رہا ہے کہ جب نظم کائنات کے زیر و زبر ہونے کا وقت قریب آنے لگے گا تو اس کی ایک ابتدائی علامت یہ ہو گی کہ ایک ایسی آگ لگے گی جو لوگوں کو مشرق سے ہنکا ہنکا کر مغرب کی جانب لے جائے گی۔ "آگ" جس لفظ "نار" کا ترجمہ کیا گیا ہے وہ مجازاً بہت سے معنی میں آتا ہے "نار الحرب" (آتش جنگ) "نار العداوۃ" (آتش عداوت) وغیرہ بھی شارحین حدیث نے یہاں سے فتنہ مراد لیا ہے اور اس آگ کو فتنہ کی آگ قرار دیا ہے قیل ارادنار الفتنۃ کفتنۃ الترک اس لحاظ سے مفہوم یہ ہو گا کہ قریب قیامت میں ایک فتنہ ایسا پیدا ہو گا جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف ہانک لے جائے گا۔

آپ کے کانوں نے یہ سنا آپ کی آنکھیں آج دیکھ رہی ہیں؟ مشرق

مشرق آپ کی آنکھوں کے سامنے کس تیزی اور کس قوت کے ساتھ مغرب کی جانب ہانکا جا رہا ہے، بیرسٹری کے لیئے' انڈین سروس کے لیئے، انڈین میڈیکل سول سروس کے لیئے۔ تعلیم کے لیئے اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگریوں کے لیے، قانون، انجینری، ڈاکٹری کے بڑے بڑے امتحانات کے لیے اونچے سے اونچے عہدوں اور منصوبوں کے لیے مقدمات کی آخری اپیل کے لیے' علاج کے لیئے تبدیل آب و ہوا کے لیے کاروبار کی ترقی کے لیے' سیر سیاحت کے لیے فرنگی زبانیں سیکھنے کے لیے' فرنگی علوم میں کمال حاصل کرنے کے لیے اور اکیلے فرنگی ہی نہیں بلکہ اب' تو مشرقی زبانوں اور اسلامی علوم میں سند تکمیل کے لیے اور خدا معلوم اور کس کس غرض اور مقصد کے لیے کن کن ناموں اور کن کن بہانوں سے' مشرق کی سرزمین سے ہر سال بے شمار انسان' برلن' پیرس' فرانکفرٹ واسٹر برگ کیمبرج اور آکسفورڈ' گلاسکو و اڈنبرا اور سب سے بڑھ کر لندن کھنچے چلے جا رہے ہیں' یورپ آنے کے لیے قرض لیں گے' یورپ میں رہ کر قرضدار رہیں گے یورپ سے واپس ہو کر قرضداری کو زندگی کا جزو بنائے رہیں گے یہ سب کچھ ہو گا لیکن شوق مغرب کی آگ کھینچ کھینچ کر اور گھسیٹ گھسیٹ کر لاتے گی' "عزت" کی طلب میں آئیں گے اور ذلیل ہو کر جائیں گے خوشحالی کی تلاش میں نکلیں گے اور مفلوک الحال ہو کر واپس ہوں گے۔ "آزادی" حاصل کرنا چاہیں گے اور غلامی کی دلدل میں اور زیادہ دھنس کر رہیں گے یہ سب سہی پر دل کی آگ بغیر یورپ کا سفر کیے چین نہ لینے دے گی!

یہ تو سفر مغرب کا مادّی پہلو ہوا باقی روحانی، اخلاقی اور ذہنی سفر جو مشرق کا مغرب کی جانب ہر لمحہ اور ہر آن ہو رہا ہے اس کی تھاہ کون پا سکتا ہے؟ عقیدے صرف وہی درست جو عقل فرنگ کے معیار کے مطابق ہوں، رسم و رواج وہی قابلِ قبول جو تہذیب فرنگ کو مسلّم ہوں عقل صرف وہی سلیم جو دانایانِ فرنگ کے دماغ میں سما سکے! "حشر" کا لفظ جو حدیث بالا میں آیا ہے اور جس کا ترجمہ "ہنکائے جانے" سے کیا گیا ہے اس کے مفہوم میں یہ داخل ہے کہ انسان اپنے گھر کو چھوڑ کر کہیں اور کو چلا جائے اور اس کا استعمال بجائے افراد کے جماعتوں، ٹولیوں اور گروہوں کے لیے ہوتا ہے آنکھ کھول کر دیکھیے کہ ہماری ٹولیوں کی ٹولیاں، گروہ کے گروہ، جماعتوں کی جماعتیں گرتی پڑتی، دوڑتی بھاگتی، مشرق سے مغرب کی جانب چلی جا رہی ہیں! اور چشمِ بصیرت سے کام لیجیے کہ رہنے سہنے کھانے پینے، اوڑھنے پہننے ہنسنے بولنے، چلنے پھرنے، علم و عمل، قول و فعل، عقل و اخلاق، ذہن و دماغ روح و جسم ہر اعتبار اور ہر معیار سے مشرق کس طرح مغرب کی جانب منتقل ہوا جا رہا ہے! قیامت کی ساعت اور نظم کائنات کے درہم برہم ہونے کی گھڑی یقیناً پاس آ لگی اور اس کی اہم و ابتدائی علامتیں جن کا مشاہدہ رسول کی دوربین نگاہوں کو تیرہ چودہ سو برس پیشتر کرا دیا گیا تھا اب صاف اور واضح طور پر ہم سب کے مشاہدہ میں لائی جا رہی ہیں!

اطاعت والدین

عن ابی امامۃ ان رجلاً قال یارسول اللہ ماحق الوالدین علی ولدیھما قال ھما جنتک ونارک (ابن ماجہ)

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا کہ والدین کا حق اپنی اولاد پر کس حد تک ہے؟ آپ نے فرمایا کہ والدین ہی اس کے لیے جنت اور دوزخ ہیں۔

عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلعم رضی الرب فی رضی الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ باپ کی خوشی میں پروردگار کی خوشی اور باپ کی ناخوشی میں پروردگار کی ناخوشی ہے۔

عن معاویۃ بن جاھمۃ ان جاھمۃ جاء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ اردت ان اغزو وقد جئت استشیرک فقال ھل لک من امٍ قال نعم قال فالزمھا فان الجنۃ عند رجلھا (نسائی)

حضرت معاویہ بن جاہمہ سے روایت ہے کہ جاہمہ نے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ میری خواہش جہاد کرنے کی ہے اور میں حضور سے مشورہ کرنے کو آیا ہوں آپ نے فرمایا تمہاری ماں ہیں؟ کہا ہاں فرمایا

بس تم انھیں کی خدمت میں لگے رہو کہ جنت ماں کے قدموں کے پاس ہے۔
یہ اسلام کی تعلیم تھی آج مسلموں کا عمل کیا ہے؟ جو اولاد نالائق نکل
جاتی ہے اس کا ذکر نہیں جو صاحبزادے سعید و صالح سمجھے جاتے ہیں سوال
ان کی بابت ہے نافرمانوں کو چھوڑیے فرمانبرداروں کے کارنامے کیا ہیں؟
حکم یہ ملا تھا کہ غزا و جہاد جیسے اہم و مقدس فریضہ تک کو ماں کی خدمت میں
ہیچ سمجھو، آج کتنے سعادت مند فرزند اپنے کھیل کو، ڈبیٹر، تفریح کلب اور
پارک کے معمولات کو والدہ کی خدمت گزاری کی خاطر ترک کر دینے پہ آمادہ ہیں؟
ارشاد یہ ہوا تھا کہ جنت ماں کے قدموں کے پاس ہے آج کتنے سعادتمندوں
کے نزدیک ماں کی اتنی وقعت بھی ہے جتنی کسی ساتھ کے کھیلے ہوئے
دوست کی ہوتی ہے؟ فرمایا یہ گیا تھا کہ باپ کی خوشی پروردگار کی خوشی
اور باپ کی ناخوشی پروردگار کی ناخوشی ہے، آج حاکم کی خوشی، افسر کی خوشی
دوستوں کی خوشی، بیوی کی خوشی، محلہ والوں کی خوشی، قوم کی خوشی، اپنے
نفس کی خوشی اولاد کی خوشی، ہر خوشی باپ کی خوشی سے افضل اور مقدم ہے!
ہدایت یہ کی گئی تھی کہ اولاد کی جنت اور دوزخ دونوں والدین ہی کے
ہاتھ میں ہے یہاں عمل یہ ہے کہ اور سب کی ناخوشی کا خیال رہے گا اور بے
پروائی صرف والدین ہی کی ناخوشی و ناگواری کی طرف سے رہے گی عالم غیب
والشہادہ کے رازداں کی نگاہ کشفی نے اس وقت کو بھی دیکھ لیا تھا کہ

اطاع الرجل امراتہ وعق امہ وادنی صدیقہ
واقصی اباہ۔

مرد اپنی بیوی کی فرمانبرداری کرے گا اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا اپنے دوست کے قریب ہوگا اور اپنے والد سے دور ہوگا۔ (ترمذی)

آج بیوی کی اطاعت کرنا، کمال تہذیب اور عین روشن خیالی، لیکن ماں کی اطاعت؟ اس تخیل ہی میں کتنی کھنگی، کتنی فرسودگی، کتنی دقیانوسیت ہے! دوستوں کی رفاقت عین جوان مردی و کمال شرافت، لیکن باپ کی خدمت؟ خودداری کے منافی، عزت نفس کی دشمن، توہین کسر شان کے مترادف! دوستو اور عزیزو! اس سے کس کو انکار ہے کہ جس اسکول یا کالج کے آپ پڑھے ہوتے ہیں اس کا آپ پر حق ہے، جس کمیٹی یا کلب کے آپ ممبر ہیں اس کا بھی حق مسلّم، شہر و وطن کے حق میں بھی مطلق شبہ نہیں۔ لیکن یہ سارے حقوق کیا مل کر والدین کے حق، ماں کے حق، باپ کے حق کے پاسنگ برابر بھی ہوتے ہیں؟ قوم کی خاطر آپ بڑی سے بڑی سختیاں جھیل لیتے ہیں "وطن" کے نام پہ آپ جیل خانہ کی ہتھکڑیاں پہننے کو آمادہ، کانگریس اور خلافت تنظیم و تبلیغ کے "والنٹیر" بن کر آپ ہر ادنیٰ سے ادنیٰ خدمت کے حریص، ندوہ اور جامعہ اور علی گڑھ کے لیے گھر گھر بھیک مانگنا آپ کے لیے باعث فخر، لیکن ارشاد ہو اور اخبار کے صفحہ پر نہیں، جلسہ کے پلیٹ فارم پر نہیں، دل کے کونے میں ارشاد ہو کہ ضعیف باپ اور ضعیفہ ماں کی خاطر ان قربانیوں کا کوئی حصہ بھی پیش کرنے کا اب تک اتفاق ہوا ہے؟

حصولِ علم کا مقصد

عن ابن عمر عن النبی صلعم قال من تعلّم علما لغیر اللہ اراد بہ غیر اللہ فلیتبوّأ مقعدہ من النار (ترمذی - ابواب العلم، ابن ماجہ)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جس نے علم کو حاصل کیا غیر خدا کے لیے یا جس نے علم کے ذریعے سے غیر خدا کی (رضا جوئی) کا ارادہ کیا تو اُسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ بھی دوزخ ہی میں تلاش کر رکھے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلعم من تعلم العلم لیباھی بہ العلماء ویماری بہ السفھاء ویصرف بہ وجوہ الناس الیہ ادخلہ اللہ جھنّم۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ جس نے علم اس غرض سے حاصل کیا کہ اہلِ علم کے درمیان فخر و عزّت حاصل کرے اور بے علموں کا ناطقہ بند کر دے اور لوگوں میں نام و نمود حاصل کرے اللہ اُسے داخل کرے گا جہنّم میں یہ دو حدیثیں صرف نمونہ کے طور پر نقل کر دی گئیں ورنہ اس مضمون کی احادیث بڑی کثرت سے صحاح و غیر صحاح میں مل سکتی ہیں ارشاد ہوتا ہے۔ کہ حصولِ علم کا مقصد رضائے حق اور تمام تر رضائے حق ہی رہنا چاہیے۔ آج یہ مقصد کن طالبان علم کا ہے؟ آج کون اس غرض سے علم حاصل کر رہا ہے؟ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ علم کو عالمانہ

توقیر و فضیلت کی غرض سے یا دنیوی جاہ و عزت کے لیے حاصل کرتے ہیں ان کا ٹھکانہ سواد دوزخ کے اور کہیں نہیں، آخرت کے سرکار کا، سب عالموں کے معلم کا، ارشاد یہ تھا، اُمت کے افراد کا، قوم و ملت کے طالب علموں کا عمل آج کسی درجہ میں بھی اس ارشاد کے مطابق ہے؟ آج اس پہ عمل کون کر رہا ہے؟ کیا وہ جو بی اے اور ایم اے کی ڈگری حاصل کر رہے ہیں؟ کیا وہ جو ڈاکٹری اور بیرسٹری کے ڈپلومے بڑھ بڑھ کر لے رہے ہیں؟ کیا وہ جو ڈاکٹری انجینیری اور صناعی کی سندوں کے واسطے ایک ایک سے جھگڑ رہے ہیں؟ کیا وہ جو ڈپٹی کلکٹری اور منصفی کو اپنی آرزوؤں کا مرکز بنائے ہوئے ہیں؟ کیا وہ جو ججی اور منسٹری کو اپنے حوصلوں کا منتہا قرار دیتے ہوتے ہیں؟ کیا وہ جو جرمنی اور فرانس جا جا کر "ریسرچ" کرتے ہیں؟ کیا وہ جن کے محققانہ مقالات ان کے لیے بڑے سے بڑے انعام و اعزاز حاصل کرلاتے ہیں؟

ہمارے تعلیمی اور علمی ادارے کسی حد تک بھی ارشاد نبوی کے تعمیل میں مصروف ہیں؟ ہمارے اسکول اور ہمارے کالج، ہماری درس گاہیں اور ہماری تربیت گاہیں" ہماری "مسلم" یونیورسٹی اور ہماری "جامعہ ملیہ" ہماری آل انڈیا تعلیمی کانفرنس اور ہماری صوبہ واری کانفرنسیں کوئی بھی اس ارشاد کو واجب العمل سمجھ رہا ہے؟ کسی نے اسے قابل التفات بھی سمجھا ہے؟ اگر آج اس ہدایت سراپا سعادت پہ عمل ہو، تو ہماری تعلیمی کانفرنسوں کی پرجوش تقریریں، ہنگامہ ساز رزولیوشن سازیوں "بصیرت افروز" خطبات صدارت اور ہمارے علمی اداروں کی ساری چہل پہل، رونق و گرم بازاری بزم آرائی

وزور آزمائی کا طلسم زریں کچھ بھی باقی رہ جاتا ہے؟

انکارِ حدیث

عن العرباض بن ساریہ قال قام رسول اللہ فقال ایحسب احدکم متکئاً علی اریکتہ یظن ان اللہ لم یحرم شیئاً الا ما فی ھذا القرآن الا وانی واللہ قد امرت ووعظت ونھیت عن اشیاء انھا کمثل القرآن او اکثر ھم (مشکوٰۃ بحوالہ ابی داؤد)

عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے خطبہ میں کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا کہ کیا گمان کرتا ہے تم میں سے ایک شخص اپنے پلنگ پر تکیہ لگائے ہوئے کہ اللہ نے اور کوئی چیز حرام ہی نہیں کی بجز ان چیزوں کے جو قرآن میں حرام کی گئی ہیں؟ آگاہ رہو کہ قسم خدا کی کہ میں نے حکم دیئے ہیں اور میں نے نصیحتیں کی ہیں اور میں نے روکا ہے بہت سی چیزوں سے کہ وہ بقدر قرآن ہی کے ہیں بلکہ اس سے بھی زائد۔

عن المقدام بن معدی کرب قال قال رسول اللہ الا انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ الا یوشک رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بھذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ وما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ وانما حرم رسول اللہ کما حرم اللہ (مشکوٰۃ بحوالہ ابو داؤد)

دارمی ابن ماجہ)

مقدام بن معدی کربؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلعم نے ارشاد فرمایا کہ خبردار رہو یقیناً مجھے قرآن بھی عطا ہوا ہے اور قرآن ہی کے مثل ایک اور چیز، خبردار رہو، عنقریب ایک شکم سیر اپنے چھپر کھٹ سے کہے گا کہ بس قرآن ہی کو پکڑے رہو، قرآن ہی کے حلال کیے ہوئے کو حلال اور قرآن ہی کے حرام کیے ہوئے کو حرام تسلیم کرو۔ حالانکہ اللہ کے رسول نے جو کچھ حرام کیا ہے وہ بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ کا حرام کیا ہوا۔

عن ابی رافع قال قال رسول اللہ صلعم لاالفین احدکم متکئا علی اریکتہ یاتیہ الامر من امری مما امرت بہ او نہیت عنہ فیقول لاادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعنا) (مشکوٰۃ بحوالہ احمد، ابوداؤد، ترمذی وغیرہا)

ابورافع کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا میں نہ پاؤں تم میں سے ایک شخص کو چھپر کھٹ پر تکیہ لگائے ہوئے کہ میرا کوئی حکم اس کو امر یا نہی سے پہنچے اور وہ کہنے لگے کہ میں تو اسے جانتا نہیں میں تو بس اسی کی پیروی کروں گا جو قرآن میں ہے!

انکارِ حدیث کا فتنہ جو آج نئے نئے ناموں سے برپا ہو رہا ہے اس کا روشن و واضح عکس آپ کو کاشانہ نبوت کے اس آئینہ میں نظر آرہا ہے یا نہیں؟ کتنے صاف و صریح الفاظ میں امت کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ امت ہی سے کچھ ایسے "سعادت مند" افراد اٹھ کھڑے ہوں گے جو کہیں گے کہ ہمارے

لیے بس تنہا قرآن کافی ہے اور جو حدیث کے ماننے سے کھلم کھلا انکار کرنے لگیں گے!" وضع حدیث" پر مضمون نگاری کے ساتھ ہی مضمون آفرینی بھی کریں گے اور کتب حدیث کے ضخیم دفتروں سے چند ایسی حدیثوں کو پیش کر کے جنھیں خود محدثین اپنے اصول نقد سے رد کر دانی کر چکے ہیں نتیجہ یہ نکالیں گے کہ عملاً کسی حدیث صحیح کا وجود ہی نہیں" شکم سیری" اور" چھپر کھٹ" پر تکیہ لگائے ہوئے" نشست" کے الفاظ سے جس ذہنیت کا نقشہ کھینچا گیا ہے، وہ اسی علم و عقل اسی تلاش حق سے بے پروائی، اسی خود بینی و خود پسندی کا ہے۔

امر بالمعروف

عن عدی بن عدی الکندی قال حدثنا مولی لنا انہ سمع عدی یقول سمعت رسول اللہ صلعم یقول ان اللہ تعالے لا یعذب العامۃ بعمل الخاصۃ حتی یرو المنکر بین ظہرانیہم وہم قادرون علی ان ینکروہ فلا ینکروا فاذا فعلوا ذلک عذب اللہ العامۃ والخاصۃ۔

عدی سے روایت ہے کہ... رسول اللہؐ نے فرمایا کہ خدائے تعالے ہرگز بعض گنہگاروں کی وجہ سے ساری قوم پر عذاب نہیں کرتا تا آنکہ عوام اپنے ساتھ گناہوں کو اپنے سامنے ہوتے دیکھیں اور پھر باوجود قدرت رکھنے کے ان گناہوں کو نہ روکیں جب قوم کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ (مشکوٰۃ

(كتاب الآداب۔ باب الامر بالمعروف)

عن جابر قال قال رسول اللہ صلعم اوحی اللہ عز وجل الی جبرئیل علیہ السلام ان اقلب مدینۃ کذا وکذا باھلھا فقال یارب ان بینھم عبدک فلانا لم یعصک طرفۃ عین قال فقال اقلبھا علیہ وعلیھم فان وجھہ لم یتمعر فی ساعۃ قط (ایضاً)

جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو وحی کی کہ فلاں شہر اور شہر والوں کو اُلٹ دے۔ جبرئیل نے عرض کی کہ اے پروردگار اس شہر میں تیرا فلاں بندہ بھی تو ہے جس نے ایک لحظہ بھی گناہ نہیں کیا ارشاد ہوا کہ نہیں اُلٹ دے شہر کو اس بندہ پر اور شہر والوں پر اس لیے کہ اس بندہ نے میری خاطر اور میرے دین کی خاطر کبھی بھی اپنا چہرہ ترش نہیں کیا۔

دونوں حدیثیں، رسول پاکؐ کی معتبر حدیثیں آپ نے پڑھ لیں، پہلی کا مضمون یہ ہے کہ جب کسی قوم میں مداہنت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ نیک کار، بدکاروں کو کھلے خزانے بدی میں مشغول رہنے دیتے ہیں اور انھیں روکتے ٹوکتے نہیں تو غضب خداوندی اُن بدوں کے ساتھ ان نیکوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور ان کی ذاتی نیکیاں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔

دوسری حدیث میں بغض فی اللہ کی تاکید ہے یعنی جب دین کی تحقیر ہوتے دیکھیں تو لازم ہے کہ ہم خود بھی اپنی بساط و طاقت کے موافق ناگواری

کا اظہار کریں یہ نہ ہو کہ ہم چپ چاپ اپنے عبادات و اوراد میں لگے رہیں اور برائی کو علی الاعلان پھیلتے اور پھولتے دیکھتے رہیں۔ اب ارشاد ہو کہ ہمارا اور آپ کا، ان احکام پر کہاں تک عمل ہے؟ دین کی توہین ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہی ہے، شعائرِ دین پر ٹھٹھے لگائے جارہے ہیں، عقائد کے ساتھ مضحکہ اور تمسخر جاری ہے، عبادتوں پر ہنسی ہو رہی ہے، ائمہ و صحابہ، بلکہ خود انبیاء کرام کے ساتھ کھلی کھلی بدتمیزیاں ہو رہی ہیں، حدیث کی تضحیک و تکذیب بے محابا کی جارہی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ پر (نعوذ باللہ) پھبتیاں کہی جارہی ہیں، آوازے کسے جارہے ہیں، اور ہم ہیں کہ خود خاموشی اور بے حسی کے ساتھ یہ سب کچھ دیکھنے اور سننے کو زندہ و سلامت موجود ہیں!

مجرم سے سلوک

عن عمر بن الخطاب ان رجلا علی عهد النبی صلعم کان اسمه عبد الله وکان یلقب حمارًا وکان یضحک رسول الله صلعم وکان رسول الله صلعم قد جلده فی الشراب فاتی به یومًا فامر به فجلد فقال رجل من القوم اللّٰهم العنه ما اکثر ما یوتی به فقال النبی لاتلعنوه فوالله ما علمت الا انه یحب الله ورسوله (صحیح بخاری)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور کے زمانے میں ایک صاحب

عبداللہ نامی تھے جنھیں لوگ حمار کہا کرتے تھے اور وہ حضورؐ کو ہنسایا کرتے تھے حضورؐ انھیں شراب نوشی کی علت میں کوڑوں کی سزائیں دے چکے تھے اس کے بعد ایک روز وہ پھر حضورؐ کے سامنے اسی جرم میں پیش ہوئے اس روز بھی حضورؐ کے حکم سے ان کے کوڑے پڑے اس پر ایک شخص بول اٹھے کہ خدا کی لعنت ہو اس پر کتنی دفعہ شراب پینے پر پٹ چکا ہے حضورؐ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ نہیں، اس پر لعنت نہ کرو خدا گواہ ہے کہ میں نے تو اسے اللہ و رسول سے محبت رکھنے والا ہی پایا ہے۔

یہ روایت حدیث کی معتبر ترین کتاب بخاری کی ہے دوسری روایات بھی اسی مفہوم کی اس تائید میں ملتی ہیں۔

اب ذرا غور ہو شراب کی حرمت کوئی اختلافی مسئلہ نہیں اتنا کھلا ہوا اور سنگین جرم اور وہ بھی پہلی دفعہ نہیں دوسری دفعہ کا بھی نہیں بار بار وہی جرم ہلکا سا ہلکا جرم بھی اصرار و تکرار کے بعد سخت ہو جاتا ہے۔ چہ جائیکہ وہ جرم جو پہلے ہی سے اتنا شدید تھا کہ ایک صحابی طبعاً غصہ میں آجاتے ہیں اور سزائے شرعی کے علاوہ مجرم پر لعنت بھی کر بیٹھتے ہیں، حضورؐ معاً اس سے روکتے ہیں لعنت کا مستحق ایسا کھلا ہوا اور عادی مجرم بھی نہیں! اتنا ہی نہیں بلکہ حضورؐ علانیہ و برملا اس کی محبت الٰہی و محبت رسول کی بھی شہادت دیتے ہیں! اللہ اکبر! اس وسعتِ قلب کا کوئی ٹھکانہ ہے! امام بخاری اپنی صحیح کی اسی کتاب الحدود میں، ذری ہی سا آگے بڑھ کر ایک اور باب باندھتے ہیں جس کا عنوان رکھتے ہیں، لعن سارق اذا لم یسم چور پر لعنت جب کہ اس کا نام نہ لیا جائے چوری کا

جرم جس درجہ کا ہے ظاہر ہے، اس پر چور کا نام لے کر اس پر لعنت کی اجازت نہیں، لعنت کی اجازت صرف اس صورت میں ہے جب اس کا نام مخفی رکھا جائے محض ایک مجمل و غیر معین صورت میں!

آپ کے رسولؐ کا یہ ارشاد ایسے جرائم کے مجرموں سے تھا جو بالکل واضح صریح منصوص ہیں جن میں اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہیں اب ہمارا اور آپ کا طرزِ عمل، اپنے ان "مجرموں" کے باب میں کیا ہے، جن کا جرم صرف یہ ہے کہ ان کا اجتہاد ہم سے مختلف، ان کی بصیرت ہم سے الگ ہے؟ اگر ہم طبقہ "احرار" میں داخل ہیں "نیشنلسٹ" ہیں، کانگریس میں شریک ہیں تو ہر وہ مسلمان جو کانگریس کا مخالف ہے ٹوڈی ہے، قوم فروش ہے، گورنمنٹ کا پٹھو ہے اس کی نماز اور روزہ سب اس کے لیے عبث و لاحاصل ہیں وہ قطعاً و حتماً انگریزوں کا رشوت خوار ہے اور کوئی توجیہہ کوئی تاویل، اس کے مخلص اور نیک نیت ہونے کے حق میں ہو ہی نہیں سکتی! اگر ہم کانگریس کے مخالف ہیں، مسلم کانفرنس کے ہمنوا ہیں، تحفظ حقوق مسلمین کے دعویدار ہیں تو ہر وہ مسلمان، جو کانگریس کا کسی حیثیت سے بھی ہمدرد و ہوا خواہ ہے، جو کھدر کی ٹوپی سر پہ پہنتا ہے، وہ قطعاً اور یقیناً ہندو پرست ہے، فرقہ گاندھوی میں شامل ہے، مشرکوں کا دوست و شریک ہے کوئی گفتگو اس کے حسن نیت اور اخلاص مندی کے باب میں سنی ہی نہیں جا سکتی۔

رمضان المبارک

هو شهر الصبر والصبر ثوابه الجنة وشهر المواساة شهر یزداد
رزق المومن فیه من فطر فیه صائماً کان مغفرۃ لذنوبه
وعتق رقبته من النار وکان له مثل اجرہ من غیر ان ینقص
من اجرہ شئ قالوا یا رسول اللہ لیس کلنا یجد ما یفطر الصائم
فقال رسول اللہ صلعم یعطی اللہ ھذا الثواب من فطر صائماً علی
تمرۃ او شربة ماءٍ او مذقة لبن وھو شھر اولہ رحمة و
اوسطہ مغفرۃ وآخرہ عتق من النار

یہ مہینہ صبر کا ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے اور یہ مہینہ لوگوں کے ساتھ غمخواری کرنے کا ہے اس مہینہ میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے جو شخص کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے اس کے لیے گناہوں کے معاف ہونے اور آگ سے خلاصی کا سبب ہوگا اور روزہ دار کے ثواب کے مانند اسکو ثواب ہوگا مگر اس روزہ دار کے ثواب سے کچھ کم نہیں کیا جائے گا صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم میں سے ہر شخص تو اتنی وسعت نہیں رکھتا کہ روزہ دار کو افطار کرائے تو آپ نے فرمایا کہ پیٹ بھر کھلانے پر موقوف نہیں، یہ ثواب تو اللہ جل شانہٗ ایک کھجور سے کوئی افطار کرا دے یا ایک گھونٹ پانی پلا دے یا ایک گھونٹ لسی پلا دے اس پر بھی مرحمت فرما دیتے ہیں یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کا اوّل حصہ اللہ کی رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آگ سے

آزادی۔ یہ ارشاد رسولؐ کا ہوا۔

نبیِ اکرم صلعم نے اس مہینہ کی کچھ خصوصیتیں اور آداب ارشاد فرماتے۔ اوّلاً یہ کہ صبر کا مہینہ ہے یعنی اگر روزہ وغیرہ میں کچھ تکلیف ہو تو اُسے ذوق وشوق سے برداشت کرنا چاہیے یہ نہیں کہ مار دھاڑ، ہول پکار، جیسا کہ اکثر لوگوں کو گرمی کے رمضان میں عادت ہوتی ہے اسی طرح اگر اتفاق سے سحر نہ کھائی گئی تو صبح ہی سے روزے کا سوگ شروع ہو گیا اسی طرح رات کی تراویح میں اگر دقت ہو تو اس کو بڑی بشاشت سے برداشت کرنا چاہیئے اس کو مصیبت و آفت نہ سمجھیں پھر ارشاد ہے کہ یہ غمخواری کا مہینہ ہے یعنی غرباء، مساکین کے ساتھ مدارات کا برتاؤ اگر دس چیزیں اپنے افطار کے لیے تیار کی ہیں تو دو چار غرباء کے لیے بھی کم از کم ہونی چاہئیں ورنہ اصل تو یہ تھا کہ ان کے لیے اپنے سے افضل نہ ہوتا تو مساوات ہی ہوتی غرض جس چیز کی بھی ہمت ہو سکے اپنے افطار و سحر کے کھانے میں غرباء کا حصّہ ضرور لگانا چاہیے۔ افطار کرانے کی فضیلت ارشاد فرمانے کے بعد فرمایا ہے کہ اس مہینے کا اوّل حصّہ رحمت ہے یعنی حق تعالےٰ شانہٗ کا انعام متوجہ ہوتا ہے اور یہ رحمت عامہ سب مسلمانوں کے لیئے ہوتی ہے اس کے بعد جو لوگ اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں ان کے لیئے اس رحمت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کے درمیانی حصّہ سے مغفرت شروع ہو جاتی ہے اس لیئے کہ روزوں کا کچھ حصّہ گزر چکا ہے اس کا معاوضہ اور اکرام مغفرت کے ساتھ شروع ہو جاتا ہے اور آخری حصّہ تو بالکل آگ ہی سے خلاصی ہے ہی ..... بندۂ ناچیز کے خیال میں آدمی تین طرح کے

ہیں ایک وہ لوگ جن کے اوپر گناہوں کا بوجھ نہیں ان کے لیے شروع ہی سے رحمت و اکرام کی بارش ہو جاتی ہے دوسرے وہ لوگ جو معمولی گناہ گار ہیں ان کے لیے کچھ حصہ روزہ رکھنے کے بعد ان روزوں کی برکت اور بدلے میں مغفرت اور گناہوں کی معافی ہوتی ہے تیسرے وہ جو زیادہ گناہ گار ہیں ان کے لیے زیادہ حصہ روزہ رکھنے کے بعد!

. . . .

. . . .

. . . .

. . . . آگ سے خلاصی ہوتی ہے اور جن لوگوں کے لیے ابتداء ہی سے رحمت تھی ان کا تو پوچھنا ہی کیا یہ ارشادات ایک شارح حدیث کے تھے حدیث اور شرح حدیث دونوں آپ نے سُن لیں ؟ جس ماہ مبارک کی بابت یہ بشارتیں ہیں وہ اب شروع ہو چکا۔ کیا آپ بڑھ بڑھ کر رحمتوں اور برکتوں کی اس لوٹ میں حصہ نہ لیں گے ؟ جو ان مبارک گھڑیوں کو پا کر انھیں غفلت میں گنوا دے اس کی محرومی اور کم نصیبی میں کیا شبہ رہ سکتا ہے ؟ مبارک ہیں وہ جو اس مبارک مہینہ سے پورا فیض اٹھائیں خوش نصیب ہیں وہ جو خوش نصیبوں کے یہ شب و روز ضائع نہ جانے دیں۔

رحمتوں کا مہینہ

ھو شھر اولہ رحمۃ واوسطہ مغفرۃ و اٰخرہ عتق من

النار (حدیث نبوی) یہ وہ ماہ مبارک ہے جس کا ابتدائی حصہ اللہ کی رحمت ہے درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آگ سے آزادی ہے۔ مبارک مہینہ ختم ہونے کو آیا عشرہ اول رحمت کے لیے مخصوص تھا آپ کے حصہ میں اس دولت میں سے کتنا آیا؟ عشرہ دوم میں مغفرت ہی مغفرت تھی آپ نے اس خزانہ سے کتنا کمایا؟ عشرہ سوم میں آگ سے آزادی اور عذاب سے نجات ہی نجات ہے آپ اس حصہ کا استقبال کیوں کر کر رہے ہیں! اس کے انعام اور بخششوں سے کس حد تک فائدہ اٹھا رہے ہیں؟ اس لٹتی ہوئی دولت کو آپ کہاں تک سمیٹ رہے ہیں؟ دن نکلتا ہے آفتاب چمکتا اور روشنی پھیلتی ہے مگر کن کے لیے؟ ان کے لیے جو آنکھیں رکھتے ہیں اور آنکھوں سے کام لیتے ہیں جو گھر کے کونے میں چھپ کر اپنی آنکھیں کس کر بند کرے اس کے لیے دوپہر کی کڑی دھوپ اور رات کا اندھیرا گھپ دونوں برابر ہیں! رمضان آتا ہے، مگر کن کے لیے؟ ان کے لیے جو اس کی طرف بڑھیں لپکیں، دوڑیں اور قدم اٹھائیں۔ رمضان کی آمد کے وقت اگر خدانخواستہ آپ نے نہیں سوچا تو اب خدا کے واسطے اس کے چلتے چلاتے تو سوچ لیا جائے! دو چار راتیں یا دو چار دن بھی اگر اس پاک و پاکیزہ مہینہ کے واقعۃً مل جائیں تو بھی بہت غنیمت ہے۔

قال ان جبرئیل عرض لی فقال بعد من ادرك رمضان فلم یغفر لہ، قلت آمین (حدیث)

حضور نے فرمایا جبرئیل میرے سامنے آتے ہوئے بیٹھے اور انھوں نے

کہا ہلاکت ہو اس شخص پر جس نے رمضان کا مہینہ مبارک پایا اور پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی میں نے اس دعا پر کہا آمین۔

وعدے آپ اوپر سُن چکے تھے اب وعید بھی سُن لی؟ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اس سے بڑھ کر بدنصیبی اور محرومی اور کیا ہو سکتی ہے آفتاب ٹھیک دوپہر کو تیزی سے چمک رہا ہے اور ہم اپنے کو اندھا بنائے ہوتے ہیں! کھیت عین دریا کے کنارے واقع ہیں اور ہم نے پانی دینے کی قسم کھا رکھی ہے حرمان اور خسران جو کچھ بھی ہمارے حصہ میں آئے کم ہے آپ فرمائیں، کہ ان بیش بہا گھڑیوں سے آپ نے کہاں تک فائدہ اٹھایا؟ توبہ و استغفار کے ان نادر موقعوں سے آپ نے کتنا کام لیا؟ راتوں کے کتنے گھنٹے بجائے بستر کے مصلے پر گزارے؟ اپنے گناہوں کو کتنی بار یاد کیا؟ کتنی بار انھیں یاد کر کر کے آنکھیں نہ سہی دل رویا؟ چھوٹے ہوئے فرائض کے کفارہ کی کیا کیا تدبیریں اختیار کیں؟ بندوں کے جو حقوق اپنے ذمہ واجب رہ گئے ان کی تلافی کی کیا کیا صورتیں سوچیں؟ ان صورتوں پر عمل کہاں تک کیا؟ کتنے روٹھے ہوؤں کو منایا؟ کتنے اپنے توڑے ہوئے دلوں کو جوڑا؟ کتنے اپنے ستاتے ہوؤں کی دلدہی کی؟ کتنوں کو معاف کیا، کتنوں سے خود معافی چاہی؟ زبان کو کن کن موقعوں پر غیبت سے، دل آزاری سے، جھوٹ سے روکا؟ کلام مجید کی کتنی دیر تلاوت کر کر کے اپنے رب سے ہمکلامی کا لطف حاصل کیا، ماں باپ کے بزرگوں کے، ہمسایوں کے، دوستوں کے، برابری کے، محلے کے، بستی والوں کے قوم کے، کس کس کے حقوق کی ادائی پر توجہ فرمائی گئی؟ کتنے پچھلے قرضے ادا

کی نوبت آتی ہے، یہ چند دن اور چند راتیں جو باقی رہ گئی ہیں سال بھر کے بہترین دن اور بہترین راتیں ہیں آیندہ سال دیکھیے کس کس کو نصیب ہوں اور کس کس کو نہ ہوں، شب قدر کے برتر از وہم وگمان فضائل پر خود قرآن مجید ناطق ہے، وہ اسی آخری عشرہ میں ہے اس کی تلاش سے کوئی شب اب خالی نہ گزرنی چاہیے للہ اپنی خیر خواہی میں اپنے اوقات کی حفاظت کیجیے اور للہ ان اوقات خاص میں اس تباہ کار و نامہ سیاہ بے عمل کو نہ بھول جائیے گا جو دوسروں کو یہ سب کچھ سُنا رہا ہے اور خود کبھی عمل کے قریب بھی ہو کر نہیں گزرتا مرض ظاہری ہو یا باطنی جب حد سے گزر جاتا ہے تو دوسروں کی دعاؤں ہی کا سہارا رہ جاتا ہے بس۔

عہدہ داروں کی ذمہ داریاں

عن ابی ھریرۃؓ عن النبی صلعم قال من جعل قاضیاً بین الناس فقد ذبح بغیر سکین (ترمذی ابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں پر قاضی (حاکم) بنایا گیا، وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔

قاضی (مجسٹریٹ اور جج) کا عہدہ اسلامی حکومت میں ایک اعلیٰ عہدہ ہے اسی منصب کی ذمہ داریوں کا گویا پورا نقشہ زبان نبوت نے ان مختصر، جامع و بلیغ لفظوں میں کھینچ کر دکھا دیا ہے اس کے پیش نظر ہو جانے کے بعد کسی صاحب ایمان کو اس کی ہوس باقی رہے گی ؟ کوئی رسول کی بات پر یقین رکھنے والا اب

اس کی جانب از خود لیکے گا؟ شارحین کہتے ہیں کہ معناہ التحذیر من طلب القضاء والحرص علیہ اس سے مقصود لوگوں کو عہدۂ قضا کی حرص اور طلب سے روکنا ہے ایک دوسری حدیث میں مضمون اس سے بھی زیادہ صاف اور واضح ہے۔

عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلعم من سال القضاء وکل علی نفسہ ومن جبر علیہ نزل الیہ ملک یسددہ - ایضاً)

حضرت انس بن مالک رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص عہدۂ قضا خود طلب کر کے لیتا ہے وہ بس اپنے ہی اوپر چھوڑ دیا جاتا ہے اس کی امداد واعانت کے لیے ایک فرشتہ نازل کر دیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بڑے پایہ کے صحابی تھے احتیاط و خشیت میں ممتاز و مشہور، حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ میں انھیں قاضی مقرر کرنا چاہا صاف معذرت کر دی اور کہا کہ امیرالمومنین میرے اوپر رحم فرمایئے اور اس خدمت سے مجھے معاف ہی رکھیے۔ حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت ابو دردأؓ سے متعلق بھی عہدۂ قضا سے ایسا ہی منقول ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کا درجہ کمال احتیاط و تقویٰ کے لحاظ سے پھر بہت اونچا تھا صدیوں بعد کے فقہا کو لیجیے ان کے ہاں بھی تصریحات موجود ہیں کہ قاضی ایسے شخص کو بنایا جائے جو عہدۂ قضا کی خواہش نہ دل میں رکھتا ہو اور نہ زبان سے اس عہدہ کی طلب کرے۔ الا یطلب القضاء بقلبہ لا بسئلہ بلسانہ (در مختار) و لا ینبغی ان یطلب الا ولایۃ ولا یسالھا (ھدایہ فتح القدیر وغیرھا)

نہ چاہیئے کہ عہدہ کی خواہش کرے اور اس کے لیے درخواست کرے۔

فقہ کا تعلق اصلاح باطن سے نہیں محض احکام ظاہر سے ہے مگر یہ "خشک" فقہا تک لکھ گئے ہیں کہ عہدہ کے لیئے سعی وطلب، دوڑ دھوپ کرنا سفارشیں اٹھوانا، درخواستیں دینا، الحاح و زاری کرنا، اپنے حقوق پیش کرنا جائز نہیں! اہلِ باطن کا تو ذکر ہی نہ کیجئے۔

ایک عالم یہ تھا خیالی نہیں، عملی، لفظی نہیں تجربی، موہوم نہیں موجود فی الخارج، فقیہوں کے سرور سرتاج ابوحنیفہؒ کو بادشاہ اسلام بلا کر قضاتِ اعلیٰ کا عہدہ سپرد کر رہا ہے وہ انکار کرتے ہیں، بادشاہ انکار سے ناراض ہو جاتا ہے، سختیاں کرتا ہے، قید خانہ میں ڈلوا دیتا ہے یہ سب گوارا، پر اس ذمہ داری کا اٹھانا گوارا نہیں! ایک عالم یہ تھا، ایک دنیا آج کی ہے، ہماری آپ کی ہے، لندن اور پیرس کی ہے، برلن اور ویانا کی ہے! کوئی ایک عہدہ خالی ہو تو اس پر سینکڑوں مل کر ٹوٹ پڑیئے! اپنی "قابلیت" اور اپنے "کارنامے" اپنی زبان سے خوب بڑھا چڑھا کر پیش کیجئے، اپنے مناقب کی قصیدہ خوانی خود کیجئے اسمبلی میں، کونسل میں، میونسپل بورڈ میں، ڈسٹرکٹ بورڈ میں، کوئی جگہ خالی ہو، تو اپنے حق میں اعلان چھاپیئے، "مینفسٹو" شائع کیجئے، لکچر دیجئے، "کمترین" اور "خاکسار" خدانخواستہ آپ کیوں ہونے لگے یہ ہوں گے آپ کے دشمن آپ تو ماشاءاللہ خود اپنے ممدوح، خود اپنے قدرداں، خود اپنے قصیدہ خواں اور بڑے سے بڑے منصب بڑے سے بڑے مرتبے، بڑی سی بڑی جاہ کے مستحق ہیں! ان دونوں عالموں میں کوئی مناسبت ہے؟

وطن کی محبّت

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلعم لمکۃ ما اطیبک بلدٍ واحبک الی ولولا ان قومی اخرجونی منک ما سکنت غیرک

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ (مکہ سے ہجرت کے وقت) رسول اللہؐ نے مکہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تو کتنا پاکیزہ اور مجھے کتنا پیارا شہر ہے! اگر میری قوم نے مجھے نکلنے پر مجبور نہ کر دیا ہوتا تو میں تجھے چھوڑ کہیں اور جا کر (ہرگز) نہ بستا۔

یہ روایت جامع ترمذی کی ہے زرقانی وغیرہ سیر کی کتابوں میں بھی اسی مضمون کی روایات ہیں، زبان مبارک سے مکہ کی محبت ومحبوبیت کے یہ الفاظ کس وقت صادر ہوتے تھے؟ ہجرت کے وقت، وہ وقت کون سا تھا؟ وہ وقت تھا جب مکہ والوں کا عناد وتمرد اپنے انتہائی بلند نقطہ پر تھا۔ ابوجہل وابولہب جیسے خدا دشمنوں کا دور دورہ تھا اور ایمان کا کلمہ منہ سے نکالنا اپنے کو ہلاکت میں ڈال دینا تھا جو سرزمین اس خاص وقت میں اس قدر گندہ وناپاک ہو رہی تھی اُسے پاک ترین انسان کی زبان، اطیب واحب، بڑی ہی پاکیزہ چیز اور بڑی ہی پیاری فرما رہی ہے ایہ وطن کی طبعی محبت نہ تھی تو اور کیا تھی؟ جو مسلمان حبِ وطن کو حقیر سمجھ رہے ہیں وہ اس واقعہ پر غور کریں وطن اور سرزمین کی محبت، ماں باپ کی محبت، بھائی بہن کی محبت کی طرح طبعی وفطری ہے اور مذاق انبیاء واولیاء میں رچی ہوئی، وطن سے محبت

یوسف علیہ السلام کو تھی، خاتم النبیین کو تھی، صحابۂ رسول کو تھی، مدینہ آکر مکہ کی یاد مدتوں حضرات صحابہ کو تڑپاتی رہی۔

لیکن وطن دوستی کی اس فضیلت کے باوجود شریعت کا سبق وطن پرستی کا نہیں وطن لاکھ عزیز ہو محبوب ہو، جب دین و وطن میں اگر تصادم ہو جائے ایک طرف مصالح وطنی ہوں، دوسری طرف مصالح دینی اور دونوں میں جمع کی کوئی صورت نہ رہے تو رعایت صرف مصالح دینی کی کرنی چاہیے اور وطنیت کو دل پر جبر کرکے سہی ذبح کرکے رکھ دینا چاہیے وطن کے اوپر تو اس صورت میں جہاد کرنا چڑھائی کرنا وطن والوں سے قتال کرنا لوٹنا مارنا جلا دینا سب جائز اور بعض صورتوں میں واجب ہو جاتا ہے دین کی خاطر کلمۃ اللہ کی سربلندی کی خاطر بے شمار صحابہ وطن کو چھوڑ کر حبشہ گئے۔ مدینہ گئے، انبیاء نے وطن کو چھوڑا، وطن سے ہجرت کی، وطن والوں سے قتال کیا۔ مارا، کاٹا، خاک و خون میں لٹایا وطن کی عورتوں کو بیوہ وطن کے بچوں کو یتیم کیا، محض اس لئے کہ دینِ الٰہی پھیلے اور وطن والوں کی خبیث عادتیں چھوٹیں۔ اس بڑے مقصد کے سامنے یہ چھوٹے چھوٹے چھوٹے مقاصد چیز ہی کیا ہیں؟

یورپ غریب اگر وطنیت کے بت کی پوجا کر رہا ہے تو معذور ہے اس کے پاس زر و زمین سے بلند تر چیز ہی کون سی ہے، ہندو اگر اپنی "ہندیت" پر قانع ہیں تو وہ بھی ایک حد تک معذور ہیں ان بے چاروں کے سامنے اس سے بلند تر وسیع تر مقصد ہی کون سا ہے۔ لیکن یہ ہماری کون سی شامت ہے کہ کہیں زیادہ بلند و برتر مقاصد رکھ رکھا کر بھی ہم انھیں پست نظر قوموں کی

پیروی پر گرے جا رہے ہیں! ہمارا فرض تو انھیں پستول سے نکال کر بلندیوں پر لانا تھا نہ یہ کہ اُلٹے ہم خود ہی ان کی پستیوں پر اُترے آ رہے ہیں وطن کی مٹی سے محبت نو جانوروں تک کو ہوتی ہے بلی کو ہوتی ہے کتے کو ہوتی ہے یہ طبعی محبت ہے، طبعیت کے موافق ہے لیکن مقاصد کے ساتھ، محبت ایک عقلی محبت ہے مخصوص بشری امتیاز کی چیز ہے اور عقلی محبت طبعی محبت سے وہی نسبت رکھتی ہے جو آسمان کو زمین کے ساتھ ہے ہجرت کا لب لباب کیا ہے؟ رضائے الٰہی کے لئے ترکِ وطن و علائقِ وطن۔ اور ہجرت کے فضائل کس مسلمان کے کان میں نہیں پڑے ہیں۔؟

موسیقی اور اسلام

موسیقی، یونان میں نصاب تعلیم کا ایک اہم جزو تھی، (گروٹ کی ہسٹری آف گریس" جلد ۸ صفحہ ۱۱۳) کوئی تعلیم مکمل نہ سمجھی جاتی، جب تک موسیقی نہ آجاتی۔

"فلاسفہ موسیقی کو اس کے قدیم و وسیع معنی، نیز جدید و محدود معنی میں، دونوں طرح تربیت سیرت کا ایک خاص تعلیمی عنصر قرار دیتے تھے"۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد ۱۶ صفحہ ۲) اور

موسیقی کے اس شرف و منزلت کو تنہا یونان ہی تک کیوں محدود رکھیے مصر میں بابل میں، ہندوستان میں، کس قدیم تہذیب، اور کس جاہلی تمدن میں گانے بجانے کا مرتبہ ہیٹا، اور راگ مالا کا مقام نیچا رہا ہے؟ کہاں گانے کو جزوِ عبادت نہیں سمجھا گیا ہے؟ کہاں بڑے بڑھا کر موسیقی کا سرا، دیویوں، دیوتاؤں کے بول

نہیں ملا دیا گیا ہے؟ کہاں گانے والوں میں روحانیت کے اور گانے والیوں میں "تقدس" کے جلوے نہیں دیکھے گئے ہیں؟ "مطربہ" اور "مغنیہ" کے اعزاز اور مرتبہ سے چینی، یونانی، مصری، ہندی، رومی تمدنوں میں سے کون سا تمدن نا آشنا ہے؟ دنیا اسی روش پر چلی جا رہی تھی، کہ تقویم مسیحی کی ساتویں کی ابتدا تھی۔ عرب کی سرزمین پر ایک معلم نمودار ہوا دنیا جہان کے اگلے اور پچھلے معلموں سے بڑھ کر تعلیم لگانے والا۔ اس کی نگاہ دقیقہ رس بدی اور بدحالی، تباہی اور بربادی کی وہ ساری باریک سی باریک اور خفی سے خفی راہیں روشن ہو گئیں جو چین اور یونان مصر اور ہندوستان کے بڑے سے بڑے حکیموں اور داناؤں کی نظر سے مخفی رہ گئی تھیں اس نے ان سب ناقص ہادیوں کو چیلنج دے کر بے دھڑک اور بے جھجک اعلان کر دیا کہ الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء البقل کہ راگ گانا جزو تربیت اور ذریعۂ خداشناسی ہونا الگ رہا، اُلٹا روحانی نشو و نما کے حق میں مضر ہے قلب کے اندر نفاق کو (عدم خلوص کو) اس طرح اُگا دیتا ہے جس طرح پانی ترکاری سبزی کو اُگاتا ہے اور اس قول کے ساتھ عمل یہ تھا، کہ جب راستہ گلی میں باجے کی آواز کان میں پڑ جاتی تو وہ ہر قوم و ملت کا ہادی یہ کرتا کہ (فوضع اصبعیہ علی اذنیہ ونادی عن الطریق) اپنے کانوں پر انگلی رکھ لیتا اور اس راستے ہی سے ہٹ جاتا۔

دنیا کے تکدوں میں جس طرح توحید کی آواز نئی اور نرالی سمجھی گئی اور آج تک مہذب و متمدن دنیا کی سمجھ میں اس قدر خشک اور کھری توحید

نہیں آرہی ہے، اسی طرح بے عقل عقلمندوں کو اس دائمی اور ابدی قانون کے ایک ایک جزئیہ سے بغاوت کرنے ہی میں اپنی تہذیب اور اپنے تمدن کی ترقی دکھائی دے رہی ہے اور جوں جوں تہذیب جاہلی کا رعب دلوں پر مسلط ہوتا جاتا ہے گانے بجانے کی بھی قدر و منزلت بڑھتی ہی جارہی ہے اور کانفرنسوں، صدارتی ایڈرسوں، لکچروں کے ذریعہ سے تبلیغ پر تبلیغ ہو رہی ہے کہ گانا بہترین دماغی تعلیم ہے، بہترین روحانی تربیت ہے! آج اس صوبہ میں میوزک کالج کھلا، کل اس شہر میں میوزک اکاڈمی قائم ہوئی، آج فلاں یونیورسٹی نے اپنی سرپرستی میں میوزک کانفرنس کا اجلاس کیا۔ اور کل فلاں فلاں صوبہ کے بورڈ نے موسیقی کو مثل عربی فارسی، سنسکرت، سائنس کے ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کے امتحانوں میں بطور اختیاری مضمون کے جگہ دے دی آج مس فلاں کو گانے پر انعام اس جلسہ میں ملا اور کل کماری فلاں کی تصویر بحیثیت بہترین باجا بجانے والی کے اس مشہور و معزز انگریزی روزنامہ میں نکلی! تہذیب جاہلی لوٹ رہی ہے اور جب وہ لوٹے گی، اپنے ہارمونیم اور وایلن کے ساتھ، طبلہ اور سارنگی کے ساتھ، ستار اور پکھاوج کے ساتھ، سازندوں کے عروج و اقبال کے ساتھ، گویّوں کے دور دورہ کے ساتھ ہی واپس آئے گی! رنج اس پر جتنا چاہیے کر لیجئے لیکن حیرت کا قطعاً کوئی محل نہیں۔

بھوک ہڑتال

صحیح مسلم و جامع ترمذی، حدیث نبوی کی مشہور ترین، مستند ترین

کتابوں میں سے ہیں ۔ دونوں کی روایت ہے کہ عرب کے مشہور جنرل اور رسولؐ کے مشہور صحابی سعد ابن ابی وقاصؓ جب اپنی کم سنی میں اور رسولِ برحق کی شروع رسالت ہی میں ایمان لے آئے تو ان کی والدہ بہت بگڑیں ۔ حلفت ام سعد ان لا تکلمہ ابداً حتی یکفر بدینہ) اور اسی حالت میں قسم کھا بیٹھیں کہ میں ہرگز تو تجھ سے بولوں چالوں گی نہیں جب تک تو اپنے اس نئے ترالے دین سے دست بردار نہ ہو جائے گا اور بولنا چالنا کیسا اس وقت تک نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی، دانہ پانی سب حرام (ولا تاکل ولا تشرب)

اور کہا تیرے اس نئے دین میں تیرے ہی قول کے بموجب تیرے

قالت زعمت ان اللہ وصاک بوالدیك وانا اُمك وآنا آمرک بھذا) خدا نے تجھے والدین سے حسنِ سلوک کا، ان کی اطاعت کا حکم نہیں دے رکھا ہے؟ پھر میں آخر تیری ماں ہوں یا نہیں میں ماں ہو کر تجھے حکم دیتی ہوں اس نئے دین کے ترک کا ! دھمکی محض دھمکی نہ تھی عمل شروع ہوا (فمکثت ثلاثاً) تین لمبے لمبے دن اور تین لمبی لمبی راتیں گزر گئیں اور ضعیفہ کے لب و دہن غذا کے دانے اور پانی کے قطرہ سے آشنا نہ ہوتے یہاں تک کہ فاقہ کشی کی شدت سے غشی شروع ہو گئی (حتی غشی علیہا من الجہد) اور دین قدیم کو جان اور اولاد سے زیادہ عزیز رکھنے والی ماں بے ہوش ہو گئی ۔

سعدؓ کو اب بھی رحم نہ آیا فقام لھا ابن یقال لھا عمارۃ فسقاھا فجعل یدعو اعلی سعد) ایک اور بھائی عمارہ نامی تھے ان کا دل پسیجا انھوں نے کسی طرح قسم تڑوائی پانی حلق سے اتارا ہوش آیا، ماں نے سعد کو

کردیا، منتوں خوشامدوں، نازبرداریوں کی جگہ اب زبان پہ بددعائیں تھیں محدثین کہتے ہیں کہ دیکھنا، ۱۸، ۱۹ سال کے نوجوان کی اس قوتِ ایمانی کو اور انہیں سعدؓ کے مناقب وفضائل کی فہرست کا ایک نیا مضمون مل گیا مفسرین کہتے ہیں کہ حدود متعین ہوگئے اس سے والدین کی اطاعت کے اور قرآن پاک کی متعدد آیتوں کی شانِ نزول کا سراغ لگ گیا۔ محدثین اور مفسرین دونوں کے استنباطات اور ارشادات اپنی اپنی جگہ پہ بجا لیکن ان سب سے بھی بڑھ کر ایسی ہی واضح وصریح، تاریخ بھی تو ہاتھ آگئی "بھوک ہڑتال" کی اسیاسیاتِ جاہلیتِ جدید کے اسلحہ خانہ کے سب سے بے پناہ حربۂ ہنگر اسٹرائک" کی! تہذیبِ جدید میں ہمت دیے خوفی، جرأت وسرفروشی پر آخری لقط!

سنہ ۱۹۳۰ء میں آئرلینڈ میں بھوک ہڑتال سے جان دینے والے میکسوینی کو ابھی چند ہی سال ہوتے ہیں، اقدام خودکشی کرنے والی، موت کے دروازے تک پہنچ جانے والی اپنے عہد کی اس "روشن خیال" وحیا ناز خاتون کو صدیاں گزر چکیں، عجب نہیں کہ حسابِ شمسی سے تیرہ سو میں سال ہوتے ہوں اور حسابِ قمری سے اس سے بھی زائد۔ ظلم ہے کہ ظلم کہ اپنے ملک کے "شہیدانِ راہ حریت" کے ذوقِ شہادت" کی عمر کا دامن جاہلیتِ جدید سے باندھے رہیے۔ اور اس زلفِ دراز کا سرا جاہلیت قدیم کی "روشن خیال" خاتون سے نہ ملائیے! دنیا میں بھوک ہڑتال کی نظیر قائم کرجانے والی سب سے پہلی ہستی اور پھر وہ بھی عورت ذات! یہ دوہری دوہری فضیلتیں، اللہ اکبر!

عورت سے مصافحہ

قال معمر فاخبرنی ابن طاؤس عن ابیہ قال ما مست ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ید امراۃ الا امراۃ یملکھا (جامع ترمذی۔ کتاب التفسیر)

جامع ترمذی، حدیث کی مشہور و مستند کتابوں میں سے ہے اس میں معمر روایت کرتے ہیں ابن طاؤس سے، کہ رسول اللہ صلعم نے کبھی زندگی بھر کسی عورت کے ہاتھ کو مس کیا ہی نہیں، بجز اپنی بیوی صاحبوں کے۔

راوی نے امراۃ یملکھا (بجز اس عورت کے جو آپ کے ملک میں تھی) کہہ کر عالم انسانیت کی جو ناقابل برداشت توہین کردی ہے اس سے قطع نظر اصل روایت کو تو دیکھیے وہ جو سارے عالم کا مصلح ہے، مردوں سے آخر برابر مصافحہ کیا ہی کرتا ہے، غیر عورت سے کبھی زندگی بھر مصافحہ کیا ہی نہیں! ٹرکی اور مصر کی اور خود ہندوستان کی "روشن خیال" خواتین اگر (نعوذ باللہ) ایسے خشک مزاج سردار کو چھوڑ کر بیسویں صدی کے "لازوال سراغ" کی طرف رخ نہ کریں تو آخر بے چاریاں کیا کریں۔

--- ... --- ... ---

اور آگے چلیے۔ ترمذی سے بھی بڑھ کر معتبر بخاری میں حضرت بی بی عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

قالت عائشۃ فمن اقر بھذا الشرط من المومنات

قال لها رسول اللّٰہ قد بایعتک کلاماً۔ الا واللّٰہ ما مست یدہ امرأۃ قط فی المبایعۃ ما بایعھن الا بقولہ قد بایعتک علیٰ ذالک (بخاری، کتاب التفسیر)

حضرت بی بی عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ سورۃ ممتحنہ کی آیت اذا جاءکم المومنات مہاجرات کے ماتحت جو مسلمان عورت اقرار شرائط کرتی، آپ اُس سے فرماتے کہ میں نے تجھ سے بیعت لے لی۔ اس کلام سے اور قسم ہے خدائے تعالیٰ کی کہ بیعت میں حضرتؐ کا ہاتھ کبھی کسی عورت کے ہاتھ سے مس نہ ہوا۔ بس آپ تو فقط زبان سے بیعت لیتے۔

بیعت کا وقت تو خاص ہاتھ سے ہاتھ ملانے کا ہوتا ہی ہے آپ اس وقت بھی اس سے احتیاط و احتراز فرماتے حضرت صدیقہؓ اس واقعہ کو خاص طور پر نوٹ کر کے نہ صرف بیان فرماتی ہیں بلکہ شدتِ تاکید سے اس کو قسم کھا کر بیان کرتی ہیں۔ جاہلیت قدیم و جاہلیت جدید دونوں کی حیرت زدہ بنا دینے کے لئے ۔۔۔ دلانے کے لیتے۔

اور محدث ابن حجرؒ تو دوسرے معتبر اسناد کے ساتھ یہاں تک لکھ گئے ہیں کہ عورتوں کی اس جماعت نے آکر کہا بھی کہ (فقلن یارسول اللّٰہ ابسط یدک نصافحک فقال انی لا اصافح النساء (فتح الباری)

یا رسول اللہ اپنا دستِ مبارک بڑھائیے کہ ہم بیعت کریں آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ نہیں عورتوں سے مصافحہ میں نہیں کیا کرتا۔"

"شبیک ہینڈ" جیسی عام اور معمولی چیز سے انکار اور یہ شدومد انکار اور وہ بھی بیعت جیسے اہم موقع پر! جاہلیت عرب جو جاہلیت فرنگ ہی کی طرح "حریتِ نسواں" کی قائل و پرستار تھی، اس پر کیسی کچھ دنگ رہ گئی ہوگی؟ اور آج بھی مساوات مرد و زن کے مدعی، آخر کس طرح اپنے دل کو سمجھا کر اپنے حسنِ عقیدت کو باقی رکھیں ہے؟

مومن فاسق

عن عمر بن الخطاب أن رجلاً على عهد النبي صلى الله عليه وسلم كان اسمه عبد الله وكان يلقب حمارًا وكان يضحك رسول الله قد جلده في الشراب فاتي به يومًا فامر به فجلد فقال رجل من القوم اللهم العنه ما يؤتى به فقال النبي صلى الله عليه وسلم لا تلعنوه فوالله ما علمت إلا انه يحب الله ورسوله (بخاری الحدود)

عمرؓ ابن خطابؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم کے زمانے میں ایک شخص کا نام عبداللہ تھا اور وہ حمار کے لقب سے مشہور تھے اور وہ رسول اللہؐ کو ہنسایا کرتے تھے اور رسول اللہؐ ان کو شراب نوشی کی علت میں کوڑے مار چکے تھے وہ ایک دن رسول اللہ صلعم کی خدمت میں (پھر اسی شراب نوشی کے جرم میں) پیش کئے گئے پس حضرتؐ نے حکم دیا ان پر (اجرا حد کا) اس پر حاضرین میں سے ایک شخص بول اُٹھے اے اللہ تیری

لعنت اس پر! کتنی دفعہ یہ اسی طرح پیشی میں آچکا ہے! (یعنی کتنی دفعہ اس پر حد جاری ہو چکی ہے اور پھر یہ اپنی عادت نہیں چھوڑتا) تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ، نہیں اس پر لعنت نہ بھیجو قسم اللہ کی، مجھے علم ہے کہ یہ محبت رکھتا ہے اللہ اور اس کے رسول سے۔

روایت صحیح ترین کتاب حدیث کی ہے۔ مجرم، قانونِ شریعت کے ایک سنگین جرم کا مجرم ہے بار بار کا سزا یافتہ اور عادی مجرم ہے (فتح الباری) میں واقدی کے حوالہ سے ہے وکان قد اُتی بہ فی الخمر مراراً) رسول اللہ کے سامنے بار بار پیش ہوتا ہے۔ آپ کے قلبِ مبارک کو اس سے بڑھ کر اذیت دینے والی چیز اور کیا ہو سکتی تھی؟ اس پر جب ایک صحابی (فتح الباری میں واقدی کے حوالہ سے روایت ہے کہ یہ صحابی خود حضرت عمرؓ تھے) قاعدہ کے لحاظ سے بالکل بجا طور پر ٹوکتے اور بغض فی اللہ کے ماتحت اس مجرم پر اللہ کی لعنت پکار اٹھتے ہیں، تو خود رسول اللہؐ ان صحابی کی تائید و موافقت نہیں کرتے الٹا انہیں کو روکتے ہیں، ان کی تردید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس مجرم کے دل میں اللہ اور رسول اللہ کی محبت موجود ہے! جی ہاں محض زبانی کلمۂ اسلام نہیں، دل میں محبت اللہ اور رسول کی، اور وہ بھی ایک گناہِ کبیرہ کے عادی مرتکب کے دل میں! سند اس سے بڑھ کر قوی اور نص اس سے زیادہ صریح اور کیا ممکن ہے! یہاں تک کہ خود امام بخاریؒ جیسے فقیہہ جس باب کے تحت میں اسے لاتے ہیں خود اس کا عنوان رکھا ہے،

باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر وانہ لیس بخارج من الملۃ۔

باب اس مضمون میں کہ شرابی کو لعنت کرنا مکروہ ہے اور وہ ملّت سے خارج نہیں ہو جاتا۔

عنوان باب کا دوسرا جزو خوب دھیان میں رہے (انہ لیس بخارج من الملۃ) شراب پینا یقیناً گناہ کبیرہ ہے قابل تعزیر ہے مجرم کے لیے دنیا میں سزائیں ہیں، آخرت میں عذاب ہے لیکن اس کے باوجود مجرم گناہ گار ہی رہتا ہے دائرہ ملّت سے خارج نہیں ہو جاتا یہی اصل نکتہ ہے اسی لیے امام بخاری اس حدیث کو لاتے ہیں اس حقیقت کو سامنے رکھیے اس لفظ کو یاد رکھیے اور پھر تحریک جدید کے اس فتوے پر غور کیجیے کہ جو عملی کمزوریوں میں گھرے ہوتے ہیں، جو اعمال کی کوتاہیوں میں مبتلا ہیں، وہ صرف نام کے مسلمان اور محض موروثی یا پیدائشی مسلمان ہیں، ورنہ عملاً ان میں اور نا مسلموں میں کوئی فرق ہی نہیں اعمال میں غفلت و تساہل کا علاج یقیناً ہونا چاہیے، اعمال فاسقانہ کی اصلاح قطعاً ضروری ہے لیکن داغ دھبوں کے دھونے میں اتنا غلو تو بہرحال نہ ہو کہ

دھبا ہے کپڑے پہ نہ کپڑا باقی!

کلمۂ توحید کی اہمیت

عن اسامۃ بن زید یقول بعثنا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم الی الحرقہ فصبحنا القوم فھزمناھم ولحقت انا ورجل من الانصار رجلا منھم فلما غشیناہ قال لا الٰہ الا اللہ ۔ فکف الانصاری فطعنتہ برمحی حتی قتلتہ فلما قدمنا بلغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا اسامۃ اقتلتہ قلت کان متعوذا فما زال یکررھا حتی تمنیت انی لم اکن اسلمت قبل ذالک الیوم۔

(بخاری باب بعث النبیؐ اسامۃ الی الحرقات)

اُسامہ بن زید صحابی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے ہم کو قبیلہ حُرقہ (بنی حرقان کو اس لیئے کہا جاتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے مخالفین کو جلا جلا کر مار ڈالا تھا) کے مقابلہ کے لیئے بھیجا تو صبح کے وقت ہم اُن کے مقابل ہو گئے اور ہم نے اُنھیں شکست دے دی اور خود میرا اور میرے ساتھ کے ایک انصاری کا مقابلہ غنیم کے ایک شخص سے ہو گیا جب ہم نے اُسے گھیر لیا تو وہ کہنے لگا لا الٰہ الا اللہ اس پر وہ انصاری تو رُک گئے لیکن میں نے اپنے نیزہ سے وار کر کے اُسے ختم ہی کر دیا پھر جب ہم لوگ (مدینہ) واپس گئے تو یہ خبر رسول اللہ صلعم کو پہنچی آپ نے فرمایا کہ اے اُسامہ کیا تو نے اُسے اُس کے بعد بھی قتل کر دیا جب وہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھ چکا تھا ؟ میں نے کہا کہ حضرت اس نے تو جان بچانے کو یہ کلمہ پڑھ دیا تھا ! (دل سے وہ ایمان لایا ہی کب تھا !) لیکن آپؐ برابر اسی فقرہ کو دوہراتے رہے ! یہاں تک کہ میں (فرط حسرت وندامت سے اپنے دل میں) یہ کہنے لگا کہ کاش میں مسلمان آج سے قبل نہ ہوا ہوتا ! (یعنی آج

ہی مسلمان ہوا ہوتا تو اس شدید معصیت سے بچ گیا ہوتا۔)

واقعہ رمضان ۸ھ کا ہے اور ہر مسلمان کے دل کو لرزا دینے کے لیئے کافی۔ صحابی نے جو کچھ کیا، ہم ظاہر بینوں کی نظر سے بالکل صحیح کیا تھا۔ ہم میں سے جو ہوتا یہی کرتا۔ یعنی اپنی جان جاتے دیکھ کر مشرک اور دشمن کا، چند مختصر لفظوں کا زبان سے ادا کر دینا ہماری عقلوں کے لحاظ سے کھلی بات ہے، کہ جان ہی بچانے کے لیے تھا۔ لیکن صحابی کا یہ کھلا ہوا عذر بھی اللہ اور رسول کے دربار میں نہیں قبول ہوتا۔ رسول اللہ صلعم بار بار اپنے شدّتِ ملال و ناگواری کا فقرہ دہراتے جاتے ہیں اور بعض روایت میں تو اس کے ساتھ یہ فقرہ بھی ہے،

فکیف تصنع بلا الٰہ الا اللہ اذا اتتک یوم القیامۃ؟

جس وقت قیامت کے دن وہ شخص لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ آئے گا تو کیا کرے گا۔ تیرے پاس کیا جواب رہے گا؟

صحابی لرز کر درخواست کرتے ہیں، قال یا رسول اللہ استغفر لی کہ حضرتؐ اب تو قصور ہی ہو چکا، اب آپ ہی ہماری بخشش کی دعا فرمائیں۔

رحمتِ عالم دعا نہیں فرماتے، بلکہ وہی فقرہ دہراتے جاتے ہیں، قال فکیف تصنع بلا الٰہ الا اللہ فجعل لا یزید علیٰ ذلک

کہ تو کیا کرے گا، کیا جواب دے گا، جب قیامت کے دن لا الٰہ الا اللہ کا دعویٰ پیش ہوگا؟

اور روایت کی یہ زیادت تو مشہور چلی آ رہی ہے کہ تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا۔

افلا شققت عن قلبہ حتّٰی تعلم؟ معلوم ہو جاتا کہ اقرار دل سے ہے یا محض زبان سے۔

العظمۃ اللہ۔ کیا ٹھکانہ ہے کلمۂ توحید کی اہمیت کا عظمت کا! اور یہ روایت تو صرف ایک نمونہ ہے ورنہ سُنن، احادیث و آثار کے دفتر کے دفتر بھرے پڑے ہیں اسی مضمون سے۔

اعمال کی اہمیّت یقیناً شریعت میں بہت زائد ہے اور جو لوگ مسلمان کی زندگی کو اس کے ہر شعبہ میں اسلامی سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں، بے شک وہ صحیح راستے پر ہیں اور بہت بڑا کام کر رہے ہیں، لیکن درجہ درجہ کا فرق ہے اور دل کی تصدیق اعمال سے بھی اہم تر، اور عقیدہ کی صحت ہر عمل پر مقدّم ہے اور اس کی جانچ کا ذریعہ، ایمان و عقیدہ کے علم کا ذریعہ، ہم بندوں کے پاس صرف زبان سے اقرار اور کلمۂ شہادت کا تلفّظ ہے کلمۂ شہادت کا محض تلفّظ، اسلام کے قانون میں کوئی ثانوی یا تحتانی حیثیت نہیں رکھتا، اہم ترین چیز ہے۔ بدکار سے بدکار، فاسق سے فاسق مسلمان، عمر کی ساری مدّت میں ایک بھی نیکی نہ کرنے والا مسلمان بہرحال مسلمان ہی ہوتا ہے ہر غیر مسلم سے بدرجہا ممتاز، بدرجہا فائق۔ آج جو تحریک یا تجدید یہ دعوٰے لے کر اٹھی ہے کہ پیدائشی یا موروثی مسلمان اور غیر مسلم عملاً، اصلاً معناً ایک سطح پر ہیں، مساوی و یکساں ہیں، وہ تلفّظ کلمہ کی اہمیّت کو بھولے ہوئے ہے، اقرارِ شہادت کے مرتبہ کو پہچان نہیں رہی ہے اس کی

حیثیت خود بس اسلام کے ایک نادان دوست کی ہے۔ حُسن عمل، حسن کردار کا معیار یقیناً اونچا سمجھیے، لیکن کلمہ گوئی کا حق اس سے بھی بڑھ کر پہچانتے رہیے۔ عنداللہ جس کے ایمان کا جو بھی فیصلہ ہو اس عالمِ ناسوت میں بندوں کے ہاتھ میں تو یہی ایک معیار ہے۔

نفحات البشریٰ

اللّٰھُمَّ اِنِّی اَستغفرك لما تبت الیك منه ثمّ عدت فیه واستغفرك لما اعطیتك من نفسی ثم لم اوف لك به واستغفرك للنعم الّتی تقوّیت بها علٰی معصیتك واستغفرك لکل خیر اردت به الیك تخالطنی فیه مالیس لك

اے اللہ میں تجھ سے معافی چاہتا ہوں اُس گناہ سے جس سے میں نے توبہ کی اور پھر لوٹ کر اس میں پڑا اور میں تجھ سے معافی چاہتا ہوں اس چیز کے بارے میں جس کا میں نے تجھ سے وعدہ کیا اور پھر اُسے پورا نہ کیا۔ اور میں تجھ سے معافی چاہتا ہوں اس نیکی کے بارے میں کہ اُسے میں نے خالص تیرے ہی لیے کرنا چاہیے تھا، مگر اس میں وہ چیز مل جل گئی جو تیرے لیے نہ تھی۔

دعاء، چار مستقل دعاؤں کی جامع، دعا حدیث نبوی کی ہے، سر آنکھوں کے پڑھنے کے قابل، روزانہ ورد میں رکھنے کے قابل، رسول اعظمؐ، دنیا کے حکیم اعظم بھی تو تھے، کیسی گہری باتیں، کام کی، پتہ پتہ کی، فرما گئے ہیں، نفس

بشری سے کیسے تاریک گوشے گویا نظر کے سامنے آئینہ! توجہ والتفات سے اُمت کا ایک فرد بھی محروم نہیں! زاہد شب زندہ دار اور اہلِ تقوٰی سے لے کر بڑے سے بڑے عاصی و مجرم تک۔

ذرا پہلے اپنے نفسوں کو ٹٹول کر دیکھیے کہ ہم کتنے پانی میں ہیں اور پھر اندازہ کیجئے کہ ہم کتنے محتاج ان دعاؤں اور ان التجاؤں کے ہیں! گناہ کرتے ہیں، چونکتے ہیں، توبہ کرتے ہیں اور پھر اسی معصیت میں مبتلا ہو جاتے ہیں! نہ ہم گناہ کو چھوڑتے ہیں نہ گناہ ہم کو! تنگ آکر اپنے میں عزم راسخ پیدا کرنے کے لیے اپنے خالق سے عرض کرنا پڑتی ہے کہ اے اللہ ہمیں اس گناہ بچا، جس سے ہم توبہ کرتے ہیں، اور پھر پلٹ پلٹ کر وہی کیے جاتے ہیں! نیکی کی دل میں اُٹھتی ہے، عبادت کا حوصلہ کرتے ہیں، اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ فلاں چیز کریں گے، فلاں نہ کریں گے شیطان اور نفس غالب آجاتے ہیں، ہمت کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں جو کہا تھا اُسے بھلا بیٹھتے ہیں۔ جو نہ کرنا تھا وہ کر گزرتے ہیں آخر کار پھر اسی مالک و مولیٰ کے دربار میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ، درگزر کر مجھ کمینے سے جو بار بار وعدہ کرتا ہے اور بار بار وعدہ توڑ ڈالتا ہے! پھر یاد پڑ جاتا ہے کہ گناہ کی یہ قوت اور سکت کہاں سے آتی ہے؟ انھیں کی دی ہوئی غذائیں کھا کھا کر، انھیں کا دیا ہوا پانی پی پی کر، انھیں کی چلائی ہوئی ہوا میں سانس لے لے کر، غرض یہ کہ ساری انھیں نعمتوں کے بل پر تو یہ خون میں حرارتیں اور نفس میں شرارتیں ہیں! واہ رے بے حمیّت! اب تو سجدہ میں گر اور دُعا کے لیے جھک! کہ جو کھلاتے، پلاتے، جلاتے عین اسی کے مقابلہ

میں بغاوتیں!

اور نفس پر سب سے بڑھ کر ضرب کاری چوتھی اور آخری دعا! ہائے ہائے کس کو اس کا تجربہ نہیں؟ کس دن یہ آپ بیتی گزر کر نہیں رہتی! شروع شروع میں کیسا اخلاق ہوتا ہے، کیسا سچا جوش اللہ ہی کی رضاجوئی کا ہوتا ہے لیکن دیکھتے ہی دیکھتے، کیسا شرک شروع ہو جاتا ہے! خالق کی رضا کے ساتھ ساتھ مخلوق کی رضا کا، "اب بھی کیسی شریک ہوتی جاتی ہے، یہاں تک کہ غالب آتی جاتی ہے! اور عمل کرنے والے کو بالکل برباد ہی کر کے رہتی ہے! کتنے واعظ ہیں جو حاضرین کی "سبحان اللہ" اور "ماشاء اللہ" کی صداؤں کے انتظار میں نہیں رہتے؟ کتنے اہل قلم ہیں جو ناظرین کی داد تحسین سے مستغنی ہیں؟ غرض کوئی حاضرین کو اپنا آلہ بناتے ہوتے ہیں اور کوئی ناظرین کو! رسول کی دعائیں امت ہی کے حال کا آئینہ ہیں، ورنہ جو سید الانبیاء بنا کر بھیجا گیا، ظاہر ہے اس کی اپنی ذات معصوم کے لیے تو یہ کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتے۔ کیا حرج ہے اگر کبھی ہم اور آپ اسی آئینہ میں اپنا اپنا چہرہ دیکھ لیا کریں!!

ہماری فلاح

اپنی فلاح و بہبود کی دعا ہم نے آپ نے کس نے نہیں کی ہے؟ اور بار بار نہیں کی ہے؟ لیکن فلاح و بہبود سے عموماً مراد کیا رہی ہے؟ وہی روپیہ، پیسہ، مال و دولت، رزق کی وسعت کے لیے معیشت کی فراغت

کہیئے، گھوم پھر کر الفاظ جو کچھ لائیے لفظ و عبارت میں جو کچھ چاہیئے ردّ و بدل سے کام لیجیئے، مغز و مفہوم ایک ہی نکلتا ہے کہ جو کچھ اب مل رہا ہے اس سے زیادہ ہی ملنے لگے! دعائیں بارہا قبول بھی ہوئیں آرزوئیں بارہا بر بھی آئیں! سو والے کو پانسو ملنے لگے اور پانسو والے کو ہزار نصیب ہوتے لیکن تجربہ نے کیا سکھایا؟ عملاً نتیجہ کیا حاصل ہوا؟ کبھی کسی کی پیاس بجھی؟ کبھی کسی کو قرار آگیا؟ کہ بس اس سے زیادہ نہ ملے؟ یا برعکس اس کے ہوس کی آگ اور بھڑکتی گئی؟ طلب و خواہش کی پیاس اور بڑھتی گئی؟ سینکڑوں اور ہزاروں اور لاکھوں کا کیا ذکر ہے جنھیں بڑی سے بڑی بادشاہتیں مل گئیں، ان کی طلب و خواہش کا دامن بھی اسی طرح پھیلا ہوا، ان کے اندر کی آگ بھی ویسی ہی شعلہ زن!

ہم چناں در بند اقلیم دگر!

روس کو رشک برطانیہ پر، برطانیہ کے دانت امریکہ پر لگے ہوئے!

کیوں نہ اتنے تجربوں کے بعد ایک بار ذرا ان کوششوں اور خواہشوں کا ہی رخ بدل کر دیکھیئے اور بجائے دولت، دولت کی رٹ اور پکار کے ایک بار دولت قناعت کو طلب کیجیئے سب کہتے ہیں کہ دنیا میں ایک حکیم گزرا ہے، سب داناؤں سے بڑھ کر دانا اور سارے عارفوں سے زیادہ حقیقت شناس اب وقت ہے کہ اس کی بتائی ہوئی دعا بھی کبھی وردِ زبان کر لیا کیجیے :۔

اَللّٰهُمَّ قَنِّعْنِيْ بِمَا رَزَقْتَنِيْ وَبَارِكْ لِيْ فِيْهِ

اے اللہ تو نے مجھے جو کچھ بھی دیا ہے اسی پر مجھے قانع کر دے اور اسی

میں میرے لیئے برکت رکھ دے!

اور مناجاتوں اور عرضداشتوں میں یہ دُعا بھی تو اُسی کی سکھائی ہوئی ہے!

اللّٰھم اکفنی بحلالك عن حرامك واغننی بفضلك

عمن سواك۔

اے اللہ حرام رزق سے بچا کر اپنے حلال رزق ہی کو میرے لیئے کافی کر دے! اور اپنے فضل کے سوا سب کی طرف سے مجھے بے نیاز بنا دے

آمدنی میں اضافہ کے سینکڑوں ہزاروں ذریعے سوچتے رہنا، دن رات تنخواہ میں ترقی، کاروبار میں ترقی "دستِ غیب" میں ترقی، کی فکر اور ادھیڑ بن میں پڑے رہنا، اچھا یا سب پر لات مار کر قناعت اور بے نیازی کی دولت سے سرفراز ہو جانا اچھا؟ دل کے چین اور مسرت کا چشمہ دل کے اندر اُبلتا ہوتا ہے، یا اُسے لانے کے لیئے کہیں باہر جانا اور ہاتھ پھیلانا ہے؟

آنچہ خود داشت ز بیگانہ تمنا می کرد

غلامی میں عبادتِ حق

عن رسول اللّٰہ صلعم انہ قال یحاسب الناس فی القیامۃ علی ثلثۃ یوسف وایوب وسلیمٰن فید عو بالملوك فیقول لہ ما شغلك عنی فیقول جعلتنی عبد للادمی فلم تفرغنی فید عو یوسف علیہ السلام ویقول ھذا کان عبدًا فلم یمنعہ ذالك

عن عبادتی فیومر بہ الی النّار...

(تفسیر کبیر۔ جلد ۵ ص۲۹۵ پ ۱۵ سورۂ کہف آیہ ولا یظلم ربک احداً

رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کا حساب وکتاب ان تین معیاروں سے لیا جائے گا۔ یوسفؑ اور ایوبؑ اور سلیمانؑ کے معیار سے چنانچہ ایک غلام لایا جائے گا اور اس سے حق تعالےٰ سوال کریں گے کہ تجھے کس چیز نے مجھ سے غافل رکھا؟ وہ جواب میں کہے گا کہ آپ نے تو مجھے انسان کا غلام بنا کر رکھا تھا اور اس نے مجھے فرصت ہی نہ دی اس پر حق تعالےٰ حضرت یوسفؑ کو پیش کر کے فرمائیں گے کہ دیکھ، یہ بھی تو تیری ہی طرح غلام تھے۔ لیکن ان کی غلامی تو میری عبادتوں کی راہ میں (ذرا) حائل نہ ہوتی۔ اس پر جب وہ لاجواب ہو گا، اس کو دوزخ میں جانے کا حکم ملے گا۔

حدیث نبوی میں یہ تفصیل نہ بھی ملتی، جب بھی خود قرآن مجید کی تصریحات اصل مسئلہ کے اثبات کے لئے بالکل کافی، بلکہ کافی سے زائد تھیں۔ حضرت یوسف علیہ السّلام غلام ہی نہ تھے، بلکہ ایک مشرک آقا کے غلام تھے مشرک کے محکوم ہی نہ تھے، غلام تھے اور اگرچہ نبی اس وقت تک نہ تھے جب بھی اللہ تعالےٰ کے ایک مقرّب ومقبول بندے تو بہرحال تھے۔ نبی زادے تھے اور عنقریب خود بھی نبی ہونے والے تھے پھر اس محکومی کی حالت میں بے قصور ومظلوم شاہی جیل میں بھی سالہا سال تک رہے۔ گویا غلامی دو آتشہ بلکہ سہ آتشہ ہوتی گئی۔ جیل کے اندر شرک کی تردید اور توحید

کی تبلیغ تو آپ نے بے شبہ فرمائی، لیکن اس کا کہیں سے کوئی ثبوت نہ قرآن مجید سے ملتا ہے نہ حدیث نبوی سے، نہ تاریخ سے کہ آپؑ نے کوئی جد وجہد حکومت کا تختہ اُلٹنے" یا ملک وملت کو "آزادی دلانے" کی کی ہو بلکہ تصریح اس کی ملتی ہے کہ جیل سے نکل کر آپ حکومت وقت کی مشین کے ایک اعلیٰ پرزے بن گئے، اور وقت کی سب سے بڑی مصیبت، قحط شدید کا بہترین انتظام فرمایا! بندہ جس تکوینی حالت میں رکھ دیا جائے اس سے مقابلہ کرتے رہنا، اور اسی میں سارا وقت اور خدمت خرچ کر دینا اس کا فرض اولین نہیں، مقدم اور اہم ترین فرض یہ ہے کہ جس حالت میں بھی ڈال دیا جاتے (بشرطیکہ اس حالت کا بدلنا اس فرد پر فرض عین نہ ہو) اس میں رہ کر بھی اپنی عبدیت کے فرائض بہترین طریق پر ادا کرے! اس ایک اصل کو یاد رکھنے سے کتنے ذہنی انتشار اور پراگندہ خیالی سے نجات حاصل رہ سکتی ہے!

حکیمانہ دُعا

اللّٰھُمّ اقسم لنا من خشیتك ما تحول بیننا وبین معاصیك ومن طاعتك ما تبلغنا بها جنتك ومن الیقین ما تھوّن به علینا مصائب الدنیا۔

اے اللہ ہمیں اپنی خشیت کا حصہ دے مگر اتنا ہی جو حائل ہو جائے ہم میں اور تیرے گناہوں میں، ورنہ اس سے زیادہ خوف الٰہی کا تحمل کس بشر سے ہو سکتا ہے؟ اور اپنی عبادت کا بھی ہمیں اپنی جنت میں پہنچا دے

ورنہ جو حق عبادتِ معبود ہے، وہ کون بندہ ادا کر سکتا ہے ؟) اور اپنے یقین و ایمان سے بھی ہمیں حصّہ دے مگر اتنا کہ اس سے ہم پر دنیا کی مصیبتیں آسان ہو جائیں۔

رسول کی زبان سے نکلی ہوئی دعائیں اتنی حکیمانہ اور ایسی جامع و بلیغ ہیں، کہ بالفرض کوئی بھی دوسری دلیل موجود نہ ہوتی تو تنہا آپ کی دعائیں ہی آپ کے صدق و اعجاز کی شاہد عادل تھیں، انھیں جامع ترین دعائیں میں سے ایک دعا یہ ہے۔ ضعفِ بشری کی ایسی ایسی دقیق رعایتیں بجز نبی کے اور کوئی ملحوظ رکھ ہی نہیں سکتا۔ دعا کا ایک ٹکڑا یہ ہوا، باقی کے لیے آگے چلیے۔

ومتعنا باسماعنا وابصارنا وقوتنا ما احییتنا واجعلہ الوارث منا واجعل ثارنا علی من ظلمنا وانصرنا علی من عادانا

اور ہمارے کان اور ہماری آنکھیں کارآمد رکھ، اور ہماری قوت بھی جب تک تو ہمیں زندہ رکھے (کہ قوت جسمانی خصوصاً کان اور آنکھ کا کام زندگی بھر رہتا ہے) اور اس خیر کو ہمارے بعد بھی باقی رکھنا۔ اور جو ہم پہ ظلم کرے اس سے ہمارا انتقام لے (کہ بندہ کو ظلم کی سزا حاکمِ حقیقی ہی دے سکتا ہے) اور جو ہم سے دشمنی کرے، اس کے مقابلے میں ہمیں مدد دے۔

دعا کا ایک ایک جزو کیسا حاجت انسانی کے مطابق اور نفسیات بشری کا حقیقی ترجمان ہے! اسی دین کو بعض بدبختوں نے خشک اور

"دشوار" قرار دیا ہے ؟

اہم دُعا کا اہم ترین حصّہ اب آتا ہے۔

ولا تجعل مصیبتنا فی دیننا ولا تجعل الدنیا اکبر ھمّنا ولا مبلغ علمنا ولا غایۃ رغبتنا ولا تسلط علینا من لا یرحمنا۔

اور ہمارے لیے مصیبت ہمارے دین میں نہ پیدا کر دینا (دنیا والی مصیبتیں تو پھر بھی جھیلی جا سکتی ہیں لیکن فرائض دینی کی ادائی میں اگر دشواریاں پیش آگئیں تو کیا علاج ؟) اور دنیا کو نہ ہمارا مقصودِ اعظم بنا دینا اور نہ ہمارے علم کی معراج اور نہ ہماری رغبت کی منزلِ مقصود۔ اور نہ ہم پہ مسلط کرنا جو ہم پر نا مہربان ہو!

ساری دعاؤں بلکہ سارے دین کی کلید یہی خطِ کشیدہ عبارت ہے لا تجعل الدنیا اکبر ھمّنا، ایسا نہ ہو کہ ہماری ساری کوششوں، سارے ولولوں، سارے حوصلوں کا محور، مرکز، انتہا بجائے رضائے الٰہی یا طلب آخرت کے یہی دنیا اور اس کی چمک دمک ہو کر رہ جائے! آج ایک اسی ہدایت کے بھولے رہنے سے ہم سب کتنے بہک چلے، بھٹک چلے ہیں! جنّت (رضائے الٰہی کا محل) اور اس کی نعمتیں آج کس کا مطمحِ نظر ہیں ؟ جو دین کے منکر ہیں ان کا ذکر نہیں جو فی الجملہ مذہب احساس اور درد و درد رکھتے ہیں ان کا بھی مطمحِ نظر بجز اس کے اور کیا ہے کہ کوئی اچھی سی نوکری مل جائے تنخواہ میں ترقی ہو جائے یا زیادہ سے زیادہ کہ مسلمان قوم کو جاہ و مال زیادہ ملنے لگے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

فہرست

الامین

رؤف الرحیم

بے داغ سیرت

محبوبِ حق اور خشیتِ الٰہی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مجلسی دستورِ عمل

رمضان اور بزرگانِ کرام

انقلاب

اُسوۂ رسول صلعم

اسلامی تمدّن

شخصی اصلاح اور ضبط کا پروگرام

عالمِ روحانیت کا موسمِ بہار

زندہ مذہب

ایک نعمت

ہو الشافی

زندگی کا سفر

اسلامی حکومت اور فسق

کیا کیا نہ کیا عشق میں

روزہ اغیروں کی نظر میں

مسلمان ماں اور مسلمان بیٹی

اسلامی محبت

عالم ہمہ افسانہ ما وا رد وما ہیچ

ایمان کی پختگی

دینی خدمت کا قابلِ تقلید نمونہ

مشرقی ماں

مشرقی و مغربی تہذیب

ام المومنین کا پردہ

رہبر کی ہدایت اور راہزن کا فریب

اُسوۂ علی

بدعتوں سے بے تعلقی اور تعاون کے حدود

قوم پرست اُسوۂ رسول کی روشنی میں

بزرگوں کی نظر

دو سبق

مدح و قدح

الامین

"نبوت سے پہلے آپ کے جن لوگوں سے تاجرانہ تعلقات تھے انھوں نے ہمیشہ آپ کی دیانت و حسن معاملہ کا اعتراف کیا ہے اسی لیے قریش نے متفقاً آپ کو امین کا خطاب دیا تھا نبوت کے بعد بھی گو قریش بغض و کینہ کے جوش سے لبریز تھے تاہم ان کی دولت کے لیے مامون مقام آپ ہی کا کاشانہ تھا"۔

(سیرۃ النبی، مولانا شبلی جلد ۲ صفحہ ۲۲۹)

"آپ کی دیانت، امانت، اور راستبازی مکہ میں زبان زد خلائق ہو چکی تھی یہاں تک آپ عام طور پر امین کے نام سے مشہور ہو چکے تھے، امین سے مراد صرف یہ نہ تھی کہ آپ روپیہ کی امانت کو ٹھیک ادا کرتے ہیں بلکہ یہ کہ ہر قسم کی نیکیاں اور خوبیاں آپ کے اندر جمع ہیں"۔

(سیرت خیر البشر۔ محمد علی احمدی صفحہ ۴۶)

امانت، صدق، راست بازی سے آپ کی محبت سارے عرب میں مشہور تھی یہاں تک کہ الامین آپ کا نام ہی ہو گیا تھا خود ابو جہل کا اعتراف موجود ہے جب اس نے نبی صلعم کو کہا کہ ہم آپ کو جھوٹا نہیں کہتے بلکہ اس پیغام کو جھوٹا کہتے ہیں جو آپ لاتے ہیں"۔ ابتدائے سن ہی سے آپ ہر امر پر بہت غور و فکر کرتے

کے لیئے مشہور تھے۔ ان کے ساتھ والوں نے آپ کو امین کا لقب دیا تھا آپ ہمہ تن صدق وصلاح تھے" (کارلائل ہیروز پرافٹ)

اس سادہ مزاج نوجوان کی پاک سیرت اور بے داغ زندگی کو دیکھ کر اس کے ہموطنوں نے اُسے ہر دل عزیز کر دیا تھا اور سب کی اتفاق رائے سے اُسے امین کا لقب ملا تھا"

(لائف آف محمدؐ میور)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ابوجہل نے رسول خدا صلعم سے کہا کہ ہم تم کو جھوٹا نہیں سمجھتے ہیں بلکہ اُس پیام کو جھوٹ سمجھتے ہیں جو آپ لائے ہیں (جامع ترمذی۔ تفسیر سورۃ انعام)

جنگ بدر کے زمانہ میں خنس بن شریق نے ابوجہل سے تنہائی میں پوچھا کہ تم محمدؐ کو سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا؟ ابوجہل نے کہا کہ خدا کی قسم محمدؐ سچے ہیں کبھی آج تک جھوٹ نہیں بولے۔

(تفسیر ابن جریر جلد ۷)

ناجیہ بن کعب سے روایت ہے کہ ابوجہل نے رسول اللہ سے کہا کہ ہم تم پر جھوٹ کا الزام نہیں لگاتے لیکن جو پیام تم لاتے ہو اُسے ضرور جھوٹ جانتے ہیں"۔ ابوجہل کہا کرتا تھا کہ ہم تمھیں جھوٹا نہیں کہتے تم یقیناً ہمارے تجربہ میں سچے رہے ہو البتہ جو پیام تم لائے ہو ہم اُسے جھٹلاتے ہیں۔ (بیضاوی)

یہ معنی تھے سچائی کے یہ کمال تھا راست بازی کا۔ یہ معجزہ تھا صداقت وامانت کا کہ بڑے سے بڑے دشمن کو بھی صدق وامانت کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہ تھا۔ ہم بھی اُسی سچے نام کا کلمہ پڑھنے والے ہیں ہم کو بھی اسی آقا کی غلامی کا دعوےٰ ہے لیکن ہماری سیرت وکردار کو، ہماری طرزِ زندگی کو راست بازوں کے اس سردار سے کوئی بعید سی نسبت بھی ہے؟ ہم نے اپنے طرزِ عمل سے آج دنیا کے کس خطے میں انسانی آبادی کے کس گروہ میں اپنا اعتبار قائم رکھا ہے؟ ہماری ساکھ آج کہیں بھی قائم ہے؟ ہمارے وعدوں پر کسی کو بھی بھروسہ ہوتا ہے؟ ہماری معاملت پر کوئی بھی اطمینان رکھتا ہے؟ ہماری راست بازی آج کہیں بھی مستند سمجھی جاتی ہیں؟ ہماری دیانت وامانت کی گواہی کوئی بھی اپنے تجربہ کی بنا پر دے سکتا ہے؟ ہمارا شمار کہیں بھی سچوں کے گروہ میں ہے؟ دشمنوں کا ذکر نہیں دوستوں کا تجربہ ہماری سچائی کی بابت کیا ہے؟ بیگانوں کو چھوڑیئے اپنوں کے دلوں کو ٹٹولیئے کہ ان میں ہمارے صدق وامانت کی بابت کیا خیال ہے؟ درحقیقت اسلام کو دنیا میں بدنام کرنے والے ہمارے پاک دین کو غیروں کی نظروں میں رسوا و ذلیل کرنے والا، ہماری سیرت کا یہی دورُخا پن، ہماری زندگی کا یہی جھوٹ ہمارے عمل کا صدق وفا وامانت سے یوں خالی ہو جانا ہے اور بے حسی اور بے عزتی کی نوبت یہ پہنچ گئی ہے کہ اپنی چالاکیوں، اپنی بددیانتیوں، اپنی خیانتوں اپنی وعدہ خلافیوں، اپنی مکاریوں، اپنی چالبازیوں پر اپنی اپنی جگہ بیٹھ کر فخر کیا جاتا ہے اور ان کارناموں کو اپنے دوستوں کے سامنے بیان کر کر کے ان سے داد چاہی جاتی ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رؤف الرحیم ﷺ

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانیوالا   مرادیں غریبوں کی بَر لانے والا!
مصیبت میں غیروں کی کام آنیوالا   وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجیٰ، ضعیفوں کا ماویٰ   یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ
خطاکار سے درگزر کرنے والا   بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیرو زبر کرنے والا   قبائل کا شیروشکر کرنے والا
اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا   اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

تقریباً چودہ سو برس (۱۴۴۶ھ + ۵۲) ہوتے جب ایک خشک اور پتھریلی زمین میں ان پڑھوں کے گھرانوں میں ایک ہستی ان اوصاف کے ساتھ ظاہر ہوئی تھی، چاند کی سالانہ گردش اس کی تاریخ ولادت کو پھر ایک بار دہرا کر قریب لے آئی ہے سوال یہ ہے کہ چودہ سو برس کے بعد امت کو اپنے ایمان سے کوئی مناسبت باقی رہ گئی ہے؟ سرسبز و شاداب ملکوں کے باشندوں تعلیم یافتہ و شائستہ مسلمانوں کی زندگیوں میں اپنے سردار و پیشوا، ہادی و رہنما کی زندگی کا کوئی شائبہ بھی باقی رہ گیا ہے؟ جس پاک زندگی کے اوصاف   اور یہ بیان ہوتے ہیں اس کا کوئی پرتو ہم اپنی ناپاک زندگیوں میں پاتے ہیں؟ ہماری شفقت و رحمت بھی ضرب المثل ہے؟ ہم بھی غریبوں کی خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں؟ ہم غیروں کے دکھ درد میں شریک ہوتے رہتے ہیں؟ ہم بھی اپنے اور غیروں کی غمخواری میں لگے رہتے ہیں؟ ہماری ذات بھی فقیروں اور ضعیفوں، یتیموں اور

غلاموں کے لیے مرجعِ اُمید ہے؟ ہم کو بھی عفو و درگزر کی عادت ہے ہم نے بھی اپنے حسنِ اخلاق سے کبھی دشمن کو دوست بنایا ہے ہم نے بھی کسی بدی کی بیخ کنی کی ہے؟ ہم کو بھی کبھی بچھڑے ہوئے دلوں کے ملا دینے کی توفیق ہوتی ہے؟ ہم نے بھی کبھی قوم و ملت کی اصلاح و فلاح کی خاطر گوشہ نشینی اختیار کی ہے؟ ہمیں بھی قومی اور شخصی زندگی کے سدھارنے کا کوئی نسخہ ہاتھ آیا ہے؟

ہندو اور پارسی، عیسائی اور یہودی سکھ اور جین تمام غیر مسلم قومیں جو آج ہمارے آقا و سردار کی زندگی سے واقف ہونا چاہتی ہیں ان میں سے کوئی قرآن کا مطالعہ نہیں کرتی، دفترِ احادیث کی ورق گردانی نہیں کرتی، سیرت و شمائل نبیؐ پر عشاق کے قلم نے جو ضخیم، مجلدات تیار کر دیے ہیں ان کی اُلٹ پلٹ کی فرصت نہیں رکھتیں وہ تو صرف ہماری زندگی کو دیکھتی ہے اُمت کی سیرت سے رسولؐ کی سیرت کا، پیروؤں کے اخلاق سے امام کے اخلاق کا اندازہ لگاتی ہے۔ غیروں کی نگاہ میں اپنے محبوب آقا کو نیک نام یا خدانخواستہ بدنام کرنا اس وقت ہمارے اختیار میں ہے پس اے بھائیو اور بزرگو، دوستو اور عزیزو اپنی ناپاک زندگیوں سے اس پاک زندگی میں داغ نہ لگاؤ اور کوشش کرو اس پاک وصاف، روشن و بے داغ زندگی کا کچھ ہلکا سا نمونہ تو ہماری اور تمھاری زندگیوں میں بھی نظر آنے لگے۔

بے داغ سیرت

آپ کہتے ہیں کہ آپ کے رسول کی سیرت سب سے زیادہ پاک و

پاکیزہ، سنہری اور روشن، بے لوث و بے داغ ہے اور راستی و راستبازی امانت و دیانت، حلم و عفو، صبر و تحمل، فیاضی و ہمدردی، نرمی و لینت، شفقت و رحمت، زہد و تقوی، پارسائی و پاکبازی، نیکی و نیک نفسی، ایثار و بے نفسی ہر صنفِ اخلاق، ہر شعبۂ روحانیت کے جوہر کمال اور انتہائے کمال پر رسولِ اسلام اور صلعم کی مبارک زندگی میں مل جاتے ہیں یہ آپ کا دعوی ہے اور اپنی جگہ پر حرف بحرف صحیح ہے لیکن سوال یہ ہے کہ منکر سے اس کا اقرار کیوں کر کرائیے گا ؟ جس نے اب تک آپ کے رسول کو نہ جانا ہے نہ پہچانا ہے اور اسی لیے نہ مانا ہے وہ آخر کیوں کر جاننے، پہچاننے اور ماننے لگے ؟

کیا آپ عیسائیوں سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلعم کے فضائل اخلاق کی تلاش میں کلام مجید کی تلاوت شروع کر دیں گے ؟ کیا آپ ہندوؤں سے یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ دیوبند کے شیخ الحدیث کی خدمت میں آکر بخاری و مسلم، ترمذی و ابوداؤد کا درس لینے لگیں گے کیا آپ کا یہودیوں سے متعلق یہ خیال ہے کہ وہ ان جواہر پاروں کی جستجو میں مسند احمد و طبقات ابن سعد تاریخ طبری اور سیرت ابن ہشام کی ورق گردانی اختیار کریں گے ؟ کیا آپ کو سکھ، جین اور بدھ مذہب کے پیروؤں سے یہ امید ہے کہ وہ سیرتِ نبوی کے واقعات سے باخبر ہونے کی چاٹ میں آپ کے ہاں کی میلاد کی محفلوں میں شریک ہوا کریں گے ؟ یا آپ کی مسجدوں میں ممبروں کے قریب بیٹھ بیٹھ کر آپ کے واعظوں کی تقریریں سنا کریں گے ؟ کیا آپ کو کسی غیر مسلم سے اس ذوق و شوق، اس طلب و تفتیش، اس تلاش و تحقیق کی توقع ہے ؟

یقین رکھیے اور بلا شائبہ شک یقین رکھیے کہ کوئی غیر مذہب والا آپ کے ہاں کی کتابوں کی الٹ پلٹ اس غرض سے نہیں کرے گا، وہ آپ کی لکھی ہوئی کتابوں کو نہیں خود آپ کو پڑھے گا وہ مطالعہ کتابوں کا نہیں زندہ کتابوں کا کرے گا۔ درخت کے بیج کو اس کے پھل سے پہچانا جاتا ہے تخم کی تحقیق کے لیے کوئی ماہر فن باغبانی کے یہاں نہیں جاتا رسول اللہ صلعم کی سیرت کا اندازہ اُمت کی حالت سے کیا جاتا ہے اور کیا جائے گا۔ اب ارشاد ہو اور بار ارشاد کسی دوسرے سے نہیں خود اپنے ہی دل سے ارشاد ہو کہ آپ کی زندگی، آپ کا طرزِ عمل، آپ کا کردار، آپ کی عادتیں اور خصلتیں، آپ کے مشغلے اور دلچسپیاں، آپ کا مذاقِ طبیعت، آپ کی سیرت، منکروں کے دل میں آپ کے رسولِ پاک صلعم کی بابت کیا رائے قائم کرائے گی۔ دوسرے اگر بے بصری کے باعث اس نورِ مجسّم صلعم سے انکار کر رہے ہیں تو کہیں خدانخواستہ خود آپ تو ان کے جرم میں اعانت کے مجرم نہیں بن رہے ہیں؟

محبوبِ حق اور خشیّتِ الٰہی

آپ خاتم الانبیاء تھے افضل الرسل تھے، محبوبِ خاص تھے تاہم خشیّتِ الٰہی کا یہ اثر تھا کہ فرمایا کرتے کہ مجھ کو کچھ نہیں معلوم کہ میرے اوپر کیا گزرے گی (سیرت نبی مولانا شبلی حصہ دوم صفحہ ۲۱۲) آپ کو اپنے انجام سے متعلق کوئی فکر و تشویش پیدا ہوتی یا آپ کو اپنے متعلق اطمینان ہے کہ جس طرح آج چین سے گزر رہی ہے اسی چین اور بے فکری کے ساتھ ہمیشہ گزرتی رہے گی؟ جب کبھی

زور سے ہوا چلتی آپ سہم جاتے کسی ضروری کام میں ہوتے اس کو چھوڑ کر قبلہ رُخ ہو جاتے اور فرماتے خدایا تیری بھیجی ہوئی مصیبت سے پناہ مانگتا ہوں "(۲۱۲) "آپ کی روشن خیالی" کا اس عادت مبارک سے متعلق کیا فتویٰ ہے ؟ آلۂ بیرومیٹر کے آثار چڑھاؤ پر نظر رکھنے کے بجائے قبلہ رُخ ہو جانا "تغیر موسمی کے طبعی اسباب کو بھلا کر ایک ان دیکھی ہستی کو یاد کرنے لگنا اسی کا نام تو شاید آپ نے اپنی اصطلاح میں "ضعیف الاعتقادی" رکھا ہے ؟

" فرمایا کرتے تھے لوگو! جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے ہوتے تو تم کو ہنسی کم آتی اور رونا زیادہ آتا" (ایضاً) یہ کیسا علم تھا جو بجائے ہنسی کے رونے کو بڑھاتا تھا ؟ آپ کے "علوم و فنون" تو اس کے بالکل برعکس آج رونے کو مٹانے اور ہنسی کے سامان بڑھانے کے دعویدار ہیں !

"خشیت الٰہی سے اکثر آپ پر رقت طاری ہوتی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے جب آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی فکیف اذا جئنا من کل امۃ الخ تو بے اختیار چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے، اکثر نماز میں رقت طاری ہوتی اور آنسو جاری ہو جاتے ....

.... (ایضاً ص ۲۱۳) ایک بار آپ ایک جنازہ میں شریک تھے قبر کھودی جا رہی تھی آپ قبر کے کنارے بیٹھ گئے اور آپ پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ آنسوؤں سے زمین نم ہو گئی پھر فرمایا بھائیو! اس دن کے لئے سامان کر رکھو (ایضاً) آپ کے ڈاکٹروں اور آپ کے ماہرین سائنس کا اس کے متعلق کیا خیال ہے ؟ آپ کے ڈاکٹروں اور ماہرین

فن نے تو شاید طے کر دیا ہے کہ زیادہ رونا صحت کے لیے مضر ہے اور ہنسی صحت کے لیے مفید ہے اور پھر آپ کے رسولؐ جو ساری دنیا کے لیے معلم بن کر آتے تھے (نعوذ باللہ) اتنی موٹی بات سے بھی واقف نہ تھے ؟

تہذیب فرنگ اور تعلیم جدید پر مٹے ہوتے دوستو اور عزیزو، ذرا سوچو کہ اس جدید زندگی کو اس نظامِ زندگی سے کوئی مناسبت ہے جو اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے تمہارے لیئے پسند کیا تھا ؟ کسی ایک جزئیہ کے صحیح یا غلط ہونے کا سوال نہیں کسی ایک معاملہ کے جائز و ناجائز ہونے کی گفتگو نہیں، تمدنِ جدید اور اس کے علوم و فنون کی ساری اسپرٹ ساری روح، تمھاری اسلامی زندگی کی روح سے کتنی بدلی ہوئی ہے! جو باتیں تمھارے ہاں انتہائی دانائی کی سمجھی اور بتائی گئی ہے وہ جدید معیار کے رو سے قابلِ مضحکہ ہیں اور جو چیزیں تمھاری نافہمی اور بے عقلی کی مترادف قرار دی گئی تھیں انھیں کو آج منتہائے ترقی و کمالِ عقل سمجھا جا رہا ہے! پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ تم ایک طرف اپنے خدا اور اپنے رسول صلعم، اپنے قرآن اور حدیث اپنے عقائد اور اپنے شعائر اور دوسرے طرف ان علوم و فنون ان نظریات و انکشافات کے ساتھ قلب کا یکساں و مساوی تعلق قائم رکھ سکو۔ ایک کو دوسرے کا یقیناً ماتحت کرنا پڑے گا اور آخری معیار کے طور پر دونوں میں سے ایک کو رد کر کے، صرف ایک ہی کو انتخاب کرنا ہو گا۔

اللہ سے دعا ہے کہ میرے بھائیو ہم کو اور تم کو، سب کو وہ انتخاب صحیح کی توفیق عطا کرے رسولؐ کی پیمبری پر اگر دل سے عقیدہ ہے تو عمل میں

پیروی کرنی چاہیئے اور اپنی زندگی کو اسی نمونہ پر ڈھالنا چاہیئے یہ تو نہیں کہ صرف انجمنوں اور مجلسوں یا مضمون نگاری و انشاپردازی کے وقت آپؐ کا نام بار بار زبان پہ لایا جاتے اور عمل میں حضور صلعم کے ساتھ تحقیر و تمسخر کا سلوک جاری رہے!

رسُول اللہ صلعم کا مجلسی دستور العمل

کان رسول اللہ صلعم لا یقوم ولا یجلس الا علی ذکر۔ واذا انتہیٰ الیٰ قوم جلس حیث ینتھی بہ المجلس ویامر بذلک..... مجلسہ مجلس علم وحیاء وصبر وامانۃ لا ترتفع فیہ الاصوات ولا تؤبن فیہ الحرام ولا تفشی فلتاتہ

(جمع الفوائد جلد ۲)

رسول اللہ صلعم کی نشست و برخاست خدا کے ذکر ہی پر ہوتی تھی اور جب آپ کسی مجمع میں تشریف لے جاتے تو جلسہ ہی کے کنارے پر بیٹھ جاتے اور اسی کا حکم فرماتے۔ آپؐ کی مجلس علم و حیا کی اور صبر و امانت کی مجلس ہوتی تھی نہ اس میں آوازیں بلند ہوتی تھیں نہ اس میں عزتوں پہ حملے ہوتے تھے اور نہ اس میں لوگوں کی کمزوریاں شائع کی جاتی تھیں!

اپنے رسولؐ کا مجلسی دستور العمل آپ نے سُن لیا؟ ہر صحبت؟ خدا ہی کے ذکر پہ شروع ہوتی تھی اور خدا ہی کے ذکر پر ختم بھی۔ آپ کی "زندہ دلی" اور "شگفتہ مزاجی" آپ کو بھی کبھی اس کی اجازت دیتی ہے؟ آپ کو بھی اپنی دوستانہ

اور بے تکلف مجلسوں میں کبھی ذکرِ الٰہی کی فرصت نصیب ہوتی ہے؟ حضورؐ جب کسی مجمع میں پہنچتے تو پاس ہی تشریف فرما تے تھے اور اسی کی تلقین دوسروں کو بھی فرماتے تھے۔ آپ نے سنا؟ آپ کے سرور سردار محض کونین کے سروسردار، جہاں کہیں تشریف لے جاتے، پیشوائی واستقبال کے انتظار میں نہیں رہتے تھے اس کی خواہش نہیں فرماتے تھے کہ جس طرح بھی ممکن ہو لوگوں کو ہٹا کر دھکے دے کر، صدر میں جگہ نکالی جائے آپ کا عمل کبھی بھی اس کے مطابق رہا ہے؟ کتنی دوستیاں اسی بات پر نہیں ٹوٹ چکی ہیں کہ محفل میں آپ کے اندازہ وتمنا کے مطابق آپ کی آؤ بھگت نہیں ہوتی؟ اور آگے سنیے۔ حضورؐ کی مجلس علم وحیا کی مجلس ہوتی تھی، نہ اس میں آوازیں بلند ہوتی تھیں۔ نہ لوگوں کی پردہ دری ہوتی تھی نہ کسی کے عیوب شائع کیے جاتے تھے، نہ کسی پر آوازے کسے جاتے تھے نہ کسی کو بنایا جاتا تھا، نہ پھڑکتے ہوئے لطیفے، نہ قہقہوں اور تالیوں کی گونج نہ کسی کی دل آزاری، نہ کسی کی غیبت، نہ کسی کی چغلی، نہ کسی کی پردہ دری نہ کسی کی تحقیر نہ کسی پر تعریض! نہ یہ اس پر فقرہ چُست کر رہا ہے نہ وہ اُسے گفتگو میں بند کر دینے کی فکر میں ہے! نہ فضول گوئی نہ افسانہ خوانی! نہ یہ تذکرے کہ راجہ صاحب کا الیکشن خوب لڑا، گاما پہلوان نے کشتی خوب نکالی اور نہ یہ چرچے کہ ماسکو میں اب کی سال برف خوب پڑی اور لنکا میں ایک اژدہا بھیڑیے کو نگل گیا!

رسول صلعم کی مجلس کا منظر آپ نے دیکھ لیا۔ اُمّت کی مجلسوں کا منظر ہر وقت اور ہر لحظہ آپ کے سامنے رہتا ہے، کھلے ہوئے فاسقوں اور مشہور و

مسلم بدکاروں کا ذکر نہیں، اچھے اچھے دینداروں عالموں اور مرشدوں تک کی مجلسوں کا کیا رنگ رہتا ہے؟ رشک وحسد، تمسخر وتعریض، مبالغہ اور جھوٹ غیبتوں اور چغلیوں، تعلیوں اور خودستائیوں، غفلتوں اور دل آزاریوں کا حصہ اگر نکال دیا جائے تو ہماری کسی مجلس میں گرمی مجلس کا کوئی سامان باقی رہ جائے گا؟ رسول صلعم کی مجلسوں سے اُمتِ رسول کی مجلسوں کو کچھ بھی مناسبت باقی رہ گئی ہے؟ جب یہ صورت حال ہے اور اس صورتِ حال پر قلق اور ملال نہیں، فخر واطمینان ہے تو اس پر حیرت کیوں کیجیے اور اس کا گلہ کیوں کرتے پھرتیے کہ رسول صلعم وصحابہؓ کی دینی برکتوں اور روحانی فضیلتوں کے ساتھ ساتھ، ان کا دنیوی عروج وکمال بھی آج اُمت کے لیے خواب وخیال ہے۔

رمضان اور بزرگانِ کرام

"پیغمبر خدا صلعم کریم ترین وجواد ترین خلق بود اَمّا در ماہِ رمضان سخاوت وبخشش او ہردم وایثار بے از ہمہ اوقات زیادہ بودے وصدقات وخیرات ہر ہمہ لیالی وایام مضاعف گشتے وبہ ذکر ونماز وتلاوت واعتکاف جمیع ساعات روز وشب را مستغرق داشتے وایں ماہِ عظیم را بہ عبادات گوناگوں مخصوص گردانیدے۔"

(سفر السعادۃ فیروز آبادی)

رسول اللہؐ کے جود وکرم کا دریا تو ہمیشہ ہی بہتا رہتا تھا لیکن ماہِ رمضان میں حضورؐ کی سخاوت وفیاضی اور خدمتِ خلق کی تو کوئی حد ہی نہیں رہتی تھی

اور صدقات وخیرات کا نمبر ہر زمانہ سے کہیں زائد بڑھ جاتا تھا اور ذکر الٰہی و نماز نوافل اور تلاوت قرآن و اعتکاف بس دن رات کی یہی مشغولیت تھی اور یہی شب و روز کا معمول اس سارے ماہِ مبارک کو آپؐ طرح طرح کی عبادتوں ہی کے لیے مخصوص رکھتے۔

رسولِ کریم صلعم کے رمضان کا حال آپ نے سُن لیا؟

"میں نے اپنے حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کو متعدد بار رمضانوں میں دیکھا ہے کہ باوجود ضعف و پیرانہ سالی کے مغرب کے بعد نوافل میں ۱/۴ پارہ پڑھتا یا سناتا اور اس کے بعد آدھ گھنٹہ کھانا وغیرہ ضروریات کے بعد ہندوستان کے قیام میں دو سوا دو گھنٹے تراویح میں خرچ ہوتے تھے اور مدینہ پاک کے قیام میں تقریباً تین گھنٹے میں عشاء و تراویح سے فراغت ہوتی اس کے بعد دو تین گھنٹے آرام فرمانے کے بعد تہجّد میں تلاوت فرماتے اور صبح سے نصف گھنٹہ قبل تناول فرماتے اس کے بعد صبح کی نماز تک کبھی حفظ تلاوت کبھی اوراد و وظائف اسفار یعنی چاندنی میں صبح کی نماز پڑھ کر اشراق تک مراقب رہتے اور اشراق کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ آرام فرماتے اس کے بعد سے تقریباً ۱۲ بجے اور گرمیوں میں ایک بجے تک بذل المجہود (شرح سنن ابی داؤد) تحریر فرماتے اور ڈاک وغیرہ ملاحظہ فرما کر جواب لکھواتے اس کے بعد ظہر کی نماز تک آرام فرماتے ظہر سے عصر تک تلاوت فرماتے، عصر سے مغرب تک تسبیح میں مشغول رہتے اور حاضرین سے بات چیت بھی فرماتے ... حضرت مولانا شیخ الہندؒ تراویح کے بعد سے صبح کی نماز تک نوافل میں مشغول رہتے تھے اور یکے بعد دیگرے متفرق

حفاظ سے قرآن مجید سنتے تھے اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری کے ہاں تو رمضان المبارک کا مہینہ دن و رات تلاوت ہی کا ہوتا ہے کہ اس میں ڈاک بھی بند اور ملاقات بھی ذرا گوارا نہ تھی۔ فخر کی بات نہیں تحدیث بالنعمتہ کے طور پر لکھتا ہوں، اپنی نا اہلیت سے خود اگرچہ کچھ نہیں کر سکتا مگر اپنے گھرانے کی عورتوں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہوں کہ اکثروں کو اس کا اہتمام رہتا ہے کہ دوسری سے تلاوت میں بڑھ جائیں خانگی کاروبار کے ساتھ پندرہ بیس پارے روزانہ پورے کر لیتی ہیں۔ (فضائلِ رمضان۔ از مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور)

حال کے بعض اولیائے اُمّت کے رمضان کا منظر بھی آپ نے دیکھ لیا؟ اب ارشاد ہو کہ آپ کے رمضان کو اس قسم کے رمضان سے کوئی نسبت اور کوئی مناسبت ہے؟ آپ کہتے ہیں کہ رمضان آگیا لیکن رمضان کیا نام ہے محض جنتری میں لکھے ہوئے سنہ قمری کے نویں مہینے کا؟ رمضان اگر واقعی آپ کے ہاں آگیا ہے تو کہاں ہیں آپ کی مسلسل عبادتیں اور ریاضتیں، نمازیں اور تلاوتیں، شب بیداریاں اور خلق کی خدمت گزاریاں، دعائیں اور مناجاتیں نیکیاں اور فیاضیاں؟ روزہ رکھنے والے ہی اوّل تو اب کتنے ہیں اور جو ہیں بھی ذرا ان کے معمولاتِ شب و روز پر ایک نظر کر جائیے وہی غفلتیں، وہی مدہوشیاں وہی غیبتیں اور وہی مردم آزاریاں، وہی بخل اور وہی اسراف، عبادت سے وہی نفرت اور فسق و فجور سے وہی رغبت! برسات نام بارش کے خوب ہونے کا ہے محض برساتی مہینوں کے آجانے کا نہیں، ساون بھادوں اگر خشک ہی گزر جائیں تو

تو زمین میں تری اور درختوں پر سبزی کہاں سے آتے گی؟ پھر ماہِ مبارک کے حقوق میں سے اگر ہم کوئی حق بھی نہیں ادا کر رہے ہیں تو ماہ مبارک کی برکتوں سے محرومی پر گلہ و شکوہ کس منہ سے کر سکتے ہیں؟

انقلاب

ہزارہا مے نوشوں اور بدمستوں کو جن کی گھٹی میں شراب پڑی ہوئی تھی یک بیک اس سے تائب پاکبازو پارسا کس نے بنا دیا؟ ہزارہا بدکاروں کو جن کا اوڑھنا بچھونا بدنظری، بدوضعی، بدچلنی تھا دیکھتے دیکھتے متقی و زاہد کس نے کر دیا؟ جس قوم میں چوری، خیانت، بدعہدی، کینہ پروری، خود بینی، نخوت، بیدردی، خونریزی، انسان کشی، برادر کشی عام تھی اس کے اندر صدیوں میں نہیں، سو پچاس برس کی مدت میں بھی نہیں، دس ہی بیس سال کے اندر اندر صلح و آشتی امن و اتحاد، حلم و عفو، سچائی اور دیانت، تواضع و فروتنی، مساوات و اخوت، ہمدردی و رحمدلی، برادر نوازی و اعزہ پروری کی روح کس نے پھونک دی ہے؟ جوا کس نے چھڑایا؟ بت پرستی کی رسموں کو دلوں سے کس نے اجاڑا؟ گندگی اور عفونت میں پڑے رہنے والوں کے ظاہر و باطن دونوں کو صاف، ستھرا، اجلا اور دلکش کس نے بنا دیا؟ توحید پرستوں، شرک سے نفرت کرنے والوں، روزہ داروں، تہجد گزاروں کی قوم کس نے پیدا کر دکھائی؟ جواب، جوشِ عقیدت سے نہیں، واقعات تاریخ سے طلب کیجیے۔

روحانی انقلاب اور اخلاقی اصلاح کو چھوڑیے، خالص مادی اور

اور دنیوی پہلو کو لیجئے۔ "جو کچھ" نہ تھے، وہ کس کے اثر و توجہ سے یک بیک" سب کچھ ہو گئے؟ جن کے ماتھ پاس خرمے کے چند باغوں اور اونٹوں کے گلوں کے سوا اور کچھ نہ تھا وہ کس کے فیض سے ملک کے نہیں، ملکوں کے، سلطنتوں کے مالک بن گئے؟ جس قوم پر اس کے ہمسائے ہنستے اور جسے ہمیشہ حقیر ہی سمجھتے رہے کیا ایسا ہو گیا کہ وہی قوم ان سب پر غالب، حاکم و متصرف ہو کر رہی؟ جو مفلس اور کنگال تھے وہ کیسے زردار خزینہ دار بن گئے؟ اور جو ذلیل و پست تھے اُن کا شمار معززین اور اقبال مندوں میں کیسے ہونے لگا؟ جو لوگ روم و فارس کے باجگزاروں سے دبے ہوتے تھے، وہ خود روم و فارس کے تاجدار ہو گئے یہ کس مرد بزرگ کی نظر کیمیا اثر سے ہے؟.... جواب اس کا بھی تقلیداً نہیں تحقیقاً تاریخ ہی کے اوراق سے حاصل کیجئے۔

دین و دنیا، دونوں کے انتہائی فلاح و بہبود کے جامع، مادی و روحانی دونوں ترقیوں کی ضامن کی حیثیت سے کوئی دوسرا نام پوری چھان بین میں تلاش و جستجو کے بعد بجز عرب کے نبی اُمّی کے ملے گا؟ "انقلاب" "انقلاب" سب پکارتے ہیں، "رفارم" "رفارم" کے نعرے سب لگاتے ہیں، ایسے معجزانہ انقلاب، ایسے حیرت انگیز اور کامیاب رفارم کی کوئی اور مثال آپ کو کہیں بھی ملے گی؟ اس واقعہ کے ہوتے، اس تجربہ کے باوجود، اس مشاہدہ کی موجودگی میں یہ کیسی محرومی اور کیسے حیف کی بات ہے کہ آپ کبھی ارسطو کے فلسفۂ اخلاق کا درس سننے کو دوڑتے ہیں کبھی افلاطون کی ری پبلک کے اوراق پر دیدہ ریزی کرنے کو لپکتے ہیں، کبھی دیوجانس کلبی کے "ٹب" کی طرف بڑھتے ہیں کبھی روسو کے معاہدۂ عمرانی

کی دفعات کی طرف کان لگاتے ہیں کبھی کارل مارکس اور لینن سے لو لگاتے ہیں اور کبھی مسولینی اور ہٹلر کو آخری سہارا سمجھنے لگتے ہیں! عقلی و قیاسی نظریات کو الگ کیجیے محض مشاہدہ و تجربہ کی راہ سے آپ شادابی، خوش بختی، سرسبزی کا رخ کدھر پارہے ہیں اور ویرانی، شور بختی، خشکی، پژمردگی، خانہ جنگی تباہی کدھر؟

اسوۂ رسول صلعم

ایک عزیز قریب ایک بڑے شہر میں عرصے سے ہیں، ریلوے آفس میں ایک عہدہ پر ہیں۔ حال میں اطلاع ملی، کہ اپنے نوجوان لڑکے کو انگریزی تعلیم کچھ تھوڑی بہت دُلادی، اُسے اُنھوں نے انجن ڈرائیوری میں بھرتی کرادیا ہے ٹریننگ ہو رہی ہے اور عنقریب ملازمت مل جائے گی شریف کا لڑکا اور انجن ڈرائیوری! دس روپیہ کی محرری نہیں، پولیس کی کانسٹبلی نہیں، عرائض نویسی نہیں اسٹامپ فروشی نہیں انجن ڈرائیوری! تنخواہ کچھ بھی سہی لیکن آخر ہے تو وہی ذلیل پیشہ کمینوں کے قابل! بھلا کسی شریف کی غیرت اُسے گوارا کرسکتی ہے؟ لڑکے کے والد کو آخر یہ کیا ہو گیا؟ خبر پر یقین کیسے کیا جائے؟ باپ دادا کی ساری عزت جہاں اُنھوں نے خاک میں ملا کر رکھ دی! خاندان کی ناک، بات کی بات میں کٹ کر رہ گئی! اب کوئی شریف تو اپنے پاس بٹھلانے کا روادار ہو گا نہیں، برادری میں کوئی لڑکی تو ایسے لڑکے کو ملے گی نہیں، فاقے ہوتے تو ہوا کرتے، دفتر کی کوئی نوکری ملتی بلا سے۔ آخر اور بھی تو ہزار ہا شریف زادے ٹھوکریں کھارہے ہیں، یہ کوئی سب سے نتے نرالے تھے۔ بھلا شرافت کہیں محنت مزدوری کر کے بھی قائم رہ سکتی ہے؟ ہاتھ

پیمبر کی مشقت کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔

یہ ذہنیت آج ہر طرف آپ پر مسلط ہے یا نہیں؟ ہر بڑی سے بڑی ذلت گوارا، ہر سخت سے سخت تکلیف قبول لیکن بھلا کہیں آپ اپنے ہاتھ سے لکڑی چیر سکتے ہیں؟ کہیں اپنے ہاتھ سے درخت سے اسٹیشن پر دوسروں کا نہیں خود اپنا اسباب اُٹھا سکتے ہیں؟ کہیں سب کے سامنے اپنے ہاتھ سے کنوئیں سے پانی بھر سکتے ہیں؟ کہیں سڑک پر رکشہ کھینچ سکتے ہیں؟ کہیں اپنے سر پہ بوجھ لے کر چل سکتے ہیں؟ کہیں حمالی کا، قلی گیری کا، خلاصی گیری کا، ٹانگہ بانی کا، وکٹوریہ بانی کا کام کر سکتے ہیں؟ کہیں دوسروں کا نہیں خود اپنا سودا بھی بازار سے اپنے ہاتھ سے لاتے ہیں؟ استغفر اللہ! کوئی آپ کی جانب ان چیزوں کا شُبہ بھی کرے تو اس سے لڑنے کو تیار ہو جائیں گے۔ آپ شریف ہیں، آپ معزز ہیں، آپ تعلیم یافتہ ہیں اور ظاہر و واضح ہے کہ شرافت اور عزت اور تعلیم، ان چیزوں کے بعد باقی کیونکر رہ سکتی ہے؟ صحابہؓ نے جو کچھ کیا ہو اُسے بھول جائیے علیؓ اور عمرؓ اور ابو بکرؓ نے جس جس طرح دوسروں کی خدمتیں کی ہوں، بھول جائیے ان سب کو بہر حال آپ کی عزت اور شرافت اور تعلیم کیسے ان ذلتوں ان حقارتوں کو برداشت کر سکتی ہے!

"جب رسول اللہ صلعم نے یہ خبر سُنی تب آپ نے خندق مدینے کے گرد کھودنے کا حکم دیا اور مسلمانوں کو رغبت دلانے کے لیئے رسول اللہ خود بھی اُس کے کھودنے میں مصروف ہو گئے...... خندق کھودنے میں رسول اللہ صلعم سے متعدد معجزے ظاہر ہوئے...... سلمان فارسیؓ کہتے ہیں: میں خندق کھودنے میں مصروف تھا کہ ایک عظیم الشان

پتھر نکل آیا ہر چند میں نے اُس کے اکھاڑنے کی کوشش کی مگر اس کو جنبش تک نہ ہوتی رسُول اللہؐ نے میری اس شدت کو دیکھ کر کدال میرے ہاتھ سے لی اور اس پتھر پر لگائی.... پھر رسُول اللہ صلعم نے دوسری مرتبہ کدال ماری پھر تیسری مرتبہ ایسا ہی ہوا" (سیرۃ ابن ہشام، ذکر غزوۂ خندق)

یہ خندق کھودنے والے سارے مسلمانوں کے صف بہ صف کھڑے ہو کر خندق کھودنے والے تھے کون؟ ہمارے شرفاء اور شریف زادے اور معززین اور تعلیم یافتہ، اُنھیں کی اُمت میں ہیں یا کسی اور کے؟ زبانی عقیدہ اور عمل کے درمیان کسی درجہ میں بھی تطابق باقی ہے؟

اسلامی تمدّن

آپ اپنے ہاں بیٹھے ہوتے ہیں، دوست احباب ملنے آتے ہیں آپ اُن کا مزاج پوچھتے ہیں، وہ آپ کا جواب دونوں کی زبان سے نکلتا ہے "الحمد للہ خیریت ہے" امتحان میں پاس ہوئے، مقدمہ میں کامیاب ہوتے اولاد ہوئی، بیماری سے اچھے ہوئے، تنخواہ میں ترقی ہوئی، غرض خوشی اور کامیابی کی کوئی بھی صورت بڑی یا چھوٹی ادھر پیدا ہوئی اور اُدھر زبان پر آیا الحمد للہ اور تو اور ہم محفل میں بیٹھے ہوتے ہیں کہ چھینک آئی۔ سُننے والا پاس سے بولا الحمد للہ اور جواب ملا یرحمک اللہ کوئی بیٹھنے سے اُٹھنے لگا، باہر سے گھر میں قدم رکھا، گھر سے باہر کے لیے قدم نکالا" گرنے سے سنبھلا، دسترخوان بچھایا، پانی کا گلاس ہاتھ میں لیا۔ جلسہ میں تقریر شروع اور خدا جانے اسی قسم کے کتنے بے شمار موقعوں پہ زبان نے کہا، بسم اللہ کسی

حادثہ کی خبر آئی، کوئی دنیا سے رخصت ہو گیا، کوئی قیمتی چیز ضائع ہو گئی دل کو صدمہ پہنچا اور زبان نے ادا کیا "انا للہ!"

کسی کا دل بڑھانا ہوا اور ہم نے کہا "ماشاء اللہ" کسی کا شکریہ ادا کرنا ہوا اور ہماری زبان پہ آیا "جزاک اللہ" کسی کو داد دینی ہوئی اور ہم بولے "سبحان اللہ" اپنی کسی غلطی کا احساس ہوا کسی سے معذرت کرنی ہوئی اور ہم نے پکار کر کہا "استغفر اللہ" شادی کی محفل میں دولہا نے "قبول کیا" کہا اور ہم نے نعرہ لگایا "بارک اللہ" حیرت یا عظمت کا احساس شدید ہوا، تو ہماری زبان پہ آیا "معاذ اللہ، العظمۃ للہ" یا صرف "اللہ اللہ" کسی کو رخصت کرنا ہوا تو ہم بولے "خدا حافظ فی امان اللہ" کسی کا دل گرمانا ہوا تو ہم پکارے "اللہ اکبر" کسی کو خط لکھنے بیٹھے، تو شروع یوں کیا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کسی سے مصافحہ کیا، تو زبان پر آیا "یغفر اللہ لنا ولکم" کسی موقع پر اپنی صفائی پیش کرنی ہوئی، کسی الزام سے اپنی تبری کرنی ہوئی اور زبان پہ آیا "حاشا للہ" کسی سے کوئی وعدہ کرنا ہوا، اپنا کوئی ارادہ ظاہر کرنا ہوا اور زبان سے بے ساختہ نکلا "انشاء اللہ!"

یہ سارے معمولات ہماری زندگی کا جزو بن چکے ہیں یا نہیں؟ عالم و عامی امیر و غریب سارے مسلمان گھرانوں میں اُٹھتے بیٹھتے یہ کلمے مروج ہیں یا نہیں؟ دین کے اثر سے اس کثرت سے ذکرِ الٰہی ہماری تہذیب ہماری معاشرت ہمارے تمدن میں رچ گیا، رس بس چکا ہے یا نہیں؟ اس کثرت سے خدا کا نام جینے کی مثال کسی اور مذہب میں ہے؟ کسی اور تمدن میں ہے؟ مسلمان تو مسلمان ہندو، مسیحی، زرتشتی جس کسی کو بھی مسلمانوں سے زیادہ عرصہ تک صحبت نصیب ہو

گئی، جو کوئی بھی مسلمانوں سے زیادہ گھل مل کر رہا، اُسے کب ان الفاظ اور فقروں سے پرہیز باقی رہ گیا؟ کشمیری پنڈتوں اور کائستھوں کو کس نے بے تکلف "ان شاء اللہ" اور "سبحان اللہ" بولتے اور لکھتے نہیں دیکھا ہے۔ ستم ہے جو تمدّن "فنا فی اللہ" کی ایسی نمایاں شان اپنے اندر رکھتا ہو، جس کا اوڑھنا بچھونا ہی ذکرِ الٰہی ہو، خود اسی کے وجود سے انکار کر دیا جائے اور ایک مصنوعی بھولے پن کے ساتھ یہ ارشاد فرما دیا جاتے کہ "مسلمانوں کا مخصوص تمدّن ہے کہاں" یہ ظالم سوال یہ کہ "مسلمانوں کا مخصوص تمدّن زندگی میں نہیں کہاں ہے؟

شخصی اصلاح و ضبط کا پروگرام

اسلام کی مملکت میں سالانہ پریڈ کا موسم آگیا، پریڈ پورے ایک مہینہ ہو گی۔ کیمپ لائف ایک چاند سے دوسرے چاند تک جاری رہے گی مہینہ سستی اور کاہلی، ضعف اور افسردگی کا نہیں چستی اور چالاکی، ہمت اور مستعدی کا ہے۔ مسلمان بوڑھے اور جوان لڑکے اور لڑکیاں، امیر اور غریب صبح منہ اندھیرے سے لے کر شام تک بھوکے اور پیاسے رہیں، میاں بیویوں سے الگ رہیں گے صبح کے ناشتے موقوف، دوپہر کے کھانے بند، سہ پہر کی پارٹیاں ناغہ چائے کے دور رخصت، حقہ، پانی، سگریٹ کے چرچے غائب، شربت کے گلاس خشک، مسلمانوں کو اپنے صبر، ضبط، ہمت کا امتحان دینا ہے۔ نمازیں آج کھٹیں گی نہیں، رعایت اس باب میں کچھ بھی نہ ہوگی، نفلیں کچھ اور بڑھ ہی جائیں گی۔ تلاوتِ قرآن اگر روز ایک پارہ ہوتی تھی تو آج کئی پارے ہوں گی۔ قرآن سے کچھ نہ کچھ تعلق مسلمان

کو ہمیشہ ہی رہتا ہے آج اور بڑھ جائے گا۔ غیبت سے لطف لینا ہمیشہ ہی حرام تھا آج یہ حرمت اور بھی شدید ہو جائے گی، بے جا غصہ کا پی جانا ہمیشہ ہی واجب تھا آج واجب تر ہو گیا، جود و سخا کی تاکید ہمیشہ ہی تھی آج ہر مسلمان زیادہ تر، ہمدرد سے ہمدرد تر ہو گا!

اسلام کی اپنی حکومت جہاں کہیں بھی ہے اب دن میں کھانے پینے کے بازار سرد رہیں گے ہوٹلوں میں سناٹا رہے گا، امیروں کے باورچی خانے ٹھنڈے رہیں گے غریبوں کے چولھے سے دھواں نہ اٹھے گا، مسلمان دن بھر اپنے ہر جائز کاروبار میں، ہر جائز پیشہ میں لگا رہے گا۔ کمائے گا بھی اور قرآن بھی پڑھے گا، اور شام کو جب خدائی مہر ٹوٹے گی جب غیبی بگل ختم مجاہدہ کا ہو گا، تو دن بھر بعد بھی اس وقت تنہا خوری نہ ہو گی ہر مسلمان اپنی اپنی حیثیت کے مطابق دوسروں کو بھی کھلائے گا، پلائے گا، اپنے رب کی نعمتوں میں اس کی مخلوق کو بھی شریک کرے گا اور اس کے بعد یہ نہ ہو گا کہ دن بھر کی مشقت کے بعد شام ہی سے تھک کر، چور ہو کر، پلنگ پر پڑ رہے اور رات بھر سویا رہے۔ عشا کی نماز ہمیشہ ہی طویل ہوتی تھی آج کہیں زیادہ طویل ہو گئی۔ گھر سے نکل مسجد میں جا، جماعت کے ساتھ بیس بیس رکعتیں اور ہر ہر رکعت خاصی طویل، آج اور زائد پڑھے گا! یہ ہے امیر و غریب ہر مسلمان لشکر اسلام کے ہر سپاہی کا عمل، خوشگوار اور تازہ دم کر دینے والا پروگرام پورے مہینہ بھر کے لیے! سستی کاہلی اور بدہمتی کا اسلام کے اندر گزر کہاں ہے؟

— — — —

بدر و احد، حنین و خیبر کے معرکوں کو چھوڑ دیجیے پلیونا کی جنگ تو ابھی پچھلی

ہی صدی میں اسلام کے شیر دلوں اور عالی ہمتوں کو نہیں، بہت ہی ضعیف و ناتواں سپاہیوں کو لڑنی پڑی تھی۔ ترک غازی، عثمان پاشا کی قیادت میں قلعہ میں گھر گئے اور زبردست دشمن قوت غنیم نے محاصرہ کر لیا۔ رسد ختم اور باہر کا راستہ مسدود۔ بھوکے شیروں کی ہمت اور بے جگری میں ذرا فرق نہیں لڑائی ختم ہوتی ہے اور اعتراف، اپنوں کی زبان سے نہیں، دشمن کی زبان سے شائع ہوتا ہے کہ ترک جو دن بھر روزہ رکھ رکھ کر لڑنے کے عادی تھے یہ انھیں کا کام تھا، جو یوں فاقے کر کر کے مقابلہ کرتے رہے! شخصی اصلاح وضبط کا اور قومی عزم وہمت کی بیداری کا، زندگی میں ایک نئی روح پھونک دینے کا، گرما گرم خون کی نئی لہریں دوڑا دینے کا۔ یہ بے نظیر اور کسی قیمت پر بھی ہاتھ نہ آنے والا، ہمارے ہاں موجود، اس کے مقابل کا کوئی ادارہ نہ کسی قوم وامت میں موجود نہ کسی اور مذہب وملت میں۔ اور ہم ہیں کہ اس نعمت کی ناقدری پہ ہر پہلو سے تلے ہوتے!

عالمِ روحانیات کا موسمِ بہار

روحانیات کے عالم میں موسم بہار ختم ہونے کو آ گیا۔ امت کے "ریفریشر کورس" کے خاتمہ کو ایک ہفتہ رہ گیا سپاہیوں کے قدم کی رفتار تیز سے تیز تر ہو گئی۔ آخری فرصت کو غنیمت سمجھ سیکھنے والوں اور حاصل کرنے والوں کی ہمت اور مستعدی بڑھ گئی، طلب اور تڑپ دوچند ہو گئی، رمضان کا مبارک مہینہ، سستی اور کاہلی، پڑے رہنے اور انگڑائیاں لیتے رہنے کا مہینہ کبھی بھی نہ تھا۔ آخری ہفتہ میں چستی اور مستعدی اپنے حدِ کمال کو پہنچ گئی مہینہ کا پہلا عشرہ رحمت کا

تھا (اولہ رحمتہ) تمام تر نیکی کے قویٰ کو تحریک ہوتی رہی، دوسرے عشرہ سے نتائج ظاہر ہونے لگے، دلوں سے زنگ دُور ہو گئے، رُوح میں جلا آگئی (اوسطہ مغفرۃ)، تیسرا عشرہ نچوڑ کا ہے، رہی سہی کثافتیں بھی دُور ہو جائیں گی، ایک ایک فرد اور ساری کی ساری اُمت نکھر جائے گی، سنور جائے گی، سدھر جائے گی (وآخرہ عتقٌ من النار) حدیث میں آتا ہے کہ اس فوج کا سردار اعظمؐ آخر عشرہ میں تمام تر وقفِ عبادت ہو جاتا تھا، تعلقاتِ خلق سے وقتی انقطاع کے ساتھ مصروفیت ویکسوئی براہِ راست خالق و فاطر کے ساتھ ہو جاتی تھی!
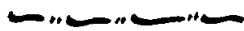
خبر دی ہے اس نے جس کی دی ہوتی ہر خبر سچ اور سچی ہی نکلی ہے کہ اسی مشق و ریاضت والے مہینہ (شہر الصبر) اسی رحم و ہمدردی والے مہینہ (شہر المواسات) کے آخری عشرہ میں کوئی رات ایسی بھی آتی ہے جو سال کی ہر رات عمر کی ہر رات سے بڑھ کر قیمتی اور قابلِ قدر ہوتی ہے ڈھونڈو اُسے آخر کی پانچ طاق راتوں میں۔ اللہ والے اس تلاش میں ساری ساری رات جاگ کر گزارتے ہیں اور دن بھر کی بھوک، پیاس کے ساتھ ساتھ رات کی نیند کی قربانی بھی بے تکلف اور بہ مسرت اپنے ان دیکھے مولیٰ کے حضور میں پیش کر دیتے ہیں، کہ رحمت کے فرشتے جس وقت بھی انھیں ڈھونڈتے ہوئے آئیں غافل نہیں، ہوشیار و مستعد، اپنی چاکری پر کمر بستہ، اپنی ڈیوٹی پر مسلح پائیں! جو اُمت ہر سال اس مجاہدہ کی منزلوں سے گزرتی ہے دنیا کی جدوجہد میں اُسے کسی قوم سے بھی پیچھے رہنا چاہئے؟ ہنگامۂ عمل میں کسی سے بھی بچھڑ جانے کا خطرہ اُسے ہے؟

تیسویں دن یا اکتیسویں دن خوشی کا دن ہوگا۔ سالانہ جشن کی تاریخ ہوگی اللہ کے دربار میں اللہ والوں کے میلہ لگنے کی گھڑی آئے گی۔ یہ انوکھے میلہ والے گھروں سے نکلیں گے، فحش گیت گاتے ہوئے نہیں، ایک دوسرے پر رنگ کی کیچڑ اچھالتے ہوئے نہیں، پاک صاف ہوکر، نہا دھوکر، دلوں میں اللہ کا نام جپتے ہوئے، زبانوں سے توحید کی بڑائی پکارتے ہوئے شہر کے باہر یا محلہ کے مرکز میں جمع ہوں گے، ناچ ناٹک، سوانگ دیکھنے نہیں، گھوڑ دوڑ میں بازی لگانے نہیں، کارنیوال میں پانٹ ڈالنے نہیں، حمد و تسبیح کے لیئے رکوع و سجود کے لیئے، توحید کی گواہی، رسالت کی شہادت کے لیئے آج نہ کوئی بڑا ہوگا نہ کوئی چھوٹا۔ نہ کوئی آقا اور نہ کوئی رعایا، نہ کوئی شریف نہ کوئی رذیل۔ محمود و ایاز ایک صف میں کھڑے ہوں گے، محلہ کے دھوبی بہشتی، نائی جو رئیسوں کی ڈیوڑھیوں اور حویلیوں پر گھنٹوں کھڑے اور پہروں پڑے رہتے ہیں اور پھر باریابی نہیں ہوتی، آج بے تکلف اور بلا جھجک انھیں رئیسوں، امیروں نوابوں کے شانہ سے شانہ ملائے کھڑے ہوں گے، ایک ساتھ اٹھیں گے ایک ساتھ جھکیں گے، ایک ساتھ دعاؤں کے لیئے ہاتھ اٹھائیں گے! زبانیں ایک ہوں گی، ہاتھ پیر ایک ہوں گے، عجب کیا ہے جو اس ظاہری اور خارجی یک رنگی، یک جہتی یک سوئی سے دل اور روحیں بھی ایک ہو جائیں!

زندہ مذہب

دنیا میں جتنی بھی سلطنتوں کی فوجیں ہیں، بڑی سے بڑی، اور بہتر سے بہتر بہر حال زمین کے کسی مخصوص خطہ درقبہ کے اندر ہی ان کا وجود ہے اب فرض

کہیے کوئی فوج ایسی ہے جس کے سپاہی تھوڑے یا بہت روئے زمین کے ہر حصہ ہر گوشہ میں پھیلے ہوئے ہیں اور ایک ہی وقت میں آسٹریلیا میں بھی اور افریقہ میں بھی، ہندوستان میں بھی اور چین میں بھی، استنبول میں بھی اور لندن میں بھی۔ مختلف عمروں کے، مختلف صحتوں کے، مختلف پیشوں اور مشغلوں میں عورتیں بھی مرد بھی، گورے بھی کالے بھی۔ اسی اسی سال کے بوڑھے بھی بارہ بارہ، پندرہ پندرہ سال کے لڑکے بھی۔ ادھر اس کا فوجی بگل بجا، اور ادھر ایک ایک سپاہی اس منتشر فوج کا، اپنی اپنی جگہ پریڈ کے لیے آمادہ ہو گیا! تنہا ہوا تو تنہا۔ اور کئی ہوئے تو مل جل کر پھر یہ پریڈ کسی موسم کسی مہینہ کے ساتھ مخصوص نہیں، گرمی میں لو بدن جھلسائے دے رہی ہو تو، جاڑے میں برف پڑ رہی ہو تو، برسات میں مینھ کی جھڑی لگی ہو تو،

——————— سال کے پورے تین سو پینسٹھ دن وہ پریڈ لازمی، سفر ہو تو، حضر ہو تو، پریڈ کی پابندی سے معافی نہیں۔ ایسی عجیب و غریب فوج کی مثال آپ نے کہیں دیکھی ہے؟ اس ڈسپلن کی نظیر کہیں ملے گی؟ اسے شکست دینے کا حوصلہ دنیا کی کوئی قوت رکھ سکتی ہے؟

فوج نظروں سے غائب نہیں، نگاہوں کے روبرو ہے آپ کے گرد اگرد ہے عجب نہیں کہ آپ خود اسی فوج کے سپاہی ہوں۔ مسلمان دنیا کے کسی حصہ میں ہو کسی حال میں ہو، ادھر نماز کا وقت آیا، ادھر معاً کھڑا ہو جائے گا۔ تنہا ہے تو دست بستہ اور جماعت میں ہے تو صف بستہ! وہ منتظر پریڈ کے بگل کا نہ رہے گا، اپنے لشکر کا وہ آپ بگلچی ہے اذان تو بس کہیں کہیں ہوتی ہے۔ وقت آنے پر وہ آپ ہی اٹینشن ہو جاتے گا۔ مسلمان امیر و اسیر اے کی پارٹی میں جاتے پی رہا ہے، مغرب کا وقت آتا

ہے معاً وہیں سبزہ پر قبلہ رُخ کھڑا ہو جاتا ہے۔ مسلمان غریب جنگل میں لکڑی کاٹ رہا ہے پسینے میں تر ا بور ظہر کا وقت آیا، اور جنگل میں اس نے اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لیے! جہاز چلے جا رہے ہیں اور نمازیں ہوتی جا رہی ہیں۔ ریل چلی جا رہی ہے اور کھڑے یا بیٹھے جس طرح بھی ممکن ہے، نماز ادا ہو رہی ہے آس پاس کے مسافر سو رہے ہیں، ہنس بول رہے ہیں، تاش کھیل رہے ہیں، لڑ جھگڑ رہے ہیں، مسلمان مسافر مصلے بچھانے کی فکر میں ہیں۔ ریل ٹھہری دوسرے مسافر سودے والوں پر ٹوٹ پڑے، مسلمان مسافر وضو اور نماز کی دوڑ دھوپ میں۔ شام کے وقت پارک میں تماشائیوں کا ہجوم، بازاری گاہکوں کی دھوم رات کے وقت کا سناٹا صبح کی ٹھنڈی ہوا، دوپہر کو اور سہ پہر کو عدالتوں میں، دفتروں میں، اسکولوں میں، کاروبار کی گرم بازاری میں، مسلمانوں کی لو اپنی اسی پریڈ سے لگی ہوئی! یہ پریڈ بھی دن رات میں ایک بار نہیں پانچ پانچ بار صبح بھی، دوپہر بھی، سہ پہر بھی، شام بھی، رات بھی!

زندہ مذہب خالی الذہن ہو کر سوچیے، یہ ہے یا کوئی اور بے حرکت اور زندگی جو اس مذہب میں ہے، اس کی نظیر کہیں اور ملے گی؟ یہ چوبیسوں گھنٹے والا زندہ، بیدار، متحرک مذہب اسلام ہی ہے یا کوئی اور؟ اور اس مستمر مستقل ہمہ وقتی، ہمہ جاتی، ڈسپلن کی بیداری کی، چستی کی، مستعدی کی، تازگی تعلق کی مثال دنیا کی کسی بڑی سے بڑی ڈسپلن والی فوج میں ملے گی؟ جرمنی میں؟ امریکہ میں؟ روس میں؟ برطانیہ میں؟ حیف ہے کہ جس قوم یا امت کے اندر خود اتنا زبردست نظم، ایسی عظیم الشان تنظیم موجود ہو، اس کے افراد ثابت ہوں، کارزارِ حیات کے

کسی معرکہ میں، دنیا و عقبیٰ کے کسی میدان میں بھی سست اور کاہل، پست ہمت اور ناکارے، غافل و خوابیدہ!

ایک نعمت

سال بھر کے بعد پھر آپہنچی ۱۴، ۱۵ شعبان کے درمیان کی مقدس رات، حدیثیں اس مقدس رات کی برکتوں اور فضیلتوں سے بھری پڑی ہیں رسول اللہ صلعم اس شب کو عبادتوں اور دعاؤں کے لیے مخصوص رکھتے، دعائیں زندوں کے لیے بھی اور مُردوں کے حق میں۔ شب کو اٹھ کر قبرستان میں جانا بھی آپ سے ثابت ہے۔ آج بھی اولیائے اُمت ساری ساری رات جاگ کر کاٹتے ہیں۔ یکسوئی کے ساتھ اپنی توجہ خالق کے ساتھ قائم رکھتے ہیں۔ رمضان کا مہینہ، افراد کے لیے تزکیہ و تصفیہ کا، اور ملت کے لیے سالانہ پریڈ کا اہم ترین موسم شروع ہونے کو ہے حق یہ ہے کہ اس کا استقبال بھی ہونا اسی شان سے چاہیے روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ آج کی رات، عالم بالا میں قضا و قدر کی رات ہے یعنی سال بھر کے تکوینی احکام عالم ناسوت کے لیے اسی شب میں جاری ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلعم ۱۵ شعبان کو دن میں روزہ رکھتے۔ روزہ خود ایک مستقل عبادت دن بھر کی ہے صبح تڑکے سے لے کر شام تک کے وقت کا ایک ایک لمحہ عبادت ہی میں شمار کیا جاتا ہے اور آپ تو اس کے علاوہ بھی عبادتوں کا

سلسلہ جاری رکھتے عبادت تام محض اوراد و نوافل کا نہیں جو عمل بھی اللہ سے تعلق جوڑے، جس عمل سے بھی مقصود رضائے الٰہی ہو، سب داخل عبادت ہیں اصل شئے اللہ سے وابستگی ہے، سو جن طریقوں سے بھی حاصل ہو۔ رسولؐ کا یہ دن اور دونوں سے زائد وقت رہتا تھا عبادت کے لیئے اور یہی طریقہ رہا کیا صالحین اُمّت کا۔ کوشش کریں ہم اور آپ کہ ہم کو بھی ان سعادتوں کا کچھ حصّہ نصیب ہو جاتے اور ہماری قسمت میں بھی بزرگی نہ سہی، بزرگوں کا تشبہ ہی آجاتے۔ ساری رات کی بیداری نہ سہی، گھنٹہ، آدھ گھنٹہ کچھ ہی نصیب ہو جاتے۔

اب ان سطور کے لکھنے والے کی آپ بیتی سُنیئے کہ اب تک یہ تاریخ عزیز تھی، ایک سفید بالوں والی ضعیفہ کی خاطر سالہا سال سے یہ صورت تھی کہ انتظار اور اشتیاق رہا کرتا تھا اِس رات کا، کہ چند گھنٹے نہ سہی، چند منٹ تو بہرحال مل جائیں گے اس ضعیفہ کے حق میں دعا کرنے کے، اُس دعا کے لیئے کہ اس کا سایہ کم ازکم اس سال بھر تو اور سر پہ قائم رہ جاتے۔ دُعا برسوں کی گئی اور برسوں قبول ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ بندہ نواز کی حکمت اور مشیت آخر غالب آکر رہی، بندہ کی آرزو اور تمنّا پڑی اور رہ گئی، کہ اب وہ سہارا واپس لے لیا گیا! کل تک دعائیں جس کی صحت اور زندگی کے لئے تھیں، اب انشاءاللہ اُس کی مغفرت اور درجاتِ عالیہ کے لیئے ہوں گی!

خوش نصیب ہیں ان سطور کے وہ پڑھنے والے جن کے سروں پر ماں کا سایہ ابھی قائم ہے۔ قدر پہچان لیں اس نعمت کی، قبل اس کے کہ نعمت

کی واپسی کا حکم آجائے! نہ ہو اس لکھنے والے بدنصیب کی طرح جس نے کبھی قدر نہ کی، کہ انھیں بھی عمر بھر کے لیے یہ پچھتاوا باقی رہ جائے!

ہو الشافی

کسی مسلمان طبیب کو نسخہ لکھتے آپ نے دیکھا ہے؟ معالج کوئی کیسے مسلمان تھوڑے ہی ہیں، حکیم، ڈاکٹر، وید کے پیشے میں ہر مذہب اور ملت کے لوگ ہیں۔ سوال مسلمان طبیب کے نسخے کے باب میں ہے ہاں ہاں تو مسلمان طبیب نسخہ لکھنے کو قلم اٹھاتا ہے تو شروع دوا سے نہیں کرتا، دعا سے کرتا ہے قبل اس کے کہ نام ایک دوا کا بھی لکھے، نام دوا اور تاثیر والے کے خالق کا لیتا ہے اور سب سے پہلے نسخہ کی پیشانی پر ہو الشافی لکھتا ہے اور مریض کو سناتا ہے کہ شفا کہیں میرے ہاتھ میں نہ سمجھ لینا وہ اختیار اور قدرت میں تو کسی اور ہی کے ہے، میں تو ایک بے بس اور بے جان واسطہ ہوں اپنے نفس کو بتاتا ہے کہ تاثیر دواؤں میں نہیں، دواؤں کے خالق میں ہے، میں خود کیا چیز ہوں، جو کچھ بھی ہے میرا پروردگار ہی ہے دنیا پر اعلان کرتا ہے کہ شفا کسی دیوی دیوتا کے بس میں نہیں ان کے اُن کے ہاتھ میں نہیں، صرف ایک مالک و مولیٰ، قادر و مختار کے ہاتھ میں ہے!

طب کو "طبِّ یونانی" کہتے ہیں، اور یونان معلوم ہے کہ دینداروں اور متقیوں کی نہیں، مشرکوں اور بت پرستوں کی بستی تھی، وہاں تو پوجا صحت

وشفا کے دیوتا عسقلبیوس کی ہوتی تھی اور منتیں اور نذریں اُس کی لڑکی ہائیجیا (HYGEIA) کے مندر پر چڑھائی جاتی تھی (انگریزی لفظ "ہائیجین" جو حفظانِ صحت کے معنی میں مستعمل ہے اسی دیوی کے نام سے مشتق ہے) وہاں کا طبیب اعظم بقراط تو توحید کے نام سے بھی شاید نا آشنا ہو، اور مشہور عالم ماہرِ فن جالینوس شرک کے مندر کا پجاری تھا۔ اس کافر کو مومن بنانا، اس مشرک کو کلمۂ توحید پڑھا دینا کام فرزندانِ اسلام کا تھا، اعجاز خود دینِ فطرت کا تھا جس چیز کو چھو لیا اُسے اپنا لیا، جس راستہ سے گزر ہو گیا، اُدھر سے خوشبو توحید کی آنے لگی، جس عمل میں ہاتھ لگایا، اُسے عبادت بنا دیا نسخے ہندو اور عیسائی، یہودی اور پارسی، سکھ اور جین سب ہی لکھتے ہیں اور اپنے نزدیک خلقِ خدا کی خدمت کرتے رہتے ہیں مسلمان کے قلم نے اس نسخہ نویسی کو بھی براہِ راست خالقِ اکبر کی عبادت بنا دیا!

اشخاص میں، افراد میں، انقلاب پیدا ہوتے سب ہی نے دیکھا ہے جماعتوں، گروہوں، طبقوں تک کی کبھی کبھی کایا پلٹ ہو جاتی ہے لیکن علم و ادب کا نقطۂ نظر بدل دینا، فنون و صنایع کا رُخ ہی سرے سے پلٹ دینا، یہ کارنامہ ہے بے مثال اور بے مثل، ہماری تاریخ کا یا اکیلی طب پر موقوف نہیں فلسفہ اور منطق اور ہیئت اور خدا معلوم اور کیا کیا خاک بلا، ہم نے دوسروں ہی سے لیا، منکروں اور مشرکوں، ملحدوں اور بد دینوں سے لیا، اور دَم کے دَم میں کیا سے کیا کر دیا!

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے — کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا!

جو گمراہیوں کے گڑھ تھے، وہی رشد و ہدایت کے مرکز بن گئے، جو راستہ کا خشک اور مُردہ پتھر تھا، وہ ہیرے کی چمک دمک کے ساتھ جی اُٹھا! اور جو عنصری تھا اُسے زیادہ سے زیادہ ملکوتی بنا دیا تھا۔ ایک دور وہ تھا اور ایک دور یہ ہے کہ تہذیب جاہلی کی تجدید کے ساتھ، انسانیت کا ہر عنصر درندگی میں تبدیل ہو گیا اور مطمحِ نظر بجائے ملکوتیت کے بہیمیت قرار پایا گیا۔ وہی چوپایوں کی طرح علوم عالیہ عقلیہ روحانیہ سے غفلت، وہی درندوں کی طرح کھانے پینے، لڑنے بھڑنے، ایک دوسرے کو نوچ لینے پھاڑ کھانے میں انہماک، وہی جانوروں کی طرح بھاگ دوڑ، اچھل پھاند اور سانڈ ان کی تیزی کو حاصلِ ترقیات اور خلاصۂ کمالات سمجھنے کی خصلت اور ٹھیک وہی بے ہوشی اور بے خبری اور اجنبیت فرشتوں کے نام سے، اللہ کے احکام سے، جنت کے ذکر سے آخرت کی فکر سے!

زندگی کا سفر

نشرگاہِ حیدرآباد سے ایک یورپ دیدہ اور روس رسیدہ اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمان نے ابھی حال میں اپنے نشریہ میں کہا:۔

میں سفر روس کے لیے ایک روسی جہاز پر چڑھا یہ ایک چھوٹا سا جہاز تھا، جو لندن اور لینن گراڈ کے درمیان مسافر لاتا لے جاتا تھا، فرسٹ، سیکنڈ، اکانمک، سیکنڈ تھرڈ

وغیرہ سب ندارد، امیر غریب سب ایک لکڑی سے ہانکے جاتے تھے
عام طور سے جہازوں پہ عمدہ عمدہ کھانے اور میوے ملا کرتے
ہیں اور اشاروں پہ نوکر کام کرتے ہیں۔ یہاں کھانا تو پیٹ بھر
کر ملتا تھا لیکن موٹا جھوٹا۔ جہاز کے نوکر میز پہ کھانا لاکر جما
دیتے تھے اب آپ کا کام تھا کہ اپنی مدد آپ کریں یا ایک
دوسرے کی۔ لیکن کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ نوکر کو درمیان
میں آواز دیں۔ مجبوراً آپ نوکروں سے اور وہ آپ سے ایسی
بات چیت کرتے جیسے دو برابر کے آدمی ایک دوسرے
سے کیا کرتے یہ نوکر کو توارش یعنی بھیا کہتے اور وہ آپ کو
توارش یعنی بھیا کہتا۔"

یہ داستان کہاں کی بیان ہو رہی ہے؟ اپنوں کی یا غیروں کی؟
نام تو غیروں کا ہے لیکن سرگزشت بالکل اپنی ہی ہے۔ یہ قصّہ تو ایک چھوٹے
سے سمندری سفر کا ہے ہم نے تو اپنی ساری زندگیوں کے سفر اسی انداز سے
گزار دیے ہیں۔ ہم نے تو پوری عمریں اسی معاشرت میں بسر کردی ہیں، سلامت
رہے مجبیت، عمر دراز ہو ہندیت کی، ورنہ ہم کیا جانیں نوکر سے تو بکار کرنا، زرخرید
غلام سے بھی ایسے تپے کرنا ہمارے عبادات خانے کیا جانیں فرسٹ اور سکینڈ
اور تھرڈ کلاسوں کی تفریق ہماری نماز کی صفوں میں تو مخدوم اور خادم
رئیس اور رعایا، شانے سے شانہ ملاتے ہوتے قدم سے قدم بھڑاتے ہوتے!
ہمارے دستر خوانوں پہ تو آقا اور غلام پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوتے!

اسی جہاز کا ایک دوسرا منظر:-

"جہاز کے نوکروں کا ایک کلب تھا، جہاں وہ بعض دفعہ مسافروں کو بلاتے تھے۔ اس میں معمولی کھیل، اخبارات رسائل کتابیں وغیرہ تھیں شام میں گانے اور ڈرامے ہوتے تھے ایک نمایندہ کمیٹی سب پر حکومت کرتی تھی لیکن دوران سفر میں اس پر لازم تھا کہ وہ کپتان کے ہر حکم کی تعمیل کرے۔ سفر ختم ہوتے ہی کپتان بھی اسی کمیٹی کے تحت ہو جاتا تھا اور بندرگاہ میں پہنچ کر کمیٹی اس کی مجاز ہوتی تھی کہ اگر دوران سفر میں کوئی سختی کی گئی یا ناجائز حکم دیا گیا تو اس کے متعلق کپتان کا جواب لے اور اس سے باز پرس کرے۔ ان مقدمات کا آخری تصفیہ جہازیوں کی صدر کمیٹی کرتی تھی۔"

پھر وہی سوال کہ ذکر اپنوں کا ہو رہا ہے یا غیروں کا؟ پھر وہی جواب کہ نام غیروں کا لیکن داستان اپنی! نماز کے وقت ہر امام جماعت کتنا صاحبِ اختیار! امامت حبشی غلام کر رہا ہے اور نماز میں بڑے بڑے شیخ وقت شریک ہیں۔ اٹھیں گے اُس کے حکم پر، بیٹھیں گے اسی کی آواز پر، جھکیں گے اسی کے اشارے پر! کتنا سخت ڈسپلن، کتنی کڑی اطاعت! اور ادھر نماز کے باہر اور اُدھر مقتدی و امام سب برابر! کوئی امتیاز ہی نہیں۔ اور ایک امام جماعت ہی کی تاکید کیوں، ہمارے قاضی، ہمارے حاکم، یہاں تک کہ ہمارے خلیفہ۔ کون ان میں سے اس قاعدہ سے الگ اس کلیہ سے

مستثنیٰ ہے کون ان میں سے مطلق الاختیار ہے کس کی پیشانی عبدیت کے ٹھپّے کی چمک دمک سے محروم!

آخری منظر

"جب ہم جہاز سے اُترنے لگے، تو دستور کے موافق جہاز کے نوکروں کو کچھ انعام دینا چاہتے تھے لیکن انہوں نے ایک نوٹس کی طرف اشارہ کیا اور اصرار کے باوجود ایک حبّہ لینے سے انکار کیا، اور کہا ہمیں اپنی ضروریات کے لیئے کافی ملتا ہے"

اللہ اللہ! ایک انسانی ہاتھ کے لکھے ہوئے نوٹس میں یہ اثر اور یہ قوت! جو کسی کے دل کی لوح پر ایک حاضر و ناظر! ہمہ داں، ہمہ بیں، ہمہ تواں مالک و مولیٰ کا خوف مسلّط ہو تو وہ بھی کبھی کسی کی ترغیب کا شکار ہو سکتا ہے؟ اس کا قدم بھی لغزش کھا سکتا ہے؟ بھلائیاں اور خوبیاں دُنیا میں جہاں کہیں بھی ہیں، سب ہمارا ہی تو ہلکا سا عکس ہیں ہمارے ہی ہاں کی تو جھلکیاں ہیں۔

آنکس کہ گفت قصّۂ ما ہم زما شنید

کوئی نئی خوبی کسی نئے نظام میں کوئی لائے گا کہاں سے ہے؟ الحکمۃ ضالۃ المؤمن فخذوھا حیث وجدتموھا۔ خوبی و دانائی مومن ہی کی تو کھوئی ہوئی چیز ہے جہاں کہیں بھی پا جاؤ یہی سمجھ لو کہ یہ تو چیز ہمارے ہاں کی ہے۔

اسلامی حکومت اور فسق

ولہا ان اہل الحرب غیر ملتزمین احکام الاسلام۔۔ بخلاف اہل الذمۃ لانہم التزموا احکامنا فی ما یرجع الی المعاملات کالربوا والزنا ۔۔۔ ولابی حنیفۃ ان اہل الذمۃ لا یلتزمون احکامنا فی الدیانات وفی ما یعتقدونہ خلافہ فی المعاملات فانا امرنا بان نترکھم وما یدینون فصاروا کاہل الحرب بخلاف الزنا لانہ حرام فی الادیان کلہا والربوا مستثنیٰ عن عقودھم بقولہ علیہ السلام۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ حربی کافروں نے تو قانون اسلام کی پابندی کا کوئی وعدہ کیا نہیں (اس لیئے ان پر ان احکام کا اجراء نہ ہوگا) لیکن ذمی کافروں کی صورت دوسری ہے وہ تو معاملات کی حد تک مثلاً سود خواری اور زنا میں ہمارے احکام کو ماننا اپنے اوپر لازم کر چکے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ ذمیوں نے بھی تو نہ عبادات میں ہمارے احکام ماننے کا وعدہ کیا ہے اور نہ اُن معاملات میں جو اُن کے طور و طریق کے مخالف ہیں ۔۔۔۔ اس لیئے ہم کو تو حکم شرعی یہی ہے کہ ہم اُن کو انھیں کے دین پر چھوڑے رہیں (اور خود دخل نہ دیں) سو ان کا حال بھی تو حربی کافروں ہی کا سا ہے۔ البتہ زنا میں ایسا نہ ہوگا کہ وہ تو ہر مذہب میں حرام ہے۔ یا سود خواری ہیں کہ وہ بھی ذمیوں کے عہد سے مستثنیٰ ہے بدلیل حدیث

حضرت رسول اللہ صلعم کے۔

عبارت فقہ حنفی کی مشہور و مستند کتاب ہدایہ کی ہے (کتاب النکاح باب المہر فصل آخر) فقہ کی کتابوں میں ایک بحث یہ آئی ہے کہ اسلامی حکومت میں اگر کافر رعایا اپنے طریق پر شادی کرے تو اس کے کیا احکام ہیں اس کے ایک خاص جزئیہ میں خود ائمہ حنفیہ کے درمیان اختلاف ہے یہاں نہ بحث اُس نفس مسئلہ سے ہے نہ اس اختلاف پر محاکمہ مقصود ہے دکھانا صرف یہ ہے کہ ایک چیز پر دونوں فریق، یعنی کل ائمہ حنفیہ متفق ہیں اور وہ یہی کہ دارالاسلام میں، اسلامی حکومت میں، نہ کھلی ہوئی حرام کاری سے کسی حال میں رواداری برتی جائے گی اور نہ کھلی ہوئی حرام کاری (علانیہ قمار بازی و سود خواری) سے کسی حال میں نہیں۔ ذمیوں کے ساتھ جو رعایتیں شریعت اسلام نے کی ہیں، اس کے قائل غیر مسلم بھی ہیں۔ جو حقوق انھیں قانونِ اسلام نے دیے ہیں، ان کی نظیر سے دُنیا کے قانونی دفتر خالی ہیں۔ ذمی اپنے طور طریق پر پوجا پاٹ کر سکتے ہیں، اپنی عبادتیں کر سکتے ہیں شرابیں پی سکتے ہیں، ناپاک جانوروں کا گوشت، نجس غذائیں کھا سکتے ہیں حد یہ ہے کہ انھیں کفر بلکہ شرک تک کی آزادی حاصل ہے۔ لیکن نہیں اجازت ہے تو کھلے بندوں جوا کھیلنے کی! نہیں اجازت ہے جس طرح لوگوں کو زہر کھلانے کی، خلقت کو تہ تیغ کرنے کی نہیں اجازت ہے اُسی طرح فضا کو مسموم کرنے کی، لوگوں کے اخلاق قتل و غارت کرنے کی، انسان کی روح کو ہلاک کرنے کی!

اسلامی حکومت، کامل صُورت میں نہ سہی، کسی قدر ناقص صُورت میں بھی اگر آج قائم ہو جائے، تو آپ کو معلوم ہے کہ دُنیا سے کس قدر فسق و فجور مٹ کر رہے، معصیت کیسی ناپید ہو جائے! چکلے اور قحبہ خانے ایک نہ باقی رہیں "چوک" اور "چاوڑی" اور "سفید گلی" کی قسم کے بالا خانے اسفل السافلین کو پہنچ جائیں بڑے بڑے بینک ساہوکارے بینکنگ سب مٹ کر رہیں۔ بڑے بڑے مہاجنوں کا، کوآپریٹو سوسائیٹیوں کا قلع و قمع ہو جائے گھوڑ دوڑ کی بازیوں، فٹ بال کی بازیوں کی کوئی بات تک نہ پوچھے، کارنیوال کا، لاٹریوں کا نام و نشان تک نہ رہ جائے، نشاط خانوں میں نگار خانوں میں خاک اُڑنے لگے۔ انسانی صناعیوں کے بتکدوں اور شیطانی غفلتوں کے میکدوں میں خاک اُڑنے لگے، اور دنیا، یہی مادی اور عنصری دُنیا، آشتی و عافیت کے لحاظ سے عدل و مساوات کے لحاظ سے ایک بار پھر جنت کا نمونہ بن کر سامنے آ جائے!

کیا کیا نہ کیا عشق میں...

کان قدوم ھذا الرجل علینا بلاء من البلاء عصا وتنا بہ العرب ورمتنا عن قوس واحدۃ تقطعت عنا السبل حتی ضاع الخیال وجھدت الانفس واصبحنا قد جھدنا وجھد عیالنا (سیرۃ ابن ھشام ۔ خبر مقتل کعب بن الاشرف)

یہ شخص جب ہمارے ہاں آگئے ہیں طرح طرح کی بلائیں اور مصیبتیں ہم پر نازل ہو رہی ہیں۔ سارا عرب ہمارا دشمن ہوگیا ہے۔ ہمارے راستے ہم پہ بند ہوگئے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم اور ہمارے بال بچے بھوکوں مر گئے اور مارے فاقوں کے ہم ہیں اور ہمارے بچوں میں دم باقی نہیں رہا ہے۔ یہ الفاظ کس نے کہے ہیں؟ کسی اور نے نہیں، ایک صحابی رسول نے اُس سے کہے ہیں؟ ایک مشہور دشمن اسلام و دشمنِ رسولؐ سے اُس کے بارے میں کہے ہیں؟ دل کڑا کر کے سُنیے، کہ آپ اور آپ کے آقا و محبوب، خود رسول اللہ صلعم سے متعلق! عام حالات میں اور اصل قاعدہ کے لحاظ سے یہ معنی۔ اس سے کچھ کم بھی، کسی معمولی سے مسلمان کی زبان سے بھی نکل سکتے ہیں، چہ جائیکہ ایک صحابی کی زبان سے!

محدث قاضی عیاض مالکیؒ کی کتاب الشفا بہ تعریف حقوق المصطفےٰ اور اس کی شرحیں اٹھا کر دیکھ لیجیے۔ رسول اللہ صلعم کی شانِ مبارک میں بے اعتقادی اور اہانت کی نیت سے نہ سہی، محض بے خیالی میں۔ اور بطورِ نقل و حکایت بھی، اس طرح کے کھلے ہوئے اور صاف نہیں اشارہ اور کنایہ میں بھی، نامناسب لفظ بول جانے کی کیا کیا سزائیں، دنیوی اور اُخروی لکھی ہوتی ہیں سلب ایمان، ارتداد اور سزا، بعض صورتوں میں قتل تک پہنچی ہوتی! سبِ رسول کی دفعہ، قانونِ شریعت کی وسیع ترین دفعات میں سے ہے۔ گھوم گھما کر بھی بات کہاں سے کہاں جا پہنچتی ہے! پھر یہ کیا کہ ایک شخص

اس جرم کا ارتکاب علانیہ کرتا ہے، ایک شدید ترین دشمن اسلام و دشمن رسول کا دل خوش کرنے کو کرتا ہے اور اس پر بھی دائرۂ اسلام سے تو کیا خارج ہوتا، اُس کے شرفِ صحابیت پر بھی ذرا سا دھبہ نہیں آنے پاتا۔ اور دھبہ لگنا کیا معنی، الٹی اُس کی سرفرازیاں ہوتی ہیں، وہ خلعت قبول سے نوازا جاتا ہے اور یہ "جرمِ سیاہ" عین اس کے مناقب و مفاخر کی فہرست کا سرعنوان بن کر چمکتا ہے!

بات اتنی اور صرف اتنی تھی، کہ مقصودِ اس وقتی اور ظاہری کفر سے تمام تر خدمت دین تھی۔ ایک کافر معاند (کعب بن اشرف) کے دل کو ہاتھ میں لا کر اس کے وجود سے صفحۂ ہستی کو پاک کرتا تھا اور اس کی تدبیر یہی تھی کہ ان ناگفتنی الفاظ کو زبان پر لایا جائے، اور جوازِ و عدم جواز کا سوال تو خیر پھر الگ ہے۔ صحابیوں میں سے ایک ایک فرد اپنے آقا کی محبت میں سرشار تھا، یہ سوچیے کہ اپنے محبوب کی شان میں یہ الفاظ ایک صحابی یا دو صحابیوں (بقول بعض محدثین کے یہ روایت دو صحابیوں سے متعلق ہے) کی زبان سے ادا کیوں کر ہوتے ہے بولتے وقت دل پر کیا گزر رہی ہے یہ مجاہدہ ان کے لیے کوئی معمولی تھا؟

کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کریں گے!

بے شک رسولؐ کا عشق اور دین کی محبت ہی تھی، جس نے ان سے رسولؐ سے ظاہری تبرّی کرا کر چھوڑی سب کچھ رسول اللہ صلعم کی عزت کی خاطر،

دین کی غیرت سے دن کی نصرت کے لیئے، خود رسولؐ کی اجازت سے!

روزہ دار غیروں کی نظر میں

اسٹیٹسمین (کلکتہ، دہلی) ہندوستان کا مشہور انگریزی روزنامہ ہے ۲۱ ستمبر کے پرچہ میں اس انگریزی اخبار میں ایک انگریز مضمون نگار لکھتا ہے:

"ابھی اسی ہفتہ کی بات ہے کہ میں نے ایک معزز ہندوستانی سے ملنے کا وقت مقرر کیا، شام کے سات اور آٹھ کے درمیان اور انھوں نے اس مروّت و اخلاق سے جو مسلمانوں کا عام دستور ہے اُسے منظور کر لیا ہے۔ پڑے پہ میں ان کے ہاں پہنچا کہ صاحبِ خانہ اس وقت خالی ہیں، اس نے کہا "ہاں! افطار کرنے جا رہے ہیں"۔ اب مجھے یاد پڑا کہ ارے یہ تو رمضان کا مہینہ ہے، اور مسلمان آج کل صبح منہ اندھیرے سے بے آب و دانہ رہتے ہیں! خیر میں نے تو بجائے ملاقات کے معذرت کہلا بھیجی اور اب میرا مشورہ سب انگریزوں کو یہ ہے کہ کوئی مسلمان اگر تمہارا دوست، ہمسر یا ماتحت ہے تو اس کے بشاش چہرہ سے دھوکہ میں نہ آجانا، اس کا یہ سارا مہینہ روزہ میں گزرے گا۔"

روزہ اور روزہ داروں کی مزید صفات اسی غیر مسلم کی زبان سے یعنی:۔

"مسلمانوں کے حلق میں غذا کا ایک دانہ بھی صبح منہ اندھیرے سے لے کر غروبِ آفتاب تک نہ جانے گا یہاں تک کہ پانی کا قطرہ بھی نہیں!" اُف اس گرمی میں اور ایسا شدید مجاہدہ! رمضان کا مہینہ ہر سال، دس دس دن گرمیوں کی طرف ہٹتا آرہا ہے۔ لیکن نہیں مجاہدہ کیسا؟ مسلمان اُسے اپنا فریضہ سمجھتے ہیں، امیر و غریب سب کے سب۔ فلاں فلاں عذر کی بنا پر، روزہ قضا بھی کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ان کی طرف سے فائدہ ہی کون اُٹھاتا ہے! بچوں کو روزہ معاف ہے لیکن والدین اپنی طرف سے روزہ خوری کی ترغیب دے نہیں سکتے! میرا ایک ذاتی تازہ تجربہ سنیے۔ میں ریل میں سفر کر رہا تھا۔ سفر ۳۶ گھنٹے کا اور درجہ خوب بھرا ہوا۔ میں برف کے گلاس پہ گلاس چڑھا رہا تھا کہ اتنے میں شام ہوئی، اور میں نے دیکھا کہ میرے روزہ دار ہم سفر نے اپنا ہاتھ ناشتہ دان کی طرف بڑھایا اور کھڑکی سے منہ باہر نکال لیا، کچھ کھانے کو نہیں، کسی فقیر محتاج کو کچھ کھلانے کو! یہ ہے اسلامی طریقہ، کہ خود کھانے سے قبل دوسرے کو کھلاؤ!"

"دوسرے کو کھلا کر میں سمجھا کہ اب تو وہ خود خوب سیر ہو کر کھائے گا۔ آخر پندرہ گھنٹے سے بھوکا پیاسا ہے، جی نہیں، اب کی بھی میرا اندازہ غلط نکلا۔ اُس نے تو بس ذرا سی افطاری کھائی، اور کچھ رس پھلوں کا پی لیا! اُس نے اپنا کھانا میری طرف بڑھایا۔ میں نے عذر کیا۔ میں نے دیکھا کہ اُسے میرے عذر سے تکلیف ہوئی! ایک مسلمان اور ہر مسلمان رمضان میں تنہا خوری سے بیر رکھتا ہے! حلق کی بندش تو اس میں وہی ہے۔ غذا ہی کے لیے نہیں ہوا

لیئے بھی حکم یہ ہے کہ ناک اور کان کے ذریعہ سے بھی کوئی دوا نہیں داخل کی جاسکتی ہے"!

نصرانی مبصر نے یہ جو کچھ بھی لکھا صحیح ہے یا غلط۔ اچھا یا بُرا، بہرحال مسلمانوں ہی کو دیکھ کر لکھا۔ اسلام کی کتابوں کو پڑھ کر نہیں لکھا۔ بلکہ غیر مسلم تو صرف مسلمان کو دیکھتا ہے۔ قرآن اور حدیث کا درس لینے نہیں جاتا۔ مسلمان اگر اپنی عملی زندگی میں اوسط درجہ کا بھی مسلمان ہے تو وہ اپنے دین کا بہترین خاموش مبلغ ہے۔ اس کی دینی زندگی خود ہی بہترین تبلیغ ہے۔ ہر تحریر، ہر تقریر، ہر وعظ، ہر تصنیف سے بڑھ کر۔

مسلمان ماں اور مسلمان بیٹی

وہ ابھی بالکل نوجوان تھی۔ شادی کو پورا سال بھی ابھی کہاں گزرا دس ہی گیارہ مہینے تو ہوتے۔ قریبی رشتے سے میری بھتیجی تھی، اُردو ترجمہ قرآن پڑھنے میں شاگرد بھی۔ بڑی مذہبی، بڑی صالح، نماز کی عاشق روزے کی شیدائی۔ سب کی ہمدرد، غمخوار، بڑی مخلص، بڑی خدمت گزار بچہ ہنستا کھیلتا پیدا ہوا۔ دوسری رات کو بیمار پڑی، اور تیسری صبح کو قبل اس کے کہ آفتاب اپنے پورے عروج کو پہنچے، اس کی عمر کا آفتاب غروب ہوگیا! انا للہ زچگی کی موت شہادت کی موت ہے سنتے کا وعدہ جھوٹا نہیں ہوسکتا پھر دفن کے وقت شب جمعہ شروع ہو چکی تھی۔ زبان پر آخر تک یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم رہا۔ دوسرے دن سے

سورہ لیٰسین فرمائش کر کے پڑھوائی، مردہ چہرے پر بجائے مُردنی اور بے رونقی کے رونق و تازگی! آنکھیں ذرا کھلی رہ گئیں ان سے بجائے بدنمائی کے اور خوش نمائی اور زیبائی! نام ایک پیمبر زادی کے نام پر رقیہ تھا۔ قبر میں باپ نے اتارا۔ یہ نہ پوچھیے کہ کس دل سے! اس جوانمرد و پیمبر زادی کو بھی تو قبر میں اُتارنے والے اُس کے والد ماجد اور اللہ کے محبوب ترین پیمبر ہی تھے! اللہ اللہ اُمّت کا باپ اپنے فرزندوں کو، سخت سے سخت مصیبت کے وقت کیسے کیسے سبق تسلی اور تعزیت کے اپنی زندگی سے دے گیا ہے!

موت کا وقت عجب پُر اثر، پُر درد تھا۔ لکھنؤ کے ایک بڑے حاذق طبیب، بورڈ آف میڈیسن کے پُرانے ممبر، اور شفاء الملک کے خطاب سے سرفراز ابھی ہاتھ نبض پر رکھے ہوئے ہیں۔ ابھی جواہر مہرہ حلق سے اُتارنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ ابھی آنکھوں کی تپلیوں کا معائنہ کر رہے ہیں کہ زندگی کے کچھ آثار باقی بھی ہیں! گویا یہ تدبیریں موت کے فرشتے کا ہاتھ پکڑ لیں گی! ماں کی دل دوز آہیں اور دُعائیں! کس قلم کے بس میں ہے کہ مصوری ماں کے رنج کی کر سکے؟ لیکن رنج بحمدللہ مسلمان ماں کا تھا۔ ادھر غش سے اٹھی، اُدھر سلسلہ پھر دُعا و مناجات کا، کلمہ و قرآن کا شروع ہو گیا۔ اے اللہ تیری امانت تیرے سپرد۔ نعمت تو ہی نے دی تھی تو ہی نے اُسے واپس بھی لے لیا! مسلمان عورت جنت بھی کتنے طریقوں سے لے سکتی ہے!

جسم رنجور، روح مسرور۔ "اب کوئی ہمیں پہچان نہیں پڑتا۔" مرنے والی نے

ہراس واضطراب سے نہیں سکون واطمینان سے کہا۔ سکرات شروع ہو چکی تھی بصارت اپنا فعل چھوڑ چکی تھی، اور معاً زبان بھی بند ہو گئی۔ ہونٹ دوبار اللہ اللہ کہنے کے لیے ہلے اور ایمان والی کی روح، راضیۃً ومرضیۃً کی بشارت پر دوڑتی ہوئی، اُڑتی ہوئی روانہ ہو گئی! اللہ کی جو بندی اپنے مولی کی یاد میں کسی حال میں غافل نہ ہوئی تھی، جس نے ناز کو شادی کے نغموں اور رخصتی کے ہنگاموں میں بھی تقضا نہ ہونے دیا تھا کیسے ممکن تھا کہ مولا کی یاد . . . . اس وقت اُس کا ساتھ چھوڑ دیتی! کوئی اس یاد کی طرف دوڑ کر دیکھے تو، وہ یا خود کیا اس کا پیچھا چھوڑتی ہے، فاذکرونی اذکرکم کی ایک نئی تفسیر عملی رنگ میں!
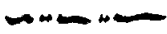
اسلامی مجاہدہ

مسلمان کی جنتری میں خیر وبرکت کا مہینہ آ گیا۔ غیبت ہمیشہ ہی ممنوع تھی اب ممنوع تر ہو گئی، جھوٹ، فساد، فحش کلامی جائز کسی حال میں بھی نہ تھے اب ناجائز تر ہو گئے۔ جو جو چیزیں کھلم کھلا جائز اور زیادہ سے زیادہ لذت کی تھیں، کھانے پینے، حقہ، پان، سب بارہ بارہ اور چودہ چودہ گھنٹے کے لیے حرام قرار پا گئیں اور یہ سلسلہ ایک دو دن نہیں سارے مہینہ تک جاری رہے گا۔ بہت بوڑھوں اور بالکل بچوں، مریضوں ناتوانوں کو چھوڑ کر باقی سارے

مسلمان بڑے، چھوٹے، عورت، مرد، امیر، غریب آقا، خادم رمضان منانے میں شریک ہوں گے، اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اللہ ہی کے حکم سے اپنے نفع کی خاطر، اپنی جسمانی، روحانی، اخلاقی فلاح و اصلاح کے لیئے دن دن بھر چھوڑے رہیں گے۔ جانور کھائیں گے، پئیں گے، جو اپنی روحانی پستیوں کے لحاظ سے جانوروں سے ابتر ہیں وہ کھائیں گے، پئیں گے۔ مہینہ بھر کے اس لطیف نورانی سہل مجاہدہ کی نعمت صرف مسلمانوں کے حصہ میں آئی ہے۔

مسلمان کہیں بھی ہو، روئے زمین کے کسی حصہ پر بھی آباد ہو، افریقہ میں ہو یا آسٹریلیا میں، امریکہ میں ہو یا ہندوستان میں، رمضان کے آتے ہی اس کا روزانہ نظام زندگی بدل جائے گا اور وحدتِ اسلامی کا نظارہ دنیا، ٹکڑیوں، پارٹیوں، جتھوں میں بٹی ہوئی دنیا ایک بار پھر دیکھ لے گی روزہ کے طبی فائدے کو طبیبوں سے، اور اخلاقی نفع، کوئی حکماء اخلاق کی زبان سے سنئے اور پھر ایک متعین مہینہ کے تقرر کے ساتھ ۳۰ یا ۲۹ دنوں تک ان روزوں کا تسلسل، کہ ان کی عادت پڑجائے اور جسم و روح دونوں ان کے خوگر ہوکر گیارہ مہینے تک کے لیئے ذخیرہ فراہم کرلیں۔ اس حکم کی گہری برکتیں اور اجتماعی مصلحتیں چند سطروں میں کیسے بیان میں آجائیں ہ بار بار اس کے قبل بیان بھی تو ہوچکی ہیں۔ اتنا عظیم الشان اصلاحی نظام، انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے عظیم الشان نظام، روزانہ پنج وقتہ نماز ہی کی طرح جسمانی، اخلاقی روحانی، مصلحتوں اور منفعتوں کا جامع نظام، بجز ایک قوم مسلمان کے اور دنیا

کی کس قوم کے نصیب میں آیا ہے؟

حیف ہے کہ اتنی بڑی نعمت ملے، اور ہم اپنی پست ہمتی یا بدنصیبی سے اُسے یوں ہی بالا بالا گزر جانے دیں! آبِ حیات برس رہا ہو، اور ہم بدستور پیاسے رہ جائیں! روزہ رکھنا مشکل ہی کیا ہے، شیطان ہی پہلے سے ہیبت بٹھا دے، اور دل میں خواہ مخواہ کے وہم پیدا کر دے، تو اس کا کوئی علاج ہی نہیں، ورنہ اس میں حقیقۃً دشواری ہی کیا ہے؟ صبح تڑکے تک فجر طلوع ہونے تک بے تکلف جو چاہیے جتنا چاہیے، کھائیے، پیجیئے، ان میں مزید عبادت کر سکے تو سبحان اللہ ورنہ کتنی گھنٹے سو کر گزار دیجئے، روزہ دار کا سونا بھی تو ایک عبادت ہے روزہ کی حالت میں اجر ہر منٹ اور ہر لمحہ ہر سانس پر ملتا رہتا ہے، ظہر عصر کی نمازیں با اطمینان پڑھیے، گھر کا جائز کام کاج دیکھیے۔ افطار کا انتظار، اور افطاری کا انتظام دونوں خوشگوار اور پُر لطف مشغلے ہیں۔ ذرا ان کا تجربہ کر کے تو دیکھیے اور بس اتنے میں مغرب کی اذان ہونے لگے گی اُس وقت دیکھیے اللہ کے حکم سے اللہ کا رزق تناول کرنے میں کیا لطف آتا ہے، الفاظ کے ذریعہ سے ناقابلِ بیان!
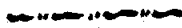
عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما .... ؟

سٹلسٹمین، ہندوستان میں انگریزوں کا سب سے زیادہ معزز و مشہور

روزنامہ ہے۔ ہر اتوار کو ایک مستقل کالم فوجیوں کی معلومات و ہدایت کے لیے ہوتا ہے۔ اس میں ایک انگریز صحافی لکھتا ہے:۔

"غلط فہمی نہ ہو تو میں یہ کہوں گا کہ دنیا میں اسلام سے زیادہ کسی مذہب کے پیروؤں کی نظر میں ان کا مذہب زندہ نہیں اور نہ کسی مذہب کی اس سے بڑھ کر تفصیلی پیروی عملاً کی جاتی ہے۔ نو کروڑ سے زیادہ مسلمان، ہندوستان ہی میں آباد ہیں اور یہ بالکل ممکن ہے کہ ادھر آپ ایک مسلمان سے باتیں کر رہے ہیں ادھر نماز کا وقت آجائے اور اس کا رُخ عقبیٰ کی طرف ہو جائے اور وہ اپنی جانماز بچھا، قبلہ رُو ہو کر اپنے خالق کے آگے رکوع و سجود شروع کر دے۔ حکم کی اجتماعی اہمیت کا ذرا اندازہ تو کیجئے، ہر روز پانچ پانچ مرتبہ کروڑوں انسان ہیں کہ ایک ہی وقت ہر نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، ایک ہی طرح کی نماز پڑھتے ہیں، ایک ہی طرف سب کا رُخ ہے ایک ہی قسم کی حرکتیں اپنے اعضا کو دے رہے ہیں۔"
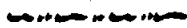
آگے کے سوال جواب صرف اسی انگریز ہی کے قلم سے ہیں:۔

"اسلام کا اتنا قوی اثر اپنے پیروؤں پر آخر کیسے ہے؟ اس کا راز عجیب نہیں کہ مذہب اسلام کی سادگی میں ہو، یہ ایک واضح، روشن اور جمہوری مذہب ہے، وہم پرستیوں سے بہت دُور اور آج بھی تقریباً بعینہٖ اُسی حالت میں ہے جس میں ۱۳۴۴ سال قبل وہ شروع ہوا تھا نہ امیروں کے ساتھ اس کے اندر

کوئی رعایت، نہ غریبوں پر اس میں کوئی سختی، احکام اس کے جتنے
سب سادہ اور عقلِ سلیم کے لیئے قابلِ قبول، پانچ ارکان اس
کے اہم ترین، اور انھیں کے مجموعہ کا نام اسلام، یعنی کلمہ
شہادت، نماز روزہ، زکوٰۃ اور حج۔

اسلام کا تیسرا رکن روزہ ہے اور آج کل یہی ماہِ رمضان
چل رہا ہے اس ماہ میں ہر مسلمان طلوعِ فجر سے لے کر غروب
آفتاب تک ہر روز روزہ رہتا ہے، قرآن کا نزول اس مہینہ
میں ہوا تھا۔ اس لیئے یہ خاص طور پر مقدس ہے چھوٹے بچوں
اور چند اور مستثنیات کے بعد ہر مسلمان پر روزہ فرض ہے
اور اس فرض کو وہ ادا کرتا ہے۔ بوڑھوں کے لیئے یہ رعایت
ہے کہ وہ بجائے خود روزہ رکھنے کے ایک مسکین کو ہر روز
مہینہ بھر تک کھانا کھلاتے رہیں، مریضوں اور مسافروں کو
روزہ قضا کر کے آئندہ رکھنے کی اجازت ہے یہاں کہنے کی
بات یہ ہے کہ ان رخصتوں سے فائدہ بہت کم اٹھایا جاتا ہے،
اور روزہ ہی پر اصرار جاری ہی رہتا ہے"۔

اس مسیحی اور فرنگی کے تاثرات کی آخری قسط ملاحظہ ہو:۔

" روزہ ہے سخت چیز، اس لیئے کہ پانی تک بند رہتا ہے
غذا صرف افطار کے بعد اور آغاز صوم سے قبل ہی ممکن ہے

رمضان کا مہینہ اتفاق سے اکثر شدید گرمی ہی کے موسم میں پڑتا ہے۔ دن دن بھر، اور دن بھی ۱۲ گھنٹے سے بڑا، پانی نہ پینا جس ظرف و تحمل کا ثبوت ہے، ظاہر ہی ہے کان ناک، آنکھ، زخم تک کی دوائیں ممنوع ہیں! روزہ دار کا دن میں آخری کلام یہ ہوتا ہے :۔

اللھم لک صمت و بک امنت وعلیک توکلت وعلی رزقک افطرت تقبل منی

اے اللہ میں نے تیری رضا کے لیئے روزہ رکھا اور تجھ پر ایمان لایا اور تجھ پر توکل کیا اور تیرے ہی دیئے ہوئے رزق سے افطار کیا اے اللہ اس عمل کو قبول کر۔

"عالم ہمہ افسانہ ما دار د وما ہیچ" ایک مشہور مصرع ہے۔ فرمایئے اس فرنگی مرقع میں آپ کو اپنی تصویر دیکھ کر یہ مصرع یاد آیا؟ سوال اصول و تعلیمات سے متعلق نہیں اُمت کے عمل سے متعلق ہے"

ایمان کی پختگی

یورپ کے شمال، بالکل شمال ملک روسی لاپستان (لاپ لینڈ) کے بحر ابیض میں ایک بندرگاہ ہے کرمان۔ علاقہ تمام تر برفانی قطب شمالی کی نواح سنہ ۱۹۱۸ء کا وسط ہے اور جنگ عظیم ابھی زور شور سے جاری ہے کہ ایک برطانوی جہاز (ATTENTIVE) برطانوی ساحل سے

اس بندرگاہ کو روانہ ہوا اور عین اس وقت جنتری میں رمضان کا ماہ مبارک آپڑا اور دُنیا کے جس خطہ میں بھی مسلمان آباد ہیں، روزے رکھے جا رہے ہیں برطانیہ کے اس جہاز پر بہت سے مسلمان خلاصی ملازم ہیں بے علم، اَن پڑھ جغرافیہ سے نابلد، تاریخ سے ناآشنا، ماقصّہ سکندر و دارا نخواندہ ایم کے پورے مصداق لیکن بہرحال اسلام کے کلمہ گو بے چاروں نے روزہ رکھ لیا اور اب افطار کے لیئے شام کا انتظار شروع ہوا۔ شروع ہوا لیکن ختم ہونے کا نام ہی نہیں آتا۔ شام نہ اب ہوتی ہے نہ جب، یا اللہ! یہ دن کتنا بڑا ہو گیا! روزِ قیامت کی درازی یاد آنے لگی! غریبوں کو کیا خبر تھی کہ جہاز اُس علاقہ سے گزر رہا ہے، جہاں نہ آفتاب غروب ہوتا ہے، اور نہ شام ہوتی ہے!

خبر نہ تھی، نہ سہی یقین دلانے سے تو یقین آجاتا۔ نہ آیا۔ کافروں کی بات کا دین کے معاملہ میں اعتبار ہی کیا۔ اللہ اللہ! کیا پختگی ایمان کی تھی! عہدِ صحابہ میں نہیں، دورِ تابعین میں نہیں، اسی بیسویں صدی عیسوی کے ۱۹۱۸ء میں! درویشوں اور عالموں کی نہیں، اَن پڑھ جہازی خلاصیوں کی! وقت گزرتا گیا اور ضعف و ناتوانی بڑھتی گئی آفتاب نہ آج غروب ہوتا ہے نہ کل! نوبت غشی کی آنے لگی! اور پھر غشی سے بڑھتے بڑھتے۔ آپ روایت کو آخر تک سننے کے لیئے تیار ہیں؟ درجہ ہلاکت کا پہنچ گیا اور روزہ دار پر روزہ دار روزہ کی خوشبو منہ میں لیئے ہوتے، جنت کی خوشبو سونگھنے روانہ ہونے لگا! انگریز افسروں کی سمجھ میں کوئی اور تدبیر نہ آئی بجز اس کے کہ جہاز کا رُخ مُڑا

انگلستان کی طرف پھیر دیا جاتے اور جہاز جب برطانوی علاقہ میں پہنچ گیا، جہاں آفتاب کا طلوع وغروب معمولی طور پر ہوتا رہتا ہے جب جاکر روزہ داروں نے افطار کیا، اور بے چاروں کی جانیں بچیں!

روایت کے راوی سر ڈبلو، ٹی آرنلڈ ہیں (اسلامک فیتھ صد ۳۶ لندن) علی گڑھ کے قیام اور سر سید اور مولانا شبلی کی صحبت سے بہت کچھ ہمدرد اسلام ہو چکے تھے لیکن تھے بہرحال مسیحی ہی۔ اس واقعہ کو اپنی کتاب میں اس امر کی شہادت اور مثال میں پیش کیا ہے کہ مسلمان اپنے ارکان دین کی تعمیل میں کتنے پختہ اور مضبوط ہوتے ہیں! مثال سر آرنلڈ کو مسلمانوں کی دینی پختگی اور ایمانی جمود کی ملی بھی تو وہی ان پڑھ قلیوں خلاصیوں کے طبقہ میں! کاش اس کے آدھے ہی نمونے انھوں نے "تعلیم یافتہ" مسلم نواز" علی گڑھ میں دیکھ لیے ہوتے! وہاں کے اُستادوں میں، وہاں کے طلبہ میں وہاں کے شعبۂ دینیات کے علماء میں! کاش اس کے کوئی ہلکے نمونے ہماری آپ کی نظر سے ہمارے آپ کے طبقہ سے گزرتے رہتے!

غلط فہمی نہ ہو۔ خلاصیوں بے چاروں نے جو کچھ کیا، ان کے نفس عمل کی داد دینا ہرگز مقصود نہیں۔ یہ ہرگز ہرگز مراد نہیں کہ ہر روزہ دار کو ایسے علاقہ میں پہنچ کر ایسا ہی کرنا چاہیے وہاں تو ماہِ رمضان کا وجود سرے ہی سے نہیں ہوتا، تو روزہ کی فرضیت کیسی! قابلِ داد اور قابلِ رشک تو اُن غریبوں کا اخلاص ہے، اُن کا حسنِ اعتقاد ہے، اُن کی پختہ ایمانی ہے! ایمان کے آگے جان تک سے بے پروائی ہے!

دینی خدمت کا قابل تقلید نمونہ

سنہ خوب یاد نہیں، غالباً ۱۹۳۰ء تھا، حکیم الامت تھانویؒ کی محفل خصوصی میں نماز چاشت کے وقت حاضری کی سعادت حاصل تھی ذکر مرزائے قادیانی اور ان کی جماعت کا تھا اور ظاہر ہے کہ ذکر "ذکرِ خیر" نہ تھا حاضرین میں سے ایک صاحب بڑے جوش سے بولے "حضرت ان لوگوں کا دین بھی کوئی دین ہے، نہ خدا کو مانیں نہ رسول کو" حضرت نے معاً لہجہ بدل کر ارشاد فرمایا کہ "یہ زیادتی ہے، توحید میں ہمارا ان کا کوئی اختلاف نہیں، اختلاف رسالت میں ہے اور اس کے بھی صرف ایک باب میں یعنی عقیدۂ ختم رسالت میں بات کو بات کی جگہ پر رکھنا چاہیئے۔ جو شخص ایک جرم کا مجرم ہے، یہ تو ضرور نہیں کہ دوسرے جرائم کا بھی ہو"۔ ارشاد نے آنکھیں کھول دیں اور صاف نظر آنے لگا کہ:-

یا ایھا الذین آمنوا لا یجرمنکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی۔

اے مسلمانو، کسی گروہ کی مخالفت تم کو اس پر نہ آمادہ کردے کہ تم بے انصافی پر اتر آؤ۔ انصاف پر قائم رہو، کہ یہی قرینِ تقویٰ ہے۔

کے حکم پر عمل کے کیا معنی ہیں۔ یہ موضوع اسی ایک بار نہیں، بار بار مختلف صحبتوں میں چھڑا۔ مولاناؒ نے جب جب تنقید فرمائی علمی اور بلندی رنگ میں فرمائی۔ فلاں آیت قرآنی کی کیسی لودی تادیل کی ہے"۔ بخاری کی فلاں

حدیث کی نقل و تعبیر میں کیسی فاش غلطی کی ہے"۔ بس اسی طرز و انداز کے سوا فقراتی طنز و تشنیع کے فقرے ایک بار کے بھی یاد نہیں پڑتے۔

بریلی والوں سے بڑھ کر مولاناؒ کا دشمن اور کون ہوگا؟ کوئی درجہ ان لوگوں نے حضرت کی توہین و رسوائی، تضحیک و تفضیح، کا اٹھا رکھا تھا؟ لیکن مولانا کی زبان سے جب ان کے سرار و پیشوا کا ذکر سُنا، نرم و شائستہ ہی لہجہ میں سُنا بلکہ ان کے کلام و قول کی تاویل ہی کرتے، اور ان کی نیت کے ساتھ حُسنِ ظن ہی رکھتے پایا۔ دین کی غیرت و حمیت مولانا سے بڑھ کر کس کو ہوگی؟ اور قادیانی اور بریلوی، ان دو گروہوں سے بڑھ کر مولانا کی نظر میں مبغوض کس کو ہونا چاہیئے تھا؟ لیکن پھر حفظِ حدود کی تعلیم بھی، اگر مولاناؒ ہی اپنے عمل سے نہ دے جاتے، تو اس دور میں اور کون دیتا؟ مولوی ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی کا ترجمہ القرآن مولاناؒ کو بہت ہی سطحی اور ناقص نظر آیا۔ خاموشی سے ایک مختصر رسالہ، بغیر کسی طنز و تعریض کے اصلاحِ ترجمۂ دہلویہ کے نام سے اس کی اصلاح میں لکھ دیا اور خود مشقت کرکے کلام مجید کا ایک بہترین ترجمہ اور بہترین تفسیر شائع کر دی۔

یہ تھا، اور ہے صحیح طریقہ اخلاص کے ساتھ، اور غلو اور افراط و تفریط سے بچ کر۔ دینی خدمت کا، ہم سب کے لیئے باعثِ رشک اور قابلِ تقلید۔!

مشرقی ماں

۴۰ - ۴۱ سال اُدھر کا ذکر ہے یہی گرمیوں کا موسم ہے۔ مئی کا مہینہ ہے گرم گرم ہوا اور لُو اور کڑی دھوپ کے دن ہیں، صبح سویرے کا وقت ہے نماز سے فراغت کے بعد اب پڑھائی کا وقت شروع ہونے کو ہے الدہ ماجدہ قرآن مجید اور تسبیح پڑھ پڑھا، بیٹھی ہوئی ہم لوگوں کے لیئے شربت کے گلاس، املی کے یا کسی اور ٹھنڈی چیز کے تیار کر رہی ہیں اور ہم تینوں بہن بھائی اسی کے انتظار میں آس پاس کھڑے ہوئے ہیں۔ گھر میں اللہ کے دیئے ہوئے نوکر چاکر، اندر اور باہر مستعد ہیں، لیکن والدہ اپنے ہی ہاتھ سے شربت بنا اور پلا رہی ہیں۔ ماں کو بچوں کا کام اپنے ہاتھ سے کرنے میں جو لطف آتا ہے وہ دوسروں سے کام لینے میں نہیں آتا۔

یہ ایک مثال نمونہ کے طور پر ماں کے کام کرنے کی یاد پڑ گئی۔ مشرق میں مائیں، اچھی خاصی، خوش حال مسلمان مائیں، بچوں کا، شوہر کا، گھر کا کون سا کام، خوش دلی کے ساتھ اپنے ہاتھ سے انجام نہیں دیتیں ؟

خانہ داری کے کون سے کاموں سے شرماتی ہیں، ہچکچاتی ہیں ؟ گھر کے چھوٹے بڑوں کی خدمت کرنا اپنی خدمت کو اپنا مقصد زندگی سمجھنا، ان سے شروع سے بتایا جانا، اس کے دل میں اُتارا جاتا ہے سب کے کھانے پینے کی فکر رکھنا، دوسروں کو کھلا کر خود آخر میں کھانا، گھر میں کوئی بیمار پڑ گئے تو

اس کی دوا کرنا، تیمارداری کرنا، بچوں کی خدمت کے لیئے نگہداشت کے لیئے رات رات بھر جاگ کر صبح کر دینا، اسی تربیت میں اس کی آنکھیں کھلتی ہیں، اور یہی سرمایہ لیئے ہوئے وہ دنیا سے رخصت ہوتی ہے کم از کم، ایک پشت مشتیز تو یہی ہر شریف گھر گھرانے کا پروگرام تھا خدمت کے لیئے جینے اور خدمت ہی پر مرنے کا دستور عام تھا۔

نہ کوئی "لیڈیز جرنل" نہ کوئی "ومنیس ایسوسی ایشن"۔ نہ پردہ کلب نہ بے پردہ کلب، نہ کوئی انجمن خواتین، نہ کوئی گرلز کالج، نہ "مساوات" کا زور، نہ مطالبۂ حقوق کا شور، نہ ممبری نہ ووٹ، نہ لپ اسٹک نہ روز نہ کریم نہ لیٹ، نہ سگار، نہ سگریٹ، ہاں بس یہی عطر، پھلیل، منہ میں پان ہاتھ پیر میں مہندی بچہ رہی تو ماں باپ کی آنکھوں کا تارا، جوان رہی تو شوہر کی نظروں میں ماہ پارہ سن اترا تو جوان جوان لڑکے خدمت کو موجود چاکری پر کمربستہ۔ زندگی کا لطف اُس میں تھا یا اس نقلی "میم صاحب" بن جانے میں ؟ "پکچرز" اور "آرٹ" میں غرق ہو جانے میں ؟ ہسٹریا کا مرض برطانیہ اور امریکہ وفرانس اور روس میں کتنوں کو لاحق ہوتا ہے اور محجدین میں کتنوں کو ؟ جواب اعداد فراہم کر کے دیجیے خودکشی کی نوبتیں لندن، پیرس، اور نیویارک میں کثرت سے پیش آتی رہی ہیں، یا ہمارے قصبوں اور دیہاتوں میں ؟ حشر کو چھوڑیے، آج دنیا ہی میں کس کا کیا حشر ہو رہا ہے ؟

مشرقی اور مغربی تہذیب

"آپ کے آدمی نے کھانا کھالیا ہے" میں خود تو وہاں جا نہ سکا آدمی بھیج دیا تھا" "آدمی اب کم تنخواہ پر ملتا نہیں" ایسے تمام فقروں میں آپ لفظ آدمی کس معنی میں بول رہے ہیں ہے "انسان" کے معنی میں یقیناً نہیں۔ پھر کس معنی میں؟ ملازم کے نوکر کے مفہوم میں۔ اور یہ آپ کیا بول رہے ہیں آپ کی زبان کا محاورہ ہی یہی ہے جس تہذیب نے آپ کی زبان پیدا کی ہے اس نے آپ کو یاد دلا دیا ہے کہ اپنے تنخواہ دار ملازم کو بے جان، بے حس مخلوق نہ سمجھ لینا، جانور چوپائے گائے، بیل نہ سمجھ لینا وہ بھی تم ہی جیسا آدمی ہے۔ آدمیت کے سارے حقوق رکھتا ہے زبان میں یہ لفظ رکھ کر ملازم کے حقوق کی دائمی یاد دہانی، ہمہ وقتی نگہبانی کے لئے ایک زبردست پہرہ دار آپ کے دل و دماغ پر بٹھا دیا اور خود "ملازم" کے لفظ کو آپ کیوں بھولے جا رہے ہیں اس کے معنی بھی تو یہ ہیں کہ جس طرح آپ اس کے لئے ضروری ہیں وہ بھی آپ کے لئے "لازمی" ہے اور آپ اس کی مدد سے کارگزاری سے کسی وقت کسی حال میں مستغنی نہیں! تو غرض یہ ہے کہ ایک نظام تہذیب، ایک آئین معاشرت ایسا ہے، جس میں یاد دلائے حقوق کی یوں قدم قدم پر تاکید ہے! اور ہاں اسی بول چال میں ایک لفظ "رعایا" یا رعیت بھی تو ہے جس کے معنی ہیں کہ آپ کے حقوق کی نگہداشت کی جائے نگہبانی رکھی جائے۔ نہ یہ کہ اسے حقیر و ذلیل سمجھا جائے اسے گالیوں کا، لات اور گھونسے اور جوتے کا نشانہ بنایا جائے۔!

اسی دنیا میں اور آپ کی نظروں کے سامنے ایک تہذیب و تمدن اور بھی ہے۔ یہاں رعایا کے لیئے لفظ ہے SUBJECTS "سبجیکٹ" کا، اور "سبجکیٹ" کے معنی جس انگریزی ڈکشنری میں چاہیے دیکھ لیجیے جس لاطینی مادہ سے یہ ماخوذ ہے اس کے معنی ہیں نیچے ڈالنے کے، قدموں کے نیچے ڈالنے کے گویا رعایا وہ ہوئی جو پامال کرنے کے قابل ہے، پیروں سے روندنے اور کچلنے کے لائق ہے اور آدمی یا ملازم کے لیئے لفظ SERVNT "سرونٹ" جس کے معنی ہیں غلام یا غلامانہ خدمت کرنے والے کے! اور آنحالیکہ ہمارے ہاں خود اس بدنصیب زرخرید کے لیئے بھی لفظ کتنے پیار کا ہے یعنی "غلام" جس کے معنی "لڑکے" کے ہیں!

عمل اور عملدرآمد کا سوال بعد کا ہے۔ یہاں دونوں تہذیبوں کے چند ابتدائی اور بنیادی تصورات کا ذکر کر دیا گیا ہے ایک تہذیب اسلامی نہیں لیکن اسلام سے متاثر، یعنی مشرقی یا نیم اسلامی ہے دوسری تمام تر مغربی یا فرنگی۔ دونوں کے راستے آپ کے سامنے کھلے ہوتے ہیں۔

ام المومنین کا پردہ

فاضل محقق مولانا سید سلیمان ندوی کی پرانی کتاب سیرت عائشہ کا نیا ایڈیشن ابھی حال میں نکلا ہے، ام المومنینؓ کے "پردہ" کے سلسلہ میں ہے۔

پردہ کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ آیت حجاب کے بعد تو تاکیدی
فرض ہوگیا تھا کہ جن! طالب علموں کا اپنے ہاں بے روک ٹوک

ٹوک آجانا روا رکھنا چاہتی تھیں آنحضرت صلعم کی ایک خاص حدیث کے مطابق اپنی کسی بہن یا بھانجی سے ان کو دودھ پلوا دیتی تھیں اور اس طرح ان کی رضاعی خالہ یا نانی بن جاتی تھیں اور ان سے پھر پردہ نہ ہوتا تھا ورنہ ہمیشہ طالب علموں اور ان کے درمیان پردہ پڑا رہتا تھا۔ ایک دفعہ چند بیویوں نے حج کے موقع پر عرض کیا کہ چلیے حجر اسود کو بوسہ دے لیں فرمایا تم جاسکتی ہو مگر مردوں کے ہجوم میں نہیں جاسکتی کبھی اگر حج کا موقع پیش آتا تو خانہ کعبہ مردوں سے خالی کر لیا جاتا ایک روایت ہے معلوم ہوتا ہے کہ طواف کی حالت میں بھی سر پر نقاب پڑی رہتی تھی۔ ایک غلام کو مکاتب کیا تھا اس سے کہا کہ جب تک تمہارا زر فدیہ اتنا ادا نہ ہو جاتے تو میں تمہارے سامنے نہیں آسکتی۔ اسحٰق تابعی نابینا تھے۔ وہ خدمت میں حاضر ہوتے تو حضرت عائشہ رضؓ نے ان سے پردہ کیا۔ وہ بولے کہ مجھ سے کیا پردہ؟ میں تو آپ کو دیکھتا نہیں فرمایا تم مجھے نہیں دیکھتے تو میں تو تم کو دیکھتی ہوں مردوں سے شریعت میں پردہ ہے لیکن ان کا کمال احتیاط دیکھیے اکثر وہ اپنے حجرہ میں حضرت عمرؓ کے دفن ہونے کے بعد سے بے پردہ نہیں جاتی تھیں۔ (صد ۱۶۱ ۔ صد ۲۹۱)

اپنی سب سے مقدس و محترم ماں کا حال امت کے لڑکوں اور لڑکیوں نے پڑھ لیا؟ اور اس باب میں کیا محترم بیویوں میں سے کسی کا طرز عمل اس کے مخالف بھی ہے؟ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ حضرت ام سلمہ رضؓ حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ ان میں سے کسی کا طریقہ امہات المومنین کے معمولات سے مختلف رہا ہے؟ سوال

جزئیات وتفصیلات کا اتنا نہیں جتنا اصل روح ومغز کا ہے۔ مغز شریعت' اس سلسلہ وسیاق میں بجز ایک لفظ "حیاداری" کے اور کیا ہے ؟ یہی تاکید قرآن میں، اسی پر زور حدیث میں، اسی پر عمل متفقہ طور پر ساری جنتی بیویوں کا۔ اس کے برعکس ساری تہذیب جدید' اور مسلک تجدید کا خلاصہ بجز ایک لفظ' بے حیائی کے اور کیا ہے ؟ دونوں راستوں کے درمیان تطبیق ومصالحت کی کوئی صورت ہے ؟ خوب جی کڑا کر کے فیصلہ کر لیجیے کہ آخر ساتھ کس تعلیم کا دینا، اور پیروی کس کی اختیار کرنا ہے ؟

رہبر کی ہدایت اور راہگزر کا فریب

ریل کے ایک تازہ سفر میں ایک لیگی ہمسفر نے سوال کیا، کہ کہیے لیگ اور کانگریس میں مصالحت ومفاہمت کے کیا امکانات ہیں ؟ اور صلح ہو جانا بہتر ہے یا لیگ کا اپنی ڈائریکٹ ایکشن کی تجویز پر قائم رہنا ؟ قبل اس کے کہ جواب عرض کیا جائے، ایک دوسرے ہمسفر پر جوش مسلم لیگی بول اٹھے، کہ صلح ہرگز نہیں ہو سکتی اور نہ ہونی چاہیے' زیادہ سے زیادہ نقصان یہی ہوگا نہ کہ ہر شہر کلکتہ اور بمبئی ہو جائے گا، ہو جانے دیجیے' کچھ مر کٹ جائیں گے، کٹ جانے دیجیے۔ ۱۰ کروڑ کی آبادی ہے، ۴۰، ۵۰ لاکھ نذر ہو جائیں تو کیا مضائقہ ہے اس کے بعد تو فضا درست ہوگی، پھر تو حالات اپنے قابو میں ہوں گے۔" جن صاحب نے یہ کہا، انھوں نے ایک بڑے طبقہ کی نمائندگی کر دی۔ عام ذہنیت یہی پھیلی ہوئی ہے۔ عام مقررین اور اخبارات اسی آگ کو ہوا دیتے جا رہے ہیں لیکن کسی خیال کا

عام ہوجانا اور ہے اور صحیح ہونا اور۔ سوال اتنا ہے کہ صحیح و صائب بھی یہی راستے ہے؟ شریعت کے احکام اور روزمرہ کے تجربے رہنمائی اسی جواب کی جانب کر رہے ہیں؟

مسلمان کا خون کیا ایسا ہی ارزاں ہے؟ مسلمان کی جان کیا اتنی ہی سستی ہے کہ بلا ضرورت شدید، ہر ہنگامی اشتعال پر دی جا سکتی ہے؟ لاکھوں اور ہزاروں کو تو خیر جانے ہی دیجئے۔ دہائیوں بلکہ اکائیوں کی تعداد میں' گنتی کے چند مسلمان بھی اگر بلا ضرورت شرعی شہید ہو گئے، تو اس میں اور خودکشی میں کیا بڑا فرق رہے گا؟ چند نہیں، کل ایک مسلمان کی بھی زندگی اللہ اور اس کی شریعت کی نظر میں جو قدر و اہمیت رکھتی ہے' اس کا معاوضہ دنیا کی ساری دوسری چیزیں مل کر بھی کر سکتی ہیں؟ جہاد کے فضائل سے کتاب و سنت یقیناً لبریز ہیں، لیکن قتال' یہ بالکل آخری اور ناگزیر صورت کا نام ہے' جب ہر جائز و ممکن تدبیر ناکام ہو لے۔ یا یہ کوئی ہلکی پھلکی تماشہ کی چیز ہے کہ جب اور جس نے چاہا، بلا اجتماع شرائط، بلا انتظام امام ہر تو ہین' ہر اشتعال ہر ناگواری کے موقع پر بلا توقف شروع کر دیا؟ حادثۂ کربلا تاریخ امت میں ایک اہم ترین اور بڑا سبق آموز واقعہ گزرا ہے' لوگ آخر اس سے یہ کھلا ہوا سبق کیوں نہیں لیتے کہ اس دلیر اور غیور صحابی رسول و سبط پیمبر نے کتنی کوشش جنگ و خونریزی سے بچنے کی کی ہے اور تلوار سے صرف کام اس صورت میں جا کر لیا ہے جب رفع شر کی ہر ممکن کوشش ناکام ہو چکی تھی، شجاعت، ہمت

جانبازی اور چیز ہے اور جوش۔ ترنگ اور۔ ع
وہ رہبر کی ہدایت، یہ رہگزر کا فریب!

اُسوۂ علیؓ

نہج البلاغۃ خود تو اس وقت سامنے نہیں، البتہ اس کا ایک اقتباس کوئی بارہ، چودہ سال ہوئے۔ سچ میں شائع ہوا تھا، اُمید ہے کہ صحیح ہوگا:۔

کتاب (علیہ السلام کتبہ لاہل امصار تقیض فیہ فاجراً بینہ وبین اہل الصفین۔

حضرت علیؓ نے اپنے اور اہل صفین (جماعت امیر معاویہؓ) کے نزاعات سے متعلق جو فرمان ملک بھر میں شائع کرایا تھا وہ حسب ذیل ہے کہ

یہ عنوان تھا، عنوان کتنا دلچسپ و اشتیاق انگیز! خلافت کے باغیوں سے متعلق بیان خود خلیفۃ المسلمین کی زبان سے اور وہ بھی شیعہ ذرائع نقل و روایت سے آیا ہوا ظاہر ہے اس میں کوئی بات ان "بدبختوں" سے متعلق اٹھا رہی ہوگی! بے شک توقع تو یہی ہوتی ہے اب اصل فرمان پڑھیے اور اُسے ملائیے کہ واقعہ کہاں تک اندازہ کا ساتھ دیتا ہے:۔

وکان بدا امرنا ان اقتلونا القوم من اہل الشام والظاہر ان ربنا واحد ونبیّنا واحد ودعوا تنا فی الاسلام واحد۔

ہمارے معاملہ کا آغاز یوں ہوا کہ ہم اور اہلِ شام (یعنی فریق امیر معاویہؓ) آپس میں لڑ پڑے اور یہ یقینی ہے کہ ہمارا ان کا خدا ایک ہے

اور ہمارا ان کا پیمبر ایک ہے اور ہمارا ان کا کلمہ اسلام ایک ہے۔

یہ کیا؟ نہ لعنت نہ سب دشتم! ان جان کے دشمنوں اور خون کے پیاسوں تک کے لیے یہ نہیں کہ کافر ہیں، مردود ہیں، منافق ہیں مرتد ہیں، دین سے باہر نکل چکے ہیں۔ ایمان سے خارج ہو چکے، ننگِ انسانیت درندے ہیں، بھیڑ کی کھال میں بھیڑیے ہیں، کندۂ جہنم ہیں، پرستار ابلیس ہیں! بلکہ یہ ہے کہ ہمارا اُن کا دین ایک، ایمان ایک، عقیدہ ایک! اور آگے چلیے شاید کہ آگے کچھ مل جائے چلیے:۔

لا نستزیدھم فی الایمان باللہ والتصدیق برسولہ لا یستزیدوننا فالامر واحد الا اختلفنا فیہ من دم عثمان ونحن منہ براء۔

خدا اور رسولؐ پر ایمان رکھنے میں نہ ہم اُن سے زیادہ نہ وہ ہم سے زیادہ! غرض ہر طرح ایک ہیں، صرف خونِ عثمانؓ کے باب میں ہمارا اُن کا اختلاف ہے۔

مگر وہ برابر اس میں قصوروار سمجھتے ہیں (حالانکہ ہم اس سے بالکل بری ہیں!)

لیجیے! اللہ اللہ خیر صلاح! تکفیر کیسی، تفسیق تک نہیں! سب بھائی بھائی، اجزاء ایمان میں نہ ان کو ان پر فضیلت، نہ انھیں ان پہ برتری! اختلاف کل ایک چیز میں جس کا تعلق نہ کسی عقیدہ سے نہ ایمان کے کسی جزو سے بلکہ

صرف ایک عملی قانون سے! قتل خلیفۂ مرحوم کی ذمّہ داری و عدم ذمّہ داری سے! ایک تمام تر اجتہادی معاملہ ہے!

سُنّی اور وہابی، سنی اور بدعتی، مقلد و غیر مقلد، قبی و غیر قبی[1] اور اب لیگی و غیر لیگی، جتنی "جوڑیں" ہمارے ہاں پیدا ہو چکی ہیں، کوئی اسوۂ حسنہ سے سبق لے گا؟

بدعتوں سے بے تعلقی اور تعاون کے حدود

حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ آٹھویں صدی ہجری کے ایک مشہور محدّث و مفسر گزرے ہیں، ان کی تفسیر تمام علماء اہلِ سنت میں معتبر و مستند چلی آرہی ہے سورۂ مائدہ کے شروع میں یا ایھا الذین اٰمنوا کے ذیل میں حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں، کہ سب ایمان والوں کے سردار و سرِ دفتر اشرف حضرت علیؓ ہیں، کہ اصحاب رسول میں سے وہی ایک ایسے ہیں جن پر کسی معاملہ میں کوئی گرفت نہیں ہوتی ہے اور اس روایت کو اصل الفاظ میں راویوں کے سلسلہ کے ساتھ نقل کرکے کہتے ہیں کہ

فھو اثر غریب ولفظہ فیہ نکارۃ وفی اسنادہ نظر

یہ روایت واہی ہے۔ اس کے الفاظ بھی منکر ہیں اور اس کی سند

---

[1] ۱۹۲۵ء میں سلطان ابن سعود کے تسلط حجاز کے وقت جب قبہ شکنی کے سلسلہ میں مسلمانوں میں شدید جدال بلکہ قتال کی نوبت آگئی تھی اس وقت ان دونوں غالی گروہوں کیلئے یہ نام وضع ہوئے تھے

بھی مضبوط نہیں۔

قال البخاری عیسٰی بن راشد ھذا مجھول وخبرہ منکر

امام بخاریؒ نے فرمایا ہے کہ اس کا ایک راوی عیسٰی بن راشد مجہول ہے اور اس کی روایت غیر مقبول ہے۔

قلت وعلی بن ھذیمہ وان کان ثقۃ الا انہ شیعی غالی وخبرہ فی مثل ھذا فیہ تھمۃ فلا یقبل۔

اور میں کہتا ہوں کہ اس کا ایک راوی علی بن ہذیمہ ہے جو گو ثقہ ہے لیکن غالی شیعہ ہے اس کی روایت ایسے معاملہ میں جو خاص اپنے عقیدہ کی تائید میں ہو غیر مقبول ہے۔

یہ تھا ہمارے محدثین و مفسرین کا معیار عدل و توازن۔ روایت درج کی درج بھی کر دی، اور پھر اس کا درجہ ظاہر کر دیا، نہ کسی پر لعن وطعن نہ کسی پر آوازے محض فنی نقد کر کے بتا دیا کہ راوی کی یہ روایت ناقابلِ قبول ہے۔ آج کا معیار سُنیت کیا ہے؟ آج آپ کسی شیعہ اور پھر غالی شیعہ کا ذکر اپنی کسی دینی کتاب میں اس انداز سے کر کے گزر جانے پر قادر رہیں۔؟

انھیں شیعہ راوی صاحب کا ذکر ، ان کی شیعیت کی تصریح کے باوجود ائمہ فن رجال کی زبان سے سُنیے :-

قال عبد اللہ بن احمد عن ابیہ صالح الحدیث ولکن کان راساً فی التشیع۔

عبداللہ بن احمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ علی بن منذر صالح الحدیث تھے، گو تشیع کے سردار۔

قال ابن معین وابو زرعة والنسائی والعجیل ثقته

ابن معین وابو زرعہ اور نسائی والعجیل رسب آئمہ فن کے نام ہیں) کہتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔

قال النسائی فی موضع آخر لیس بہ باس

نسائی ہی نے ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ ان سے روایت لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

قال ابن عمار من الثقات وقال ابو حاتم صالح الحدیث

ابن عمار نے ان کا شمار ثقات میں کیا ہے ابو حاتم نے انھیں صالح الحدیث قرار دیا ہے۔

وقال ابن حبان فی الثقات وقال ابن شاهین فی الثقات

ابن حبان اور ابن شاہین دونوں نے ان کا شمار ثقات میں کیا ہے

یہ سارے قول امام فن حدیث حافظ ابن حجرؒ کی تہذیب التہذیب میں نقل ہوئے ہیں رجلد ۷ صد ۲۹۵ و صد ۲۹۶) اور سب کا خلاصہ تقریب التہذیب میں ہے کہ:۔

"ثقتہ رمی بالتشیع صد ۲۶۹ ثقہ تھے، گو منسوب تشیع کی جانب کئے گئے ہیں"

یہ ایک نام صرف مثال اور نمونہ کی طرح لے دیا گیا۔ مقصود گزارش

یہ ہے کہ آج بھی ہم اپنے اکابر کی اسی معتدل، متوازن روش کو کیوں نہ دلیل راہ بنائے رکھیں ؟ متبدع فرقوں سے ترک موالات بے تعلقی۔

قوم پرست اسوۂ رسول کی روشنی میں

عن عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہا قالت خرج رسول اللہ قبل بدر فلما کان بحرۃ الوبرۃ رجل قد کان یذکر منہ جرأۃ ونجدۃ ففرح اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین رأوہ۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلعم کوچ کر رہے تھے بدر کی طرف کہ راستے میں فلاں مقام پر مدینہ سے کوئی ۴ میل آگے۔

قال النووی وھو موضع علی نحو من اربعۃ امیال من المدینۃ

ایک شخص ملا، جس کی بہادری کی دھوم تھی مسلمان اُسے دیکھ کر باغ باغ ہوگئے۔

اور کیسے نہ ہوتے جنگ کے موقع پر زبردست حلیف کے میسر آجانے سے کون نہیں خوش ہوتا ؟ اور مسلمان تو قریش کے قافلۂ رسد رسانی کے قطع کرنے کے ارادے سے نکلے ہی تھے۔ جانتے تھے کہ قافلہ قریش کی شہرگ حیات ہے، قریش اس کی حفاظت میں جان لڑا دیں گے۔

فلما ادرکہ قال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جئت لاتبعک واصیب معک قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تؤمن باللہ ورسولہ قال لا قال فارجع فلن استعین بمشرك قالت ثم مضٰی حتٰی اذا کنّا بالشجرۃ ادرکہ الرجل فقال لہ کما قال اوّل مرۃ فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما قال اوّل مرۃ قال فارجع فلن استعین بمشرك۔

وہ شخص رسول اللہ صلعم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا، اور عرض کی کہ میں بھی تمہارا ساتھ دینے کو تیار رہوں، کہ میرے حصہ میں بھی کچھ مالِ غنیمت آجائے گا۔ رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو بتاؤ۔ ایمان رکھتے ہو توحید رسالت پر؟ جواب دیا کہ نہیں اس پر ارشاد ہوا کہ بس تو پھر واپس جاؤ، مشرک سے میں مدد نہیں لیا کرتا اس پر وہ شخص چلا گیا لیکن جب مسلمین فلاں مقام پر پہنچے تو پھر وہ شخص ملا اور اب کی پھر اس نے رسول اللہ صلعم سے وہی عرض کیا، اور اب کی پھر اسے وہی جواب ملا۔

امداد کی احتیاج ظاہر ہے کہ تھی اور شدید تھی اس پر بھی یہ عالم کہ ملتی ہوئی امداد ٹھکرائی جارہی ہے، واپس کی جارہی ہے اور سٹول اتحادیوں اور حلیفوں کی نہیں، ایمان واسلام کی ہے! جنگ میں فتح یقیناً مطلوب تھی، اور دل سے لگی ہوئی تھی، لیکن مقصود بالذات نہیں، مقصود بالذات تو وہی ایمان تھا، اسلام تھا۔
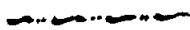
قالت ثم رجع ادرکہ بالبیداء قال لہ کما قال اوّل مرۃ تؤمن باللہ ورسولہ قال نعم فقال رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم فانطلق (صحیح مسلم، کتاب الجہاد و السیر قریب ختم. باب ۴۵)

وہ شخص پھر چلا گیا اس کے بعد ایک اور مقام پر ملا۔ اب کی پھر وہی سوال و جواب ہوا اور اب کی جب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ توحید و رسالت پر تو اب کی اس نے جواب میں "ہاں" کہا۔ اس پر رسول اللہ صلعم نے فرمایا اچھا تو ساتھ چل سکتے ہو۔

رسول کا یہ اُسوہ اُمت نے دیکھ لیا؟ نہ ہوتے آج کے قوم پرست اور "روشن خیال" تجدد نواز۔ نہیں تو جرح کر ڈالتے کہ قومی فتح و ظفر کو اعتقادی چھان بین کی خاطر پس پشت ڈال دینے کے معنی ہی کیا؟ ضرورت ہتھیاروں کی تھی، ملک کی تھی، اپنی آزاد حکومت کی تھی، غیروں کی غلامی سے خلاصی کی تھی۔ یہ عقائد و ایمانیات کی بحث چھیڑ دینا (نعوذ باللہ) نری ملائیت ہے! "آتاترک" کے مریدوں اور "لازوال" "سردار" کے نقیبوں کی ذہنیت کیا اس سے کچھ بہت مختلف ہے؟ خود اپنے اندر اسلامی عقائد میں ضعف و تزلزل آجانے کا سوال نہیں، محض دوسروں کی شرکت کے موقع پر یہ جانچ پڑتال ہو رہی ہے؟

بزرگوں کی نظر

روایت سید الطائفہ، سلطان طریقت جنید بغدادیؒ سے متعلق ہے اور راوی خود ایک امام الصوفیہ ہیں، شیخ فریدالدین عطارؒ۔

شبے با مریدے در راہ می رفت سگے بانگ کرد جنید گفت لبیک لبیک مرید گفت ایں چہ حال است، گفت قوّت و دمدمہ سگ از قہر حق تعالےٰ دیدم و آواز از قدرت حق تعالیٰ شنیدم و سگ را درمیاں ندیدم دلا جرم جواب لبیک دادم (تذکرۃ الاولیاء جلد ۲ ص ۱۵)

ایک بار رات کے وقت اپنے ایک مرید کے ساتھ راہ سے گزر رہے تھے۔ ایک کتا بھونکا۔ جنید بولے لبیک لبیک! مرید نے کہا یہ کیا! بولے کہ کتے کی اس قوت و ہمہمہ میں مجھے قہرِ الٰہی کا جلوہ نظر آیا، آواز نے مجھے قدرت حق کی محسوس ہوئی۔ کتے کا وجود درمیان میں نظر نہ آیا۔ لا محالہ میں نے جواب میں لبیک پکارا۔

ظاہر ہے بالکل ظاہر ہے کہ صوفی کی نظر نے گھورے پہ ایک لعل پڑا دیکھ لیا۔ دوسرے راہگیر بدبو سے پریشان، ناک پہ کپڑا رکھے گزر رہے چلے جا رہے تھے، صوفی رُک گیا اور گندگی کے ڈھیر سے لعل اٹھا لیا اسے کتے کی نجاست سے بحث کیا تھی، اُسے سرکار تو صرف اسی کام کی چیز سے تھا اب اگر کوئی صاحب نرخرہ کی پوری قوت سے چلا چلا کر کہنے لگیں، کہ دیکھو تو جنید نے ایسے گندے اور نجس جانور کو مظہر ذاتِ الوہیت بنا دیا، اور معاملہ اس کے ساتھ رد کرنا شروع کر دیا، جو حاجی بیت اللہ کی زیارت کے موقع پر کرتے ہیں، تو آپ اُن صاحب کے فہم و خرد، دینداری و حمیّت مذہبی سے متعلق کیا رائے قائم کریں گے؟

ایک دوسرا واقعہ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر انھیں بزرگ کا ملاحظہ

ہو۔

نقل ست کہ در بغداد دزدے را آویختہ بودند۔ جنید برفت و پائے او بوسہ داد، ازو سوال کردند۔ گفت ہزار رحمت بروے باد کہ در کار خود مرد بودہ است وچناں ایں کار را بہ کمال رسانیدہ است کہ سر درسر آں کار کردہ است (جلد ۲ صہ ۸ مطبوعہ یورپ)

بغداد میں ایک (عادی) چور کی (لاش) لٹکا دی گئی تھی، جنید نے جاکر اس کے پیر کو بوسہ دیا اور (جب سوال کیا گیا تو کہا کہ اس پر ہزار وں رحمتیں ہوں کیسا مرد اپنی دھن کا پکا تھا۔ اپنے کام میں لگنے استقلال کا ثبوت دیا، کہ جان تک اسی کی نذر کردی۔

بالکل ظاہر یہاں بھی ہے کہ جنیدؒ نہ شریعت میں کوئی رخنہ ڈال رہے تھے نہ چوری کا اعزاز کر رہے تھے۔ وہ داد صرف ایک وصف کمال یعنی محض استقلال کی دے رہے تھے اب اگر اس پر کوئی صاحب اپنے گلے کی رگیں پھلا پھلا کر، اور منہ میں جھاگ بھر بھر کر، چیخنے لگیں، کہ دیکھئے تو جنید نے شریعت کے باغی کی یہ تکریم کی چوری کے عادی، شریعت شکن مجرم کی پابوسی کا چلن چلا دیا، تو آپ ان صاحب کی فہم سلیم کے متعلق کیا فتوے دیں گے۔

شریعت کے مسئلے بڑے اور چھوٹے، سب اپنی اپنی جگہ برحق اور عین حق ہیں۔ لیکن اُنھیں بھی سمجھنے کے لیئے اور اُن سے استفادہ کے لیئے ضرورت ہے تھوڑی سی شرافتِ نفس کی۔ دماغ پر حکومت کج فہمی کی اور

دل پر تسلط بغض و عناد کا نہ ہو! اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ۔

دو سبق

سمعت الشعبی یقول حدثنی الحارث الاعور الھمدانی وھو یشھد انہ احد الکاذبین (مقدمہ صحیح مسلم)

عامر بن شراحبیل ایک امام حدیث ہیں کہتے ہیں کہ روایت کی مجھ سے حارث اعور ہمدانی نے درآں حالانکہ شعبی خود اس کے گواہ ہیں کہ حارث کا شمار جھوٹے راویوں میں ہے۔

اس کی ایک عبارت سے سبق دو حاصل ہوتے ایک یہ کہ راوی کے ضعف کے ظاہر کر دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ سرے سے متروک الحدیث ہو جائے دوسرے یہ کہ جس سے روایتِ حدیث قبول کر لی جائے ضروری نہیں کہ وہ ہر اعتبار سے فہم و دیانت کے اعلیٰ ہی معیار پر ہو۔

قال ایوب ان لی جاراً ثم ذکر من فضلہ ولو شھد عندی علی تمرتین ما رایت شھادتہ جائزۃً۔ (مقدمہ صحیح مسلم)

ایوب نے کہا میرے ایک ہمسایہ ہیں۔ پھر ان کے فضائل بیان کیے۔ اور پھر کہا، کہ لیکن اگر وہ میرے سامنے دو کھجوروں کے باب میں بھی گواہی

دیں تو میں ان کی شہادت کو نہ مانوں گا۔

گویا یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک شخص اور ہر اعتبار سے معزز و مکرم ہو لیکن شہادت اس کی ادنیٰ سے ادنیٰ معاملات میں ناقابلِ اعتبار ہو۔

سألت جرير بن عبد الحميد فقلت الحارث بن حصيرة لقيته قال نعم شيخ طويل السكوت يصر على امر عظيم (مقدمة صحيح مسلم)

میں نے جریر بن عبد الحمید سے دریافت کیا، آپ سے حارث بن حصیرۃ سے ملاقات رہی ہے؟ انھوں نے کہا، ہاں، ایک بوڑھے آدمی تھے، اکثر خاموش رہا کرتے لیکن ایک امر عظیم کے قائل تھے، اور اس میں غلو رکھتے۔

اس "امر عظیم" کی شرح شارحین حدیث و ماہرین رجال نے یہ کی ہے کہ شیعوں کے عقیدۂ رجعت امام کے قائل تھے۔ تہذیب میں ہے قال ابو احمد الزبیری کان یومن بالرجعۃ۔ تہذیب ہی میں محدث دارقطنی کی یہ رائے بھی درج ہے کہ حارث شیعوں کے بزرگ تھے اور شیعی عقیدہ میں غلو رکھتے تھے۔ وقال الدارقطنی شیخ للشیعۃ یغلو فی التشیع۔ لیکن اس کے باوجود۔

قال ابن معین ثقۃ (تہذیب)	محدث ابن معین کی رائے میں ثقہ تھے
قال النسائی ثقۃ (" ")	محدث نسائی کے نزدیک ثقہ تھے
ذکرہ ابن حبان فی الثقات (" ")	محدث ابن حبان نے ان کا شمار ثقہ لوگوں میں کیا ہے

عن ابی داؤد شیعی صدوق (۳) محدث ابوداؤد کہتے ہیں کہ وہ شیعہ تھے مگر معتبر تھے اور بالآخر فیصلہ ان کے حق میں یہ ہوا کہ :-

صدوق یخطی ورمی بالرفض (تقریب)

وہ معتبر ہیں، گو غلطی کر جاتے ہیں اور رفض سے منسوب کئے گئے ہیں۔

علی ضعفہ یکتب حدیثہ (تہذیب)

ان کے ضعیف ہونے کے باوجود حدیث اُن سے منقل ہوگی۔

اپنے اکابر کا طرز عمل آپ نے دیکھ لیا ؟ نہ فضل وکمال کے اعتراف میں ادنیٰ بخل اور تنگدلی نہ عیب ونقص کی پردہ دری میں ادنیٰ مروّت و مداہنت۔ نہ اندھی عقیدت، نہ مخالفت میں غلو۔ پھر یہ کیا ہے کہ آپ اسی نمونہ کو اپنے لیئے دلیل راہ نہیں بناتے، اور عقیدت یا اختلاف بات کو اپنی جگہ پر نہیں رہنے دیتے ؟ نہ ہر خوبی دوسری خوبی کی مستلزم، نہ ہر عیب کے لیئے دوسرا عیب ناگزیر۔ کسی نے اگر دس مسئلوں کی تشریح صحیح کی ہے تو یہ کیا فرض ہے کہ گیارہویں مسئلہ میں بھی اس کی فکر ونظر صحیح و مستقیم ہی ہو؟ کسی نے اگر دس بار جھوٹ بولا ہے تو یہ کیا ضرور ہے کہ گیارہویں بار بھی جھوٹ ہی پر بے اس کی زبان کھلے ؟ حسن ظن، سوء ظن بھی یقیناً انسانی تجربات ومعاملات میں ایک درجہ رکھتے ہیں، لیکن ان کو بھی تو ان کے مقام ہی پہ رہنے دیجیئے۔ ان میں مبالغہ کر کر کے بات کو کہیں سے کہیں تو نہ پہنچا دیجیئے۔ ہو سکتا ہے کہ سیاسی راہنمائی فلاں عالم کی بالکل غلط ہو، لیکن نماز پڑھنے

کا اُسی کے پیچھے دل چاہیے قرأت اسی کی سننے میں دل لگے ہو سکتا ہے کہ ایک مصنف کی ایک ہی وقت میں دو تحریریں شائع ہوں ایک بالکل صحیح دوسری بالکل غلط۔

مدح وقدح

عن عبد اللہ بن المبارک قال قلت بسفیان الثوری أنّ عبّاد بن کثیر مَن تعرف حالہٗ اذا جاء بأمرٍ عظیم فتریٰ ان اقول للنّاس لاتاخذوا عنہ قال سفیان بلیٰ قال عبد اللہ فکنت اذا کنت فی مجلسٍ ذکر فیہ عبّادٌ اثنیتُ علیہ فی دینہٖ واقولُ لاتاخذُوا عنہ (صحیح مسلم۔ مقدمہ۔ باب الکشف عن معایب رواۃ الحدیث)

مشہور عالم و بزرگ حضرت عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان ثوریؒ سے عرض کی کہ عباد بن کثیر سے تو آپ واقف ہی ہیں یہ حضرت جب حدیث بیان کرتے ہیں تو ایک بلا لاتے ہیں تو آپ کی رائے ہے میں لوگوں سے یہ کہہ نہ دوں کہ ان سے روایت ہی نہ کیا کرو؟ حضرت سفیان نے جواب دیا کہ بے شک یہی کرو عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے میں جب مجلس میں ہوتا اور وہاں کا ذکر آجاتا تو میں ان کی دینداری کی تو مدح

کر دیتا لیکن ساتھ ہی میں یہ بھی کہہ دیتا کہ ان سے حدیث کی روایت نہ کرنا!

ان عباد بن کثیر ثقفی بصری کی دینداری پر حضرت عبداللہ بن مبارک اور حضرت سفیان ثوری جیسے شاہد عادل موجود ہیں اور نقد احادیث و رجال میں اب تک یہ مدح لکھی چلی آ رہی ہے کہ

كان رجلاً صالحاً (تہذیب)	وہ آدمی صالح تھا
يذكر من زهد وتقشف (")	ان کا زہد و تقشف مشہور رہا
كان شيخاً صالحاً (")	ایک صالح بزرگ تھے۔

لیکن ان کی اس عظمت و جلالت قدر کی روایت نہیں، خود مشاہدہ تک عبداللہ بن مبارک رح کو اس سے مانع نہ ہو سکا کہ وہ علانیہ اُن کے فتنہ کو دین سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں اور لوگوں کو ان سے روایت حدیث لینے تک سے روکیں! اور امام احمد رح نے تو یہاں تک فرما دیا ہے کہ عباد صالح ضرور تھے۔

عن احمد .... روى احاديث كذب لم يسمعها وكان صالحاً قلت فكيف روى مالم يسمع قال البله والغفلة (تهذيب التهذيب)

لیکن حدیثیں جھوٹی روایت کر جاتے تھے ایسی کہ جو ان کی سُنی ہوئی بھی نہیں ہوتی تھیں۔ راوی نے اس پر سوال کیا کہ یہ کیسے؟ امام احمد نے کہا کہ بس سادہ لوحی اور سہل انگاری' اور کیا'۔

یہ ایک مثال تو صرف نمونہ کے طور پر پیش ہوئی۔ باقی ہمارے اسلاف کی تاریخ تو ایسے نظائر سے پٹی پڑی ہے صدیوں بعد کے ایک بزرگ امام

غزالیؒ ہوئے ہیں، فلسفہ، تصوف، حکمت، شریعت، فلسفہ اخلاق، علم کلام سب میں ممتاز اور آج تک شہرۂ آفاق لیکن محقق ابن جوزیؒ نے ان کی نقل کی ہوئی احادیث پر تنقید وطعن کا کوئی درجہ اٹھا رکھا ہے؟ کس بے دردی کے ساتھ ان کی پردہ دری کی ہے!

آج ایک نئی تحریک "تحریکِ اسلام" کے نام سے پیش ہو رہی ہے۔ تجدیدِ دین کے لباس میں۔ کیا اس تحریک پر تنقید سے پرہیز اس لئے روا ہو گا کہ تحریک کے علمبردار کی دینی خدمات اب تک یعنی ان کی آل انڈیا قیادت کے دور سے قبل تک، قابلِ قدر رہی ہے؟ یا اس لئے کہ بانی تحریک کے لئے "متکلم اسلام" کا لقب خود صدق ہی سب سے پہلے استعمال کر چکا ہے؟ یا پھر اس لئے کہ اس سے بعض دوستوں اور مخلصوں کے دل آزردہ ہوں گے اور بعض پچھلے رفیق ساتھ چھوڑ دیں گے؟ کیا یہ تحریک کے کمزور اور شر انگیز پہلوؤں سے ندامت اس بنا پر جائز رکھی جائے گی کہ صاحبِ تحریک بھی دین ہی کی خدمت کا حوصلہ اور ولولہ رکھتے ہیں؟ کیا صاحبِ تحریک اور ان کے رفیقوں کی تجویزیں، تدبیریں، اسکیمیں اور منصوبے تنقید شدید بیباکانہ تنقید سے بالاتر ہیں؟ کیا چودھویں صدی والے اور چھٹی صدی والے اس حق سے محروم تھے آزادی اور بے تکلفی سے اپنے اپنے عہد کے صالحین کے ابرار کے مقابلہ میں! کیا کسی اگلے کے متعلق جب یہ کہنا جائز تھا کہ وہ بزرگ اور متقی بیشک ہیں، لیکن ان کی حدیثیں جھوٹی، ان کی روایتیں بے سند، تو کسی پچھلے سے متعلق یہ کہنا گناہ ہے کہ وہ مصنف اچھا

ہے، ایک ممتاز صاحب قلم ہے لیکن ایک دینی تحریک کے لیڈر اور قائد کی حیثیت سے بے بصیرت ہے، تو قابلِ اعتماد ہے، ناقابلِ تقلید ہے؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ "تحریک" کے اندر خطا اور صواب کا خلط ہو گیا ہے۔ اور "تجدید" ایک معجون مرکب ہو حق و باطل کا، جس پر حکم بہر حال باطل کا کیا جائے گا؟

———

آیاتِ بیّنات

فہرست

قلم سے تعلیم
غافل انسان
مخلوط عبادت
خدا کا عذاب
ایمان کی قوت
دعوتِ قرآن
تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا
فلسفی سرِ حقیقت نتوانست کشود
عرب اور اسلام
ملتِ محمدی میں پانچواں کالم
لڑکی کا عقد
راہِ اعتدال
حقوقِ نسواں اور رواج و دستور
عورت کے حقوق
نسوانی فطرت سلیم
عورت کا مرتبہ
رسمی مسلمان اور کافر کا فرق
احکام الٰہی
اہلِ اللہ سے اللہ کے واسطے جنگ
اہلِ باطل کے جلسوں میں شرکت
مصلحتِ دینی سے
شراب کے فوائد
اتباع و حبِ رسول
دین کے خادم
قیامت کی تائید سائنس کی
زبان سے
بڑے القاب
معجزۂ قرآن اور حیومیری بم
شریعت کا ایک ضابطہ
روشن خیال عورت
حقوق انسانی
مذہب بطورِ کھیل تماشہ
آج اور کل

"قلم" سے تعلیم

مسیحیوں کا "تبلیغی لٹریچر" انجیلوں کے بیسیوں زبانوں میں "ترجمے" انجیلوں کے بے شمار نسخوں کی "اشاعت" یہ فقرے آج آپ ہر طرف سے سُن رہے ہیں یا نہیں؟ ان کارناموں کی دھوم آج ہر طرف مچی ہوئی ہے یا نہیں؟ مسلمان ان واقعات کو عبرت کے موقع پر، اور اپنی قوم کو جوش و غیرت کے لئے پیش کرتے ہیں، اور مسیحی ان سے اپنی مشنری کارگزاری پر استدلال کرتے ہیں بہر حال واقعات بحیثیت واقعات مسلم ہر فریق کو ہیں سوال صرف اتنا ہے کہ یہ راہ کس کی دکھائی ہوئی ہے؟ مسیحی اپنے اس نشر و اشاعت میں اتباع اور تقلید کس کی کر رہے ہیں؟ حضرت مسیحؑ خود کوئی نمونہ اس کا قائم کر گئے ہیں؟ انجیل میں اس کا حکم کہیں دے گئے ہیں؟ اپنی زندگی میں کتنوں سے مکاتبت و مراسلت فرمائی؟ کس کے نام اپنے تبلیغی رسالے بھیجے؟ اور مسیحی عقیدہ کے مطابق کون سی "کتاب" دنیا کے لیے چھوڑ گئے۔

کہتے ہیں اور کہنے والے ہم ہی آپ نہیں ہیں، دشمن بھی یہی کہتے ہیں مسیحی بھی یہی کہتے ہیں، کہ حضرت مسیحؑ کے پانچ چھ سو برس بعد ایک اور پیغمبر آئے، اور انھوں نے آتے ہی فرمایا کہ میں "کتاب" لے کر آیا ہوں، آتے ہی انھوں نے "کتاب" پیش کی! اور انھیں خود جو فرمان سب سے پہلے ملا یہی تھا کہ اقرأ "پڑھو" اس لکھی ہوئی چیز کو پڑھو! پروردگار اور بندے کے تعلق کا جو سب سے پہلا سبق اُن کی زبان سے ادا ہوا وہ یہی تھا کہ باسمِ ربّک الّذی۔ علّم بالقلم (پروردگار وہ ہے جس نے انسان کو تعلیم "قلم"

کے ذریعہ سے دی! ان پیغمبر اعظم نے اپنے معاصر بادشاہوں اور فرماں رواؤں کے نام "خطوط" پر خطوط بھیجے اور خطوط کے جوابات حاصل کیے۔ وہی خدا کے کلام کا مجموعہ کتابی صورت میں مرتب کر گئے، اور انھیں کے رفیقوں اور جانشینوں نے کتاب الٰہی کی نقل و کتابت میں پوری سرگرمی و مستعدی دکھا دی۔ غرض یہ کہ نشر و تبلیغ کے سلسلہ میں سارے مکتوبی کاروبار کو دنیا سے روشناس کرنے والی ذات اسی پیغمبر عرب کی ہوئی ہے یا نہیں؟

اب سوچ کر فیصلہ کیجیے، فیصلہ بحیثیت مسلمان کے نہیں، بحیثیت انسان کے کیجیے کہ آج مسیحیوں کی مشنری دنیا، تبلیغی دنیا، تقلید کس کی کر رہی ہے؟ اسوۂ مسیحی پر چل رہی ہے یا اسوۂ محمدی پر؟ نادانستہ سہی، بے ارادہ سہی، غیر شعوری طور پر سہی، بہرحال چلنا اسے کس کی راہ پر پڑ رہا ہے؟ قدم کس کے نقشِ قدم پر اٹھانا پڑ رہا ہے؟ اور جتنا زیادہ وہ اپنے تبلیغی لٹریچر کی بھرمار کرتی جائے گی، اسی نسبت سے وہ اسوۂ محمدی سے قریب تر، اور اسوۂ مسیحی سے بعید تر ہوتی جائے گی یا نہیں؟ حالی مرحوم کی رباعی توحید میں ہے آخر کے دو مصرعے ہیں:-

ماتا نہیں جس نے تجھ کو، جانا ہے ضرور
انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا!

توحید کے علاوہ رسالت سے متعلق بھی۔ اس کے اپنے رنگ میں یہ کہنا کچھ غلط ہے؟

غافل انسان

اگر آپ کی گھڑی چلتے چلتے بند ہو جائے، یا وقت غلط دینے لگے تو کوئی صورت بجز گھڑی ساز کی مدد کے اس کی اصلاح کی ہے؟ سائیکل اگر تھوڑی بہت بھی ٹوٹ ٹاٹ جائے، تو جب تک سائیکل ساز ہی مرمت نہ کرے آپ مجبور محض رہیں گے یا نہیں؟ موٹر کا کوئی پرزہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے، نکل جائے، گھس جائے تو جب تک موٹر ساز ہی کا ہاتھ نہ لگے، آپ کی ساری عقل و ذہانت بیکار رہے گی یا نہیں؟ یہ سب معمولی مشینیں ہیں، انسان ہی کی ایجاد کی ہوئی، آپ ہی کے بھائی بندوں کی بنائی ہوئی لیکن ان کی ترتیب میں، بناوٹ میں، ترکیب میں صناعت میں ذرا سا بھی فرق پڑ جاتا ہے تو انسان کا علم و فضل، عقل کی رسائی اور فکر کی فلک پیمائی سب دھری کی دھری رہ جاتی ہے، تاوقتیکہ کسی ماہرِ فن کی ماہرِ خصوصی کی خدمات اعانت نہ حاصل کر لی جائیں۔ بشر کی یہ محتاجی اور بے بسی بشری منفعتوں اور صناعتوں ہی سے متعلق روزمرہ کا تجربہ ہے، اور ہر وقت کا مشاہدہ۔

پھر جسم انسانی تو خالقِ کائنات کی کاریگری کا نمونہ ہے اور حسن صنعت کا وہ معجزہ کہ جہاں تک انسانی ادراک اور بشری عقل پہنچ بھی نہ پاتے اس صناعِ اعظم کی کاریگری میں ادنیٰ سی ادنیٰ دخل دینے کی ہمت وجرات کسی مخلوق میں، یا ساری مخلوق میں مل کر بھی ہو سکتی ہے؟ جسم انسانی میں قدرتی نظام

کا قائم کیا ہوا ایک ریشہ بھی اگر جگہ سے بے جگہ ہو جائے تو کس کی مجال ہے کہ اس میں ہاتھ لگا سکے؟ خاک کے بنے ہوئے پتلے الگ رہے نور کے بنے ہوئے فرشتے تک اس کی بارگاہ میں کس نیاز و شکستگی کے ساتھ اپنے جہل اور اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہیں:۔

سبحٰنک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العزیز الحکیم

ہر قسم کے عیب اور نقصان سے پاک اور بالا تر تو آپ ہی کی ذات ہے اے ہمارے مالک و مولیٰ! ہمیں علم ہی کیا، ہمیں علم سے واسطہ ہی کیا۔ ہاں آپ ہی نے ہمیں اپنے فضل و کرم سے تھوڑا بہت علم جو ہمیں عطا کر دیا ہے تو اس کی بات ہی اور ہے۔ اختیار والے اور حکمت والے تو صرف آپ ہی ہیں کہ جس کے لیے جتنا علم قرینِ قیاس مصلحت ہوتا ہے اُس سے اُسے محروم نہیں رکھتے!

یہ محض اس کا لطف بے پایاں اور کرم بے حساب ہے کہ اس نے انسان کو بھی کچھ تدرے قلیل دخل دواسازی اور جراحی میں دے دیا اور اس سے انسان اس قابل ہو گیا، کہ اس کی مشیت اور قانون تکوینی کے ماتحت کچھ علاج معالجہ انسانوں کا کر لینے لگا، ورنہ اس کی کیا بساط تھی کہ خدائی مشین کے کسی چھوٹے سے چھوٹے پرزے سے متعلق ہی طبع آزمائی کر سکے!

مریض اسپتال میں داخل ہوتا ہے۔ حلق کا عضلہ پانی کے داخلہ کو بند کر چکا ہے۔ پیاس سے تڑپ رہا ہے، ایک گھونٹ پانی کا نہیں اُتر پاتا ہے۔

تیمارداروں کی کو ڈاکٹر سے لگی ہوئی۔ جاہل اور غافل انسان! اپنی عقل و تدبیر پہ نازاں اور اپنے فنی تجربہ پر مغرور ڈاکٹر فوراً تدبیر شروع کر دیتے ہیں۔ نلکی کے ذریعہ سے پانی اتارنا چاہتے ہیں۔ ناک کا سوراخ یہ سوراخ وہ سوراخ خدا جانے کتنی کوششیں کر ڈالتے، اور بالآخر تھک جکتے ہیں! جب مشیت پانی کی راہ بند کر دے تو کوئی بھی دروازہ اس کے لیئے کھولا جا سکتا ہے؟ مریض وہیں طبیب کے سامنے جان بحق ہو جاتا ہے۔ الزام طبیب کے سر آتا ہے نادان انسان! گویا زندگی اور صحت طبیب کے نسخوں اور سرجری کے آلات کی محکوم ہے! شکایت اس کی کیوں کیجیے کہ اتنے مریض جانبر نہ ہوئے شکر اس کا کیجیے کہ آخر اتنے مریض تو شفایاب ہو گئے! یہ محض اس کی کریمی اور اسی کی ستاری ہے، جو فلاں سرجن جنرل اور فلاں حاذق الملک بنے نظر آرہے ہیں ورنہ انسان بے چارہ کی یہ مجال بھی تھی، کہ خدائی مشین کے کسی چھوٹے سے چھوٹے، حقیر سے حقیر خلل میں بھی دخل دے سکے۔!

مخلوط عبادت

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَاءً وَّتَصْدِيَةً

(سورہ انفال آیت ۳۵)

ایک چوکور مکان کے گرد اچھلتے، کودتے زمین پہ پیر پٹختے چلے جارہے ہیں، سیٹیوں پہ سیٹیاں بج رہی ہیں، ہاتھوں سے تال دیتے جاتے ہیں۔ یوں

سمجھیے کہ ناچ کی جگہ ناچ، باجے کی جگہ باجہ! اور رہیں کون کون؟ مرد بھی اور عورتیں بھی، لیڈیز بھی جنٹلمین بھی، باپ بھی بیٹیاں بھی، مائیں بھی لڑکے بھی۔ آج کی اصطلاح میں مجمع پوری طرح "مخلوط" آزادانہ اختلاط کا مکمل مرقع۔ چہرے نقاب سے ڈھکے ہوتے نہیں، جسم لباس سے چھپے ہوئے نہیں، گویا "آرٹ" اور "نیچر" دونوں کی کھلی ہوئی نمائش گاہ! آنکھ آنکھ سے لڑ رہی ہے، جسم جسم سے مس ہو رہا ہے "خدا کے گھر" اور "خدا کی شان" دونوں کے نظارے کے موقع ایک ہی وقت میں حاصل! یہ عبادت ہو رہی ہے خدا کی! یہ ادا ہو رہا ہے زندگی کا سب سے زیادہ سنجیدہ و مقدس فریضہ!

نقشہ آج سے ساڑھے تیرہ سو، چودہ سو برس پہلے کی عبادت کا ہے جمہوریہ ملکی کے سردار شرماتے نہیں فخر کرتے تھے اپنی تمدنی "آزادی" شرفا۔ قوم کو ناز تھا اپنی ان "روشن خیالیوں" پر۔ دلیل عزت شرف تھیں۔ یہ "مخلوطی" بیباکیاں۔ کہ غیبی انقلاب کا زلزلہ آیا، اور اس نے دم بھر میں تہس نہس کر دیا ذوقِ عبادت اس تماشا گاہ کو نوچ کر اور مسل کر رکھ دیا، "تہذیب شائستگی" کے اس کا غذی گلدستہ کو اور زیر و زبر کر ڈالا "عقل" جاہلی کے اس طلسم زار کو! انقلاب غیبی کی تاریخ یہاں بیان کرنی مقصود نہیں۔ سوچیے اور دیکھیے صرف اتنا کہ رعایت آج تقویم ہجری کے تیرہ سو ساٹھ سال بعد آج کس چیز کی ہو رہی ہے؟ شوق اور حرص اور رغبت آج پھر کس نظام معاشرت کی دلائی جا رہی ہے؟ پکار آج ہر اونچی کرسی اور باعزت مسند سے کس منزلِ مقصود کی طرف ہو رہی ہے؟ پروپیگنڈا آج اسکول سے اور کالج سے تھیٹر سے اور سینما سے، آرٹ سے اور سائنس سے، اخبار سے اور ریڈیو سے، تصویروں سے اور تقریروں سے لکچروں

اور تحریروں سے، اور خدا معلوم اور کن کن واسطوں سے، کس طرزِ زندگی کے حق میں ہو رہا ہے؟

"مخلوط تعلیم" جس کا آج اس زور و شور سے غلغلہ بلند ہے اسی "مخلوط عبادت" اور "مخلوط" تمدّن کا پیش خیمہ ہے یا نہیں؟ اور پیش خیمہ کیا معنی، یہ "مخلوطیت" بجائے خود آج زندگی کے کسی شعبہ اور معاشرت کے کس میدان اور کس گوشہ میں نمایاں نہیں؟ ناچ گانے، باجے کی فسوں کاریاں آج پھر اسی طرح زوروں پر ہیں یا نہیں؟ بے لباسی اور عریانی کی تحریک آج اسی طرح زور پکڑ رہی ہے یا نہیں؟ بے حیائی اور فحش منظری آج پھر داخل فیشن ہو چکی ہے یا نہیں؟ غرض تہذیبِ جاہلی کے ایک ایک عنصر کو تحلیل کرکے دیکھ لیجئے۔ اور "تعلیم" "ترقی" "ترقی تعلیم" "حریتِ نسواں" "مساواتِ حقوق" کے منتروں سے ڈرے اور جھجکے اور سہمے بغیر، خوب غور کرکے سمجھ لیجئے کہ اس سارے سبز باغ کے عقب میں حقیقت کہیں اُسی فرسودہ جاہلیت کی تو نہیں جس کی حکومت انقلابِ الٰہی کے دَور سے قبل دُنیا پر قائم تھی؟ اور "تجدید" کہیں عین "رجعت" کے، اور "روشن خیالی" کہیں عین "تاریک خیالی" اور "اوہام پرستی" کے مترادف تو نہیں؟

خدا کا عذاب

رقبہ کے لحاظ سے مختصر، رقبہ کل دو میل کا تھا، اور آبادی کے اعتبار

سے معمولی (آبادی کُل تئیس ہزار سے بھی کم تھی) لیکن حُسنِ تعمیر کے لحاظ سے لاجواب نفاست ذوق کے پہلو سے انتخاب، اور تہذیب و تمدن کے لوازم کے اعتبار سے اپنی مثال آپ، شہر پامپی آئی کی شہرت سے کس کے کان ناآشنا ہیں ؟ مملکت سومہ میں واقع، ایک طرف لبِ ساحل دوسری طرف دامنِ کوہ۔ تہذیب و تمدن کے جملہ لوازم اپنے اوجِ شباب پر۔ زمانہ حضرت مسیحؑ سے کل ۷۹ سال بعد کا۔ دفعتہً ایک دن کوہ آتش فشاں پھٹتا ہے شہر پر بادل کے بادل دھوئیں کے چھا جاتے ہیں، اور آگ کے شعلے انگارے آسمان سے برسنے لگتے ہیں اور معاً زلزلہ بھی بھاگتے ہوئے لوگوں کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ کچھ یہاں بیٹھے اور لیٹے تھے، وہیں اسی حال میں جل کر اور بھسم ہو کر رہ گئے۔ کچھ باہر نکلے۔ تو اندھیرا گھپ جسم سے جسم سر سے سر ٹکراتے کتنے یوں ختم ہو گئے کچھ خوش نصیب تھے، جنھوں نے کشتیوں اور جہازوں پر بھاگ بھاگ کر جان بچائی! شہر اٹھارہ سو برس تک دنیا کے نقشے سے غائب ہو گیا۔ انیسویں صدی کے وسط میں پتہ چلا، کہ معدوم نہیں ہوا ہے صرف گرد اور خاکستر سے پٹ گیا ہے۔ کھدائی شروع ہوئی اور برسوں کے بعد، شہر، عبرت کا عجائب خانہ بنا ہوا، اسی طرح جوں کا توں نکل آیا!

تاریخ کی زبان روایت کو یوں بیان کرتی ہے کہ جس وقت یہ زلزلہ آیا ہے، اور آگ آسمان سے برسنی شروع ہوئی ہے، اور انسانوں کے جسم جلنے اور چہرے جھلسنے لگے، رات کا نہیں، دن کا وقت تھا اور لوگ اسی وقت تھیٹر دیکھ رہے تھے! تھیٹر میں کوئی حسن و عشق کا ڈرامہ نہیں، بلکہ المیفی تھیبر

میں، اس عظیم الشان منڈوے میں جو بیک وقت بیس ہزار انسانوں کا جلسہ گاہ تھا، بیٹھے ہوتے، درندوں کو زندہ انسانی جسموں کو اپنے پنجوں اور دانتوں سے نوچتے، اور چیرتے پھاڑتے دیکھ رہے تھے۔ ایہ دن کا وقت اور لہو ولعب میں مشغولیت کیسی صاف اور صریح تصدیق ہو رہی تھی، ایک عرب کے اُمی کے لائے ہوتے کلام کی!

اَوَ اَمِنَ اَهلُ القُرىٰ اَن یاتیهُم باسنا ضحیً وهم یلعبُون

کیا یہ بستیوں والے اس امر کی طرف سے بے خبر ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب آجائے دن دہاڑے، درآنکہ وہ لہو لعب میں لگے ہوں؟

عذاب آیا اور ٹھیک اسی طرح دن دہاڑے آیا اور شہر والوں کو اس حال میں آپکڑا، کہ وہ کھیل تماشہ میں لگے ہوتے تھے! اور اس طرح آیا کہ پامپی آئی کا نام آج تک تاریخ میں ضرب المثل ہے!

لیکن تنہا اسی شہر پر کیا موقوف ہے! پچھلی جنگ عظیم میں کتنے عظیم الشان شہر آن کی آن میں برباد ہو کر رہے! اور آج روز مرہ کیا خبریں آرہی ہیں؟ ہر روز کیا واقعات مشاہدہ میں آرہے ہیں؟ پولینڈ اور اس کے دار الحکومت وارسا کا نام نقشہ میں کہاں ہے؟ فن لینڈ کا خاصا بڑا حصہ غائب ہو گیا ہے یا نہیں؟ آج یہ شہر کل وہ شہر، پرسوں فلاں، اور سب کا کیا حشر ہو رہا ہے؟ وسو ویس کی قدرتی آتش فشانی نہ سہی، انسان کی اپنے ہاتھوں کی آتش زنی اور آتش فشانی کسی آتش فشاں پہاڑ سے کچھ کم ہے؟ یہ آسمان سے ہزار ہا بم کے گولے برس جانا

یہ قلعہ شکن توپوں کی دھڑا دھڑ گولہ باریاں، یہ اژدر دم مشین گن، ٹینک اور خدا معلوم اور کن کن ناموں کے ساتھ بے پناہ آگ اُگلنے والی مخلوقات نہیں مصنوعات، ان کی تباہ کاریاں ان کی قیامت خیزیاں، کس کوہ آتش فشانیاں کے شعلوں، انگاروں اور لپکوں سے کم ہیں؟ جہنم کے تخیل پر ہنسنے والے نمونۂ جہنم کو اسی دنیا میں اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ، رونے کی بھی توفیق اپنے اندر نہیں پاتے!

ایمان کی قوت

"کہا جاتا ہے کہ جنگ میں اعلیٰ فیصلہ کن چیز لڑنے والوں کی ہمت ہے اور تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ قول دوسرے بہت سے مقولوں سے کہیں زیادہ ہے۔" یہ ایک انگریزی اخبار نے حال میں اپنے ایڈیٹوریل میں لکھا، اور آگے پھر لکھا کہ "سامان کی فراوانی، اسلحہ کی تیزی اور جگمگاہٹ اور قواعد داں فوج کی کثرت تعداد، ان سب چیزوں کا بھی اثر ضرور پڑتا ہے مگر مختصر جنگوں میں طویل و مسلسل جنگ میں اعلیٰ اہمیت کی چیز ہے ہمت۔ ہمت افراد و اشخاص کی بھی اور ہمت مختلف طبقات اور ساری قوم کی بھی۔" لیکن یہ ہمت پیدا اور قائم کیوں کر ہو؟ (خلاصہ اسی انگریزی روزنامہ کا چل رہا ہے) ہمت کا تعلق ذہن و اخلاق سے ہے، اور

"مبصرین متفقہ طور پر کہہ رہے ہیں، کہ مغربی تمدن کی اخلاقی بنیادوں کی چولیں ڈھیلی ہو چکی ہیں، مطلق العنانی کے لیے دینی اور بے

قیدی یہ تینوں چیزیں کوئی تین پشتوں سے مغربی معاشرہ میں گھن لگا چکی ہیں اور ابھی تک اس کا کوئی بدل پیدا نہیں ہو سکا۔"

یہ چیز جسے دُنیا ہمت کے نام سے پکارتی ہے، اور جس کی قدر آج پھر معلوم ہوتی ہے، جیسی کہ ہر زمانہ میں معلوم ہوتی رہی ہے مذہب نے اس کا نام "صبر" رکھا ہے اور صبر کی فضیلتوں سے قرآن کی آیتیں لبریز ہیں اللہ کی نُصرت صابروں کے ساتھ رہتی ہے صبر اگر درجۂ اوسط میں بھی ہو تو سو صابر دو سو کی تعداد پر اور ہزار صابر دو ہزار کی جماعت پر غالب آسکتے ہیں اور صبر اگر درجہ اعلیٰ میں ہو تو سَو صابر، ایک ہزار کے مقابلے کے لیئے کافی ہیں یہ قرآنی تصریحات اور خدائی وعدے ہیں اور صبر پیدا کرنے والی صبر بڑھانے والی چیز جو ہے، وہ ایمان کی قوّت اور مضبوطی ہے جس نسبت سے ایمان قوی ہوگا۔ اسی درجہ میں صبر بھی اعلیٰ ہوگا۔ آخرت کا استحضار ہمہ وقتی ہوگا۔ موت محض انتقال مکانی کا نام رہ جائے گا۔ رضائے الٰہی کی جنّت کا تخیل "قال" نہیں "حال" بن کر رہے گا۔ اور تشکیک کی پیدا کی ہوئی بیماری، تشویش قلب و تذبذب ہے اور "روشن خیالی" کی پیداوار بے عملی اور بدعملی سے نجات رہے گی۔

"روشن خیالی" و تشکیک دوست فرانس، قلب و روح کی انھیں بیماریوں کی نذر ہو کر ختم ہو گیا۔ بیماریاں جنھیں فخر کے ساتھ پالا گیا تھا! برطانیہ کی قسمت اچھی تھی، عین وقت پر سنبھل گیا۔ اسلام کی ساری عبادتوں میں، انفرادی عبادتوں

میں بھی اور اجتماعی عبادتوں میں بھی روزانہ عبادتوں میں بھی، اور سالانہ عبادتوں میں بھی یہ ہمت افزائی اور تقویت صبر والا پہلو کہیں بھی نظر انداز نہیں ہوتے پایا ہے، روزانہ پانچ پانچ وقت کی نمازیں پھر نمازوں کی جماعتیں مسجدوں کی حاضری، حج کا سالانہ اجتماع اور اس اجتماع کے موقع پر مختلف تقریبیں، زکوٰۃ کی پابندیاں، اس کی تاکید، یہ سب اپنی اپنی جگہ پر اسی سبق کی درسگاہیں ہیں، مستقل اور منتشر عسکر اسلامی کے MORALE کو قائم کرنے کی تدبیریں ہیں، اور سب سے بڑھ چڑھ کر رمضان کا پورا ماہ مبارک دن دن بھر بے آب ودانہ رہ کر سارے کام کاج کئے جانا رات کو لمبی لمبی رکعتیں تراویح وتہجد کی پڑھے جانا، شب قدر کی تلاش میں رات رات بھر جاگتے رہنا، یہ بے مثل وبے مثال نظم ونظام، مجاہدہ روحانی وجسمانی، انفرادی واجتماعی کی یہ بے نظیر تنظیم، اپنا جواب دنیا کے کس مذہب کس تمدن میں رکھتی ہے؟ اور آج ابلیس کی ہر ضرب کتنے مختلف اور خوش نما ناموں سے اسی تنظیم پر ہے، کہ جس وقت کسی فوج کا MORALE توڑ دیا، پھر اُسے زیر کر لینا، اس کی صفوں کو زیر وزبر کر ڈالنا کام ہی کتنی دیر کا رہ جاتا ہے؟

دعوتِ قرآن

فلا تطع الکافرین وجاھدھم بہٖ جہاداً کبیراً

(فرقان آیت ۲۴)

ایسا نہ ہو کہ کافروں کے کہنے میں آجاؤ، ان کی بات مان لو، ان کے آگے جھک جاؤ، بلکہ ان سے تو پر زور مقابلہ کرو، ان کے معاملہ میں اس قرآن کے ذریعہ سے جہاد اختیار کرو، انھیں اسی قرآن کی راہ پر قوت و راہ ثبات کے ساتھ لاؤ اور بلاؤ۔

جاہدھم بہ میں ضمیر قرآن کی جانب ہے، یعنی قرآن کے ذریعہ سے جہاد کرو، مقصود اور مطمح نظر قرآن ہی کے قانون کو رکھو، قرآن ہی کو ہاتھ میں لے کر اٹھو، قرآن ہی کی راہ کا سب کو بلاوا دو اور قرآن ہی کی منزل کی طرف سب کو لاؤ۔ اس راہ پر لانے اور اس طرف بلانے میں جد و جہد یقیناً بہت سخت کرنی پڑے گی، جان کھپانی پڑے گی، لیکن راہ ہے یہی، حکم ہے اسی کا۔ اور تاکید ہے اسی سختی کے ساتھ منکرین قرآن کی راہ پر نہ چلنے کی، ان کے رنگ کے اتباع نہ کرنے کی، ان کی بات میں نہ آجانے کی، ان کے طور طریقے، ان کی روش و مسلک اختیار نہ کرنے کی۔ آیت ایک بطور نمونہ نقل کردی گئی ورنہ اسی مضمون کو مختلف پیراؤں میں، اور مختلف عنوانات سے ادا کرنے والی آیتیں تو دو چار نہیں پچاسوں، بلکہ سینکڑوں ہیں۔

یہ حکم اگر عارضی اور پہلی صدی ہجری یا چھٹی صدی عیسوی کے ساتھ مخصوص تھا، جب تو خیر، لیکن اگر آپ کے عقیدہ میں ہر ملک و ہر قوم ہر زمانہ کے لئے ہے تو آج آپ کیوں قرآنی حکومت کی توسیع و ترقی کے لئے مضطرب نظر نہیں آتے؟ آپ کو یہ کیا ہو گیا ہے، جو آج آپ کے دل میں ذرا قرآنی حکومت کی عالمگیری کی نہیں؟ قرآنی نظریات قرآنی اصول، قرآنی قوانین کے

بھیل جانے، چھپ جانے، فضا میں بس جانے کی، نہیں غیر قرآنی معاشرت سیاست، اخلاق سے بغاوت کی نہیں؟ یہ کیا ہے کہ آپ زندگی کے ہر شعبہ میں ہر شعبہ کے ایک ایک جزئیہ تک اپنے ایمان اور اپنے قرآن کو حاکم بنانے کے بجائے اُلٹے انھیں تابع و محکوم بنائے ہوئے ہیں؟ تابع و محکوم کہیں یونان، کہیں ہندوستان کہیں فرنگستان کے مشرکوں کے فلسفہ کے، ایران کے مزدک اور روس کے لینن کے اوہام و خیالات پریشان کے! اپنی عقل آپ نے سپرد کر رکھی ہے اُن بے عقلوں کے جن میں اتنا فہم نہیں کہ توحید کے قائل ہو سکیں، خدا کو ایک اور یکتا مان لیں! اپنے اخلاق کی باگ ڈورڈے رکھی ہے آپ نے اُن بے غیرتوں کے ہاتھ میں، جن کے نزدیک نکاح و سفاح میں کوئی فرق ہی نہیں، اور جن کی نظر میں مرد و عورت کے رشتۂ ازدواج کے کوئی معنی ہی نہیں بجز نر و مادہ کے حیوانی و شہوانی، وقتی تعلق کے! اور نقشِ قدم پر فخر و مباہات کے ساتھ آپ چلنے لگے ہیں اُن قوموں کے، جن کے ضابطۂ عمل میں نہ شراب پینے سے فتورِ عقل لازم آتا ہے، نہ جنھیں اپنے ہم جنسوں کا خون چوس چوس کر سود لینے سے کوئی گھن آتی ہے نہ جنھیں جوئے کی بڑی بڑی بازیاں لگانے میں کوئی باک رہتا ہے! محض اس لیے کہ نام اور اصطلاحیں شاندار ہیں محض اس لیے کہ عفریتوں اور دیویوں اور راکششوں نے اپنے چہروں پر نقاب پریوں کے ڈال رکھے ہیں!

ایک طرف سے صدا آتی ہے کہ فلاں لیڈر نے سود کو جائز قرار دے دیا ہے اور سودی کاروبار کو ترقی دینے کے لیے بینک کھلوا دیئے ہیں دوسرے ملک سے خبر آتی ہے کہ عورتوں کا پردے میں رہنا حجاب کے ساتھ باہر نکلنا قانوناً

جرم قرار دیا گیا ہے، تیسری طرف سے آواز اُٹھتی ہے کہ فلاں ملک میں شراب خوری کی عام اجازت ہوگئی ہے شراب کی دکانیں علانیہ کھل گئی ہیں، ایک اور سمت سے اطلاع ملتی ہے، کہ اُس ملک میں قرآن کے سارے قوانین دیوانی و فوجداری منسوخ کرکے رکھ دیئے گئے ہیں آپ ان سب چیزوں پر ناخوش ہونے کے بجائے دل میں چبھن اور کڑھن محسوس کرنے کے بجائے، انھیں ارتداد کا پیش خیمہ بلکہ عین ارتداد سمجھنے کے بجائے اُلٹا ان پر خوش ہوتے ہیں، ذکر اور چرچا اس طرح کرتے ہیں کہ گویا بڑی نعمت مل گئی ہے، اور سارا زورِ قلم اور زورِ زبان، ان غدّاران اسلام کی حمایت و نصرت میں صرف فرمانے لگتے ہیں! اور دلیل لے دے کے یہ پیش کرتے ہیں، کہ فلاں دنیوی کامیابی تو حاصل ہوگئی! للہ غور فرمائیے، کہ یہ کس قسم کا تدیّن، کس طرح کی اسلام دوستی ہے! اسلامیت اگر اسی کا نام ہے تو آخر حمیتِ جاہلیت، کس کو کہا جائے گا؟

تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

جلیٹھ کا مہینہ، ہندی مہینوں میں گرم ترین مہینہ ہے اس تپتے ہوتے مہینے میں کبھی آپ کو لکھنؤ آنے کا اتفاق ہوا ہے؟ آفتاب کی تپش ہے کہ بھیجا پگھلائے دیتی ہے، لوکی لپٹیں ہیں کہ جسم کو جھلسائے دیتی ہیں۔ ہونٹ خشک جسم پسینے میں شرابور، پانی کی طلب دم بدم، نہانے کی خواہش بار بار۔ بلا ضرورت گھر سے قدم باہر نکالنا ایک مصیبت۔ اس عالم میں اور اس موسم میں آپ دیکھیں گے

کہ آپ ہی جیسے انسان ایک دو نہیں دس بیس نہیں، پچاسوں اور سینکڑوں جوان اور بوڑھے تنومند اور لاغر، بجز ایک بڑے لنگوٹ کے سارے جسم سے ننگ دھڑنگ اُسی تپتی اور جلتی زمین پر، سارے جسم کی درازی سے لیٹتے اور لوٹتے میلوں اور کوسوں کے سفر کی مسافت طے کر رہے ہیں! کیسی پیاس کہاں کا غسل۔ جسم خاک میں اٹا ہوا، اور گرد میں تھپا ہوا، اور خاک بھی مئی کے مہینے کی جب زمین تو زمین، آسمان تک، یہ حال ہوتا ہے کہ نام خاک کا ہوتا ہے لیکن برستی آگ ہے! ہم اور آپ ننگے پیر اگر ایک قدم بھی زمین پر رکھ دیں تو یہ معلوم ہو، کہ پیر بھوبل میں جا پڑا، اور یہ لوگ ہیں کہ بے تکلف زمین پر دراز ہوتے جاتے ہیں، پھر اُٹھتے ہیں اور پھر لیٹتے ہیں، اور منٹوں کا سفر گھنٹوں میں اور گھنٹوں کی منزل دنوں میں طے کر رہے ہیں!

یہ "مہابیروں کا میلہ" ہے! ہم آپ جن جانوروں کو بندر اور لنگور کے نام سے پکارتے ہیں، وہ آپ ہی کے ہموطنوں کی بولی میں مہابیر اور ہنومان ہیں۔ وہ اُچکنے اور پھاندنے والے جانور نہیں، دیوتا ہیں! یورپ کے مشرکوں نے کہا، کہ "بندر" انسان کا مورث اعلیٰ ہے، ہندوستان کے شرک نے ترقی کی جست اس سے بھی بڑھ کر لگائی، اور کہا کہ وہ تو ہمارا معبود ہے، ہمارا خدا ہے! تشابہت قلوبھم۔ یہ ہجوم اس دیوتا کے پجاریوں کا ہے۔ لکھنؤ میں ایک محلہ علی گنج ہے وہاں ان دیوتا جی کا ایک مخصوص مندر ہے۔ وہیں یہ سب زائرین جا رہے ہیں۔ اپنی جو جو آرزوئیں پوری ہوئی ہیں ان کی نذریں منتیں اُتارنے! اور فرطِ ادب

کا تقاضہ ہے کہ راستہ معمولی انسانوں کی چال سے نہ چلا جائے، بلکہ ہر ہر قدم پر لیٹ کر اور لوٹ کر طے کیا جائے! زبانوں پر نعرے سنئے! بولو مہابیر سوامی کی جے! (سوامی الحضرت" کو کہتے ہیں) اور مہابیر کی شرح ابھی ہو چکی۔ لمبی پونچھ والے کی جے! لال لنگوٹے والے کی جے!

مسلمان جب حج کو جاتا ہے، تو برابر اللہ کا نام پکارے جاتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ لبیک۔ اَللّٰھُمَّ لبیک۔ لاشریک لک لبیک۔ یہ اس دوسرے ٹکڑے کی، لاشریک لک لبیک کی، کسی دوسرے خدا کی نفی کی حکمت آج جا کر سمجھ میں آئی!

....

آپ ہنسیں گے۔ اپنے مجمع میں بیٹھ کر ان عقیدوں کی ہنسی اڑائیں گے لیکن موقع ہنسی کا نہیں، عبرت اور نصیحت کا ہے۔ دوسرے جس جہل اور جہل در جہل میں مبتلا ہیں، ممکن ہے اس سے متعلق یہ عذر کسی درجہ میں پیش کر لئے جائیں، کہ ہم نے آنکھ کھول کر دیکھا بھی۔ ہمارے کانوں میں آواز کبھی توحید کی پڑی ہی نہیں لیکن ہم سے اور آپ سے جب یہ سوال ہوگا، کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے عین تمہارے دروازوں پر، تمہارے گلی کوچوں اور راستوں میں ہمارے ہزارہا ہزار بندے ان جہالتوں میں پھنستے رہے، ان ہلاکتوں میں غرق ہوتے رہے تم نے ان کے نکالنے کی کیا کیا کوششیں کیں؟ تم تمام امراض کے طبیب حاذق بنا کر بھیجے گئے تھے نسخہ شفا کو تم نے بڑی احتیاط سے اپنے تکیہ کے نیچے چھپا کر رکھ لیا، اور ان ہزاروں گرتے ہوؤں اور مرتے ہوؤں اور ڈوبتے ہوؤں کو

بچانے کی کوشش خاک نہ کی۔ دوا زبردستی حلق کے نیچے اُتار دینا بے شک تمہارے بس میں نہ تھا، لیکن اس نسخہ کو تو گھر گھر پہنچا ہی سکتے تھے، تو فرمائیے، اس سوال کے وقت ہمارے اور آپ کے پاس کیا جواب ہوگا؟

اے رو سیاہ، تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا!

....

فلسفی سر حقیقت نتوانست کشود

امریکی اور یورپی، بیسیوں فضلائے عصر اور ماہرین فن کی لکھی ہوئی اور سر جان ہمرٹن کی مرتب کی ہوئی ضخیم "یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ" علوم وفنون پر گویا تحقیق جدید کا آخری لفظ ہے۔ آخری جلد میں ختم کلام کے قریب ایک مستقل باب ہے "جدید فلسفۂ سائنس" (نیو فلاسفی آف سائنس) پر ایک مادیت نواز کے قلم سے۔ اول سے آخر تک پڑھنے کے قابل، سوچنے سمجھنے کے قابل۔ اس کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"موجودہ علوم فلسفہ نے اگرچہ بہت سے قدیم مابعد الطبیاتی مسائل کی گتھیاں کھول دی ہیں، تاہم اس سے ہرگز یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم آخری مسائل کے حل کے کچھ بھی قریب آگئے ہیں۔ فطرت کا علم جوں جوں ہمیں زائد ہوتا جاتا ہے، اپنا جہل بھی ہم پر زیادہ منکشف ہوتا جاتا ہے۔" جلد ۸۔ صفحہ ۵۰۱۲

یعنے، جس سائنس کا اتنا غلغلہ تھا کہ اس نے فطرت کے سارے اسرار

ایک ایک کرکے بے نقاب کر ڈالے ہیں اور مذہب کی دھجیاں بکھیر دی ہیں، اس کی کائنات کل اتنی نکلی! حشر و نشر، حور و ملک، جنت و دوزخ کا عدم وجود "ثابت کر دینا"، ان کی نفی پر کوئی دلیل قائم کر دینا الگ رہا، اس غریب کو تو ابھی زمان و مکان، حدوث و قدم، مادہ و روح، ہی کے پرانے چکروں اور الجھاؤں سے فرصت نصیب نہیں!

....

اعترافِ عجز ابھی ختم نہیں ہوا، اور آگے چلیے :-

"ہر مسئلہ جو حل ہوتا ہے، وہ نئے نئے مسائل کا آغاز کر دیتا ہے، جو پہلے کبھی خیال و گمان میں بھی نہیں آئے ہوتے ہیں۔ نامعلوم (یا مغیبات) کا دائرہ غیر محدود ہے، بہ خلاف اس کے معلوم (یا شہودات) کا دائرہ وسیع کتنا بھی ہو، بہرحال محدود ہی ہے بنیادی مسائل کے حل کے لحاظ سے ہم آج بھی وہیں ہیں جہاں طالیس اور فیثا غورث تھے بنیادی مسائل کی تلاش ہی ایک مریض ذہنیت کی علامت ہے" (ایضاً)

ہزار ہا سال کی فلسفیانہ کاوشوں اور عقلی موشگافیوں کا ماحصل، اور پوری ایک صدی کی حیرت انگیز سائنسی ترقیوں کا نتیجہ آپ نے ملاحظہ فرمالیا؟ بے بسی کا اعتراف خود فلسفہ کے ماہروں اور سائنس کے استادوں کی زبان سے سُن لیا؟ یہ کتنا مختلف ہے اُن دعووں سے جو ابھی کوئی پچاس برس ادھر

کس زور و شور سے کئے جا رہے تھے، کہ سائینس نے "ثابت کر دیا ہے" کہ نہ عرش کوئی چیز ہے نہ کرسی، نہ جنت کا کوئی وجود ہے، نہ دوزخ کا، اور (نعوذ باللہ) نہ اللہ کوئی چیز ہیں، نہ رسالت نہ نبوت!

....

اور یہ آواز کتنی مشابہ و مماثل ہے اس سبق کے جو ساڑھے تیرہ سو برس پہلے دیا گیا تھا اور کیسی دلنشین شرح ہے، اس متن کی جو صدیوں پیشتر سنا دیا گیا تھا کہ

وَمَا اُوتِیتُم مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیلًا

علم بشری کی کل بساط و کائنات ہی کیا ہے؟

یہ نئی حکمت، کس طرح لفظ بہ لفظ، حرف بہ حرف، ہماری پرانی شاعری کی ترجمانی کر رہی ہے کہ

فلسفی سر حقیقت نتوانست کشود!
گشت راز دگر آں راز کہ افشا می کرد

فطرت کے قوانین چمکے، اور جھوٹ کھل گیا۔ مل کا، اور کہسلی کا، اور آگسٹ کا۔

وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا۔ (اور اس بڑے فریبی کے وعدے تو جھوٹ نکلتے ہی ہیں۔)

اور فطرت کے مالک و حاکم نے سچا کر دکھایا، ابو حامد غزالیؒ کو، اور ولی اللہ دہلوی کو، اور اشرف علی تھانوی کو۔ صرف ہنسے جانے کے قابل، صرف روئے

جانے کے قابل، صرف ترس کھائے جانے کے قابل ہے اُن بے چاروں کا حال جو اِدھر اُدھر سے کچھ باتیں سُن سنا کر آج بھی اپنی "نیچریت" اور "روشن خیالی" کو کوئی فخر کی چیز سمجھ رہے ہیں، پچاس سال قبل کے آموختہ کو رٹے جاتے ہیں، اور اترے ہوئے ڈھول کو دونوں ہاتھوں سے پیٹے چلے جا رہے ہیں۔

عرب اور اسلام

بہت غور و تامل سے نہ سہی، سرسری نظر سے تو قرآن یا اس کے ترجمہ کا مطالعہ ہم آپ سب ہی کر چکے ہیں۔ قرآن میں یہ مضمون ملتا اور بار بار ملتا ہے یا نہیں، کہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے عجمیوں کی زبان میں نہیں ہے قرآن کا لانے والا رسول امیوں (مکہ والوں) کے درمیان پیدا ہوا ہے۔ بنی اسماعیل میں سے مبعوث ہوا ہے کسی اور نسل سے نہیں۔ کعبۃ اللہ کا مقام وقوع عرب کی وادی غیر ذی زرع میں ہے کشمیر "جنت نظیر" میں، یا سویزرلینڈ کی برفانی پہاڑوں میں نہیں۔ رسول کا تعلق خاص قریش سے ہے، اعراب بادیہ سے ہے۔ مکہ اور مدینہ سے ہے مخاطبین اوّل، عرب اور اہل عرب ہیں۔ یہ سارے مضامین گھوم پھر کر قرآن مجید میں بار بار بیان ہوئے ہیں یا نہیں؟

....

روایتیں موعظت اور عبرت کے لئے جو بیان ہوئی ہیں، وہ عاد و ثمود کی ہوئی ہیں، راجپوتوں، جالوٹوں، چھتریوں کی نہیں۔ حکایتیں اثر ڈالنے کیلئے جو ذکر ہو رہی ہیں، وہ ہودؑ و صالحؑ کی ہیں، گوتم بدھ اور شنکر آچاریہ کی نہیں۔

اقوال واحوال عربی مذاق کے مطابق جنات اور عفریت کے نقل ہو رہے ہیں ہندوستان کے بھوتوں اور راکششوں کے نہیں واقعات درج ہوئے ہیں جالوت وطالوت کے، ابولہب کے، نہ کہ بھیم ارجن اور بھیشم پتامہ کے صراحت ہے فرعون، قارون، ہامان کے ناموں کی، درلودھن اور بھیشم، راون اور بھبیشن کی طرف اشارے بھی نہیں، نام آتے ہیں، نوح اور ابراہیم کے اسحٰق اور ایوب، یعقوب ولیوسف کے، موسیٰ اور عیسیٰ کے جن سے عرب خوب واقف تھے، نہ کہ کرشن اور رامچندر بھرت اور لچھمن کے، پہاڑ بتائے جاتے ہیں۔ تو طور اور جودی کے، ہمالیہ ہندوکش، بندھیاچل کا نشان تک نہیں، درخت اور پھل بھی آتے ہیں تو وہی جو کہ خوب جانے بوجھے ہیں، انجیر، کھجور، زیتون، انار، انگور، نہ کہ ہندوستان کے آم، املی، سنترے، ملک جو پیش کئے جاتے ہیں صراحتہً خواہ کنایتہً، وہ وہی جو عربوں کے لئے معروف ہوں، مثلاً مصر، عراق، شام وغیرہ۔ نہ کہ ہندوستان کے پنجاب اور اودھ، برار اور بنگالہ!

یہ سب چیزیں محض اتفاقی ہیں؟ قرآن کی عربیت پر اتنا زور رسول کی عربیت کا اتنا اہتمام سب بے معنیٰ ہے؟ بے مقصد ہے؟ رسول اس میں ذرا شبہ نہیں کہ سارے عالم کی ہدایت کیلئے تھے، آپ کا پیام ساری دنیا کے لئے ہے ہر ملک، ہر قوم کے لئے یکساں ہے لیکن اس میں ذرا بھی شبہہ نہیں کہ ساتھ ہی آپ کی دوسری حیثیت رسول عرب کی بھی براہِ راست اور بلا واسطہ مخاطبت آپ کی عرب ہی سے تھی، اور پھر عرب کے واسطہ سے ساری دنیا سے۔ اسلام جسطرح مطلق ہے اسی طرح قید اور اختصاص بھی رکھتا

ہے اور یہ قید و اختصاص عرب کے ساتھ ہے۔ آپ ہادی عالم تھے، لیکن سب سے پہلے رسولِ عربی۔ سرکاری زبان اسلام کی عربی ہے، چینی یا ہندی یا سنسکرت نہیں۔ عربیت کی اس اہمیت کو مٹانا، عرب کی اس محوریت و مرکزیت پر ضرب لگانا، عرب و ہندی کو ایک سطح پر لے آنا اسلام کے بجائے ہندی اسلام پر زور دینا، اکابرِ دین کی ہندیت کو اچھالنا، ایک نئے "فتنۂ شعوبیت" کو بیدار کرنا ہے اور دین میں ایک رخنۂ عظیم برپا کرنا۔ الٰہی اپنے دین کو اس کے نادان دوستوں سے بچا!

ملّتِ محمدیؐ میں پانچواں کالم

ذکر عرب کا نہیں، آپ کے اسی ہندوستان جنت نشان کا "اسی بھارت ماتا" کا ہے اور وہ بھی زمانۂ قبل تاریخ کا نہیں، اس پچھلی صدی عیسوی کے نصف آخر کا کہ مین پوری (یو۔پی) کے ضلع میں خبر لگی کہ نیچ ذاتوں کی نہیں، اعلیٰ درجہ کے چھتریوں کی آبادی ۳۰ ہزار سے اوپر ہے اور ساری آبادی میں لڑکی ایک بھی نہیں! جو لڑکی بھی پیدا ہوئی ختم کر دی گئی! ذات پات جتنی اونچی ہوتی گئی۔ اسی قدر شرافت کا یہ امتیازی نشان بھی نمایاں تر ہوتا گیا! خبر افواہی یا قیاسی نہیں ۱۸۵۶ء میں انگریزی حکومت نے تحقیق خاص شروع کی۔ پتہ چلا کہ تنہا راجپوت ہی نہیں، صوبۂ شمال و مغرب کی، اودھ کی، پنجاب کی، علاقہ بمبئی کی، بہت سی آبادیاں اس وصف "شریف" میں شریک ہیں! گاؤں کے گاؤں ایسے نکلے! جہاں ایک لڑکی کا بھی سایہ نہ اس وقت پڑ رہا تھا نہ پشتہا پشت سے پڑا تھا۔ کم از کم ایک بڑا خاندان چھتریوں کے اودھ میں ایسا نکلا، جس کے ہاں دو سو سال سے زائد کوئی برات آئی نہ تھی! سرجان اسٹریچی

ہندوستان کے ایک بڑے ممتاز و نامور سویلین ہوئے ہیں، وائسرائے کے فینانس ممبر بھی رہے ہے۔ یہ تفصیلات سب اُن کی مشہور کتاب انڈیا کے طبع سوم میں درج ہیں (صت ۳۹۶ و صت ۳۹۷)

"دختر نوازی" کا یہ دور نہ سمجھئے کہ ۱۸۵۶ء میں ختم ہوگیا۔ دوسری کمیٹی تحقیقات کی ۱۸۶۹ء میں مقرر کی گئی، اس نے رپورٹ پیش کی کہ، گاؤں ایسے ملے جن میں لڑکے ۱۰۴ ہیں، اور لڑکی کل ایک! ۲۳ گاؤں ایسے ملے جن میں لڑکے ۲۸۴ ہیں، اور لڑکیاں کل ۲۳ بہت سے گاؤں ایسے نظر آئے جہاں لڑکی کی بارات کا کوئی نام ہی نہیں جانتا! صت ۳۹۷ !

کیا خوب ہے۔ یہ ماؤں کی محبت اور باپوں کی شفقت! مہر مادری و الفت پدری! دنیا قائل ہوا کرے بیٹی کی موہنی کی پکارتی رہے اُسے نورِ بصر و پارۂ جگر، یہاں اس بدبخت ہستی کا وجود ہی سرے سے قائم نہ رکھا جائے گا! عرب و ہند کے درمیان جغرافی فاصلہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں میل کا سہی، لیکن جاہلیت کا اشتراک وہ اشتراک ہے جس میں حائل نہ بحرِ عرب ہوسکتا ہے نہ بحرِ ہند۔ نہ بحرِ روم! اور اس کے لئے سنہ عیسوی کی انیسویں صدی ویسی ہی ہے جیسی ساتویں صدی تھی وَاِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ؟

تہذیب جاہلی کی طغرائے امتیاز یہی بے اعتدالیاں، بے تمیزیاں اور افراط و تفریط ہیں۔ عورت کو بڑھائیں گے تو اتنا کہ اس کے ڈانڈے پرستش سے جا ملائیں گے، گھٹائیں گے تو اتنا کہ اس کے جینے کے بھی روادار نہ ہوں گے اور بس دختر کشی ہی پر جا کر دم لیں گے۔ یہ اسلام ہی کی متوازن شریعت ہے جس نے عورت کو زندگی

بخشی، نظامِ معاشرت میں اس کا صحیح مقام مقرر کیا، اور اس کے لئے وہ نقشۂ زندگی پیش کیا۔ جو ضامن ہے اس کی صحت اخلاقی، جسمانی و روحانی کا خوش نصیب مائیں۔ محبت شعار بہنیں، وفادار بیویاں، سعادت مند بیٹیاں اگر پیدا ہو سکتی ہیں تو صرف اسی نظام کے تحت اور اسی نظام پر آج یورش ہے کہ یہی ہر طرف سے جاہلی تہذیب کی پیش قدمیوں کو روکے ہوئے ہے۔ یورش جاہلیت قدیم کی بھی، جاہلیت جدید کی بھی۔ اور خود ملّت محمدی کے اندر پانچویں کالم والوں کی، جدید قسم کے منافقین کی۔

لڑکی کا حصّہ

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین

(نساء۔ آیت ۱۱)

اللہ تمھیں تاکیدی حکم دیتا ہے، تمھاری اولاد کے بارے میں، مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر۔

یہ آغاز ہے احکامِ میراث و ترکہ کی مشہور آیتِ قرآنی کا کلام شروع اس سے ہوتا ہے کہ اللہ یہ تاکیدی احکام دے رہا ہے اور اس کے معاً بعد بہ طور اصل کے یہ ارشاد ہوتا ہے کہ مرد و عورت کے حصہ میں، جہاں تک ترکہ کا تعلق ہے، دو اور ایک کا تناسب ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ عورت کا حصہ مرد کے نصف ہے، بلکہ فرمایا یہ ہے کہ مرد کا حصہ دو حصوں کے برابر ہے۔ گویا معیار اور پیمانہ عورت ہی کا حصہ ٹھہرا۔ مرد کا حصہ صرف اس سے دوگنا کر دیا گیا ہے، عرب میں اور

تمدن جاہلی کی بہت سی قوموں میں عورت کا کوئی حصہ جائداد میں سرے سے ہوتا ہی نہ تھا۔ قرآنی تمدن میں بنیاد کار ہی عورت کا حصہ قرار پایا! آگے اور تفصیلات ہیں' آغاز' اوپر آپ ملاحظہ کر چکے۔ آیت کا خاتمہ اب ملاحظہ ہو۔

فریضۃ من اللّٰہ ان اللّٰہ کان علیماً حکیماً

(یہ سب) اللہ کی طرف سے مقرر ہے (کون اللہ) بیشک (وہی اللہ) جو بڑے علم والا' بڑی حکمت والا ہے۔

احکام اس کے ہیں' جو تمام انسانی ضرورتوں سے باخبر ہے' ساری مصلحتوں کی رعایت رکھنے والا ہے۔

رکوع ابھی ختم نہیں ہوا۔ سلسلہ انہیں احکام میراث کا چل رہا ہے۔ رکوع کی دوسری آیت کے خاتمے کے الفاظ ہیں۔

وصیۃ من اللّٰہ واللّٰہ علیم حلیم

یہ تاکیدی حکم اللہ کی طرف سے ہے (کون اللہ؟) (وہی) اللہ جو بڑا علم والا اور بردبار ہے۔

بڑا علم والا ہے' اس لئے کہ اس کے سامنے بندوں کا یہ جواب چل نہ سکے گا کہ ہم نے فلاں فلاں مصلحت سے ان احکام میں یہ ترمیم کر دی بڑا بردبار ہے' اس لئے ہر مجرم کی گرفت فوراً نہیں کرتا۔ مہلت بہت دیتا رہتا ہے اور پھر معاً بعد یہ آیت ہے۔

تلک حدود اللّٰہ ومن یطع اللّٰہ ورسولہ یدخلہ جنٰت تجری من تحتھا الانھٰر خٰلدین فیھا وذالک الفوز العظیم

یہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے ضابطے ہیں، اور جو کوئی اطاعت کرے گا اللہ اور اس کے رسولؐ کی اسے داخل کرے گا اللہ ایسے باغوں میں جن کے نیچے چشمے پڑے بہہ رہے ہوں گے۔ ان میں رہیں گے وہ ہمیشہ ہمیش اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ گویا بتا دیا کہ اصل اور حقیقی کامیابی انہیں کے حصہ میں آئے گی، جو احکامِ الٰہی پر عمل کریں گے، اور تاکیدی احکامِ الٰہی کی سرفہرست ایک حکم یہ شرعی تقسیم جائداد کا ہے۔

اور رکوع کا خاتمہ اس چوتھی آیت پر ہوتا ہے۔

ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعدّ حدودہٗ یدخلہ نارًا خالدًا فیھا ولہٗ عذابٌ مُّھِینٌ۔

اور جو شخص نافرمانی کرے گا اللہ اور اس کے رسول کی اور اس کے مقرر کردہ ضابطوں سے تجاوز کر جائے گا اسے وہ داخل کرے گا دوزخ میں جس میں وہ ہمیشہ پڑا رہے گا اور اسے عذاب ہوگا ذلیل کرنے والا۔

یعنی ان نافرمانوں کی، اس قانونِ الٰہی کے توڑنے والوں کی قسمت میں جو عذاب ہے وہ شدید اور دردناک ہی نہیں، بلکہ انھیں ذلیل ورسوا کرنے والا بھی ہوگا۔ اور کون نہیں جانتا کہ آخرت کے اس عذابِ موعود کے نمونے اور ہلکے ہلکے نظارے کبھی کبھی اس دنیا میں دکھا دیئے جاتے ہیں؟ انفرادی اور شخصی طور پر بھی اور قومی حیثیت سے بھی!

ایک طرف قرآنِ مجید کی یہ تصریحات ہیں، آیاتِ بینات ہیں، تاکید در تاکید ہے، وعید پر وعید ہے، اور دوسری طرف پنجاب میں۔ اودھ میں

اور خدا معلوم اور کہاں کہاں "مسلمانوں" کے شریف ورئیس مسلمانوں کے خاندان پر خاندان ہیں، کنبے کے کنبے ہیں جن کے ہاتھوں میں گاؤں کے پٹواریوں کی لکھی ہوئی "واجب العرض" ہیں! انہیں ہاتھوں میں لئے ہوئے وہ عدالتوں میں آجاتے ہیں، اور شرم سے جھک کر نہیں فخر سے تن کر حاکموں سے کہتے ہیں کہ ہمارا خاندانی رواج تو ترکہ میں لڑکی کو حصہ دینے کا نہیں! گویا ہم مردم شماری کے ہیں تو مسلمان۔ لیکن ہمارا دستور العمل عرب اور ہند کا قانون جاہلیت!

راہِ اعتدال

پندرھویں پارہ کی سورۂ بنی اسرائیل میں ختم کے قریب آیت ۱۱۰ کے آخری حصہ میں رسول اللہ صلعم کو خطاب کرکے ارشاد ہوتا ہے،

ولا تجھر بصلاتک ولا تخافت بھا وابتغ بین ذالک سبیلاً

نماز (جہری) نہ تو چلاّ کر پڑھیے اور نہ بالکل چپکے سے، بلکہ دونوں کے درمیان (متوسط) راہ اختیار کیجئے۔

رسول نماز بالکل چپکے نہ پڑھیں، کہ بغیر زور سے پڑھے دوسروں کو تعلیم ہو کیوں کر سکتی تھی۔ سو یہ حکم تو آسانی سے سمجھ میں آگیا۔ باقی یہ حکم تو آسانی سے سمجھ میں آنے والا نہیں تشریح و توضیح کے لئے بیان ترجمان القرآن حضرت عباسؓ کا سنیئے، روایت امام بخاری کی ہے۔

عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ ولا تجھر بصلاتک ولا تخافت بھا قال نزلت ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختفی

بمکۃ کان اذا صلیٰ باصحابہ رفع صوتہ بالقران فاذا سمع المشرکون سبّوا القران ومن انزلہٗ ومن جاء بہٖ۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آیت ولا تجہر بصلاتک ولا تخافت بہا اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلعم (آغازِ اسلام میں) مکہ میں روپوش تھے (یعنی علانیہ ادائے عبادت نہیں کرتے تھے) سو وہ اپنے اصحاب کے ساتھ نماز پڑھتے میں آواز بلند کرتے۔ مشرکین جب یہ آواز سُنتے تو قرآن کو بھی بُرا کہتے اور اس کے اتارنے والے کو بھی اور اس کے لانے والے کو بھی۔

روایت ابھی ختم نہیں ہوئی۔ مشرکین نے نماز میں قرآن کی آواز سُن کر جو خدا اور رسول اور خود قرآن کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ۔

فقال اللہ تعالیٰ لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا تجہر بصلاتک ای بقراءتک فیسمع المشرکون فیسبوا القران ولا تخافت بہا عن اصحابک فلا تسمعہم وابتغ بین ذالک سبیلاً۔

اللہ نے نبی صلعم کو حکم دیدیا کہ ولا تجہر بصلاتک یعنی نماز میں اپنی قرآت کو پکار کر نہ پڑھو کہ مشرک اسے سُن کر بُرا کہنے لگیں گے۔ ولا تخافت پڑھنا اور بھی واجب تھا............ اس تک کو بلند آواز سے بہانہ اس کو اتنا آہستہ پڑھو کہ تمہارے صحابہ میں بھی نہ سُن سکیں، بلکہ دونوں کے درمیان کا راستہ نکالو۔

روایت بخاری کے علاوہ مسلم، ترمذی ونسائی کی بھی ہے۔ گویا قرآن جیسی اہم چیز جس کا جہری نماز میں صحابہ کی تعلیم کیلئے بلند آواز سے پڑھنے کی ممانعت خود

قرآن کے اندر رسولؐ کو آگئی کہ اس سے دوسرے مفاسد پیدا ہوئے تھے، اور جو چیزیں صرف تقدس و احترام کی حقدار ہیں، مشرکین کو انکی اہانت و تحقیر کا موقع ہاتھ لگ جاتا تھا۔

مدح صحابہؓ وہ بھی اپنی عام و مطلق صورت میں نہیں، ایک مخصوص تاریخ پر متعین صورت و ہیئت کے ساتھ، بڑے بڑے جھنڈوں اور نشانوں کو لہراتی ہوئی، بڑی بڑی لالٹینوں کے آراستہ پھاٹکوں کے نیچے سے گزرتی ہوئی، لحن و ترنم کے ساتھ ٹولیوں میں پڑھی جاتی ہوئی، عظیم الشان جلسہ و جلوس کے ساتھ، کیا قرأت جہری سے بڑھ کر اہم ہے؟ قرآن اور حالتِ نماز میں پڑھے جانے والے قرآن سے زیادہ ضروری ہے؟ جب اُسے ایک مفسدہ کی خاطر روک دیا گیا تو کیا؟ اس سے کہیں زیادہ قوت وہ حکم اس کے لئے نہ عائد ہوگا؟ خصوصاً جب کہ کسی مخصوص مفسدہ کے بغیر یوں بھی مدح صحابہؓ اس ہیئت کذائی کے ساتھ کب واجب ہے؟ واجب نہ سہی مستحب، مستحسن کب ہے؟ غلط فہمی نہ ہو۔ صحابۂ رسول رضی اللہ عنہم کو اچھا سمجھنا اچھا کہنا، اُن کی عزت، عظمت توقیر دل سے کرنا تو اہلِ سنت کا عین ایمان ہے۔ گفتگو اس کے باب میں ہی نہیں سوال اس کے سالانہ جلوس جلسہ اور تقریب سالانہ کے دوسرے لوازم کے باب میں ہے!

حقوقِ نسواں اور رواج و دستور

"بارہ بنکی۔ آج مسٹر بی۔ اِن۔ زُتشی، ایڈیشنل سول جج کے اجلاس سے متعلقہ ... کے مقدمہ کا فیصلہ ہوگیا۔ مسماۃ ... کا دعویٰ ان

کے بھائی چودہری... تعلقدار کے خلاف خارج ہو گیا۔ عدالت نے فیصلہ کیا کہ تعلقہ کی جائداد ناقابلِ تقسیم ہے اور لڑکے کی موجودگی میں قانون رواج کے بموجب لڑکیاں حصہ پانے سے محروم ہیں۔

مدعیہ کی طرف سے پیرو کار .... (صوبہ کے مشہور ترین مسلمان ایڈوکیٹ) اور مدعی علیہ کی جانب سے (ایک دیندار مسلمان ایڈوکیٹ)

(پانیر۔ ۵ رجون ۴۲ء)

ایک اور شکست! رواج خاندان کے مقابلے میں شریعتِ اسلامی کو ایک اور شکست! ناکامیوں اور شکستوں کی طویل فہرست میں ایک اور عنوان کا اضافہ! قرآن کی تعلیم، رسولؐ کے ارشاد کو ٹھکرانے، پامال کرنے کا ایک اور اعلان کسی غیر مسلم سے نہیں، ایک مسلمان کی زبان سے!

دعویٰ مسلمان بہن کا تھا مسلمان بھائی پر، آبائی جائداد کے حصہ کے لئے مدعیہ اور مدعی دونوں مسلمان، وکیل اور پیرو کار مسلمان۔ مسلمان بہن نے کہا کہ میری کتاب ہدایت کے مطابق میرا حصہ مجھے دلوایا جائے للذکر مثل حظ الانثیین مرد کے دو حصے اور عورت کا ایک حصہ کسی مجتہد کا قیاس، کسی فقیہ کا استنباط نہیں، کتاب اللہ کی صاف وصریح، قطعی اور غیر اختلافی نص ہے۔ مسلمان بھائی نے جواب دیا۔ چوری چھپے نہیں، عدالت میں ہانک پکار کر، شرم اور جھجک کے بغیر کہ ہم تو پابندِ رواج قانون کے ہیں۔ اور خاندانی رواج ہم لوگوں کے ہاں ہم تعلقہ داروں کے ہاں، یہی ہے کہ بھائی کے ہوتے بہنوں کو کوئی حصہ نہیں ملتا۔ ہمارا عملدرآمد آج سے نہیں، پشت ہا پشت سے اسی پر ہے، ہمارے ہاں کی داجب

العرض" دیکھ لی جائے ہمارے معتبر مسلمان گواہوں شاہدوں سے دریافت کر لیا جائے، تحقیق کر لی جائے۔ گواہیاں گزریں، ثبوت پیش ہوئے اور آخرت کی عدالت میں فیصلہ جو کچھ بھی ہو، دنیا کی عدالت نے سُنایا کہ یہاں تو رواج دستور اور عملدرآمد کو بہرحال کتابی شریعت پر مقدم رکھا جائے گا اور جو جائداد لڑکیوں کو کبھی نہیں ملی ہے، اور آئندہ بھی نہ ملے گی۔ فیصلہ سُنانے والا غیر مسلم تھا۔ لیکن کوئی مسلمان جج ہوتا جب بھی اُسکا عدالتی فیصلہ کیا اس سے کچھ مختلف ہوتا؟

جس صوبہ میں یہ فیصلہ صادر ہوا ہے، وہاں مسلم لیگ ماشاء اللہ زوروں سے قائم ہے اور سُنتے ہیں کہ جمعیتہ العلماء کی کوئی شاخ بھی موجود ہے عجب نہیں کہ احرار بھی زندہ و سلامت ہوں اور فرنگی محل اور ندوہ اور دوسرے دینی ادارے تو بہرحال وجود رکھتے ہی ہیں لیکن دین و شریعت کی اتنی کھلی ہوئی توہین پر شاید کسی کو لب کشائی کی ضرورت نہیں! کیا فرق ہے بیسویں صدی کے مجرموں کی اس ڈھٹائی اور انا وجدنا علیہ آبانا اور انا علی آثارہم مقتدون (ہم نے تو اپنے باپ دادا کو اسی روش پر پایا۔ اور ہم تو انھیں کے رواج و دستور پر چلنے والے ہیں") کہنے والوں کی ذہنیت میں؟ "حقوق لنسواں" کا غلغلہ بھی صوبہ میں کسی دوسرے صوبہ سے کم نہیں۔ حقوق لنسواں" کے معنی اگر صرف بے حجابی اور بے حیائی کے ہیں تو خیر، ورنہ پھر یہ کیا ہے کہ حقوق لنسواں میں ایسا بنیادی حق قانونِ اسلام کو قانونِ جاہلیت سے خاص طور پر ممتاز کرنے والا، آنکھوں سے صریح پامال ہوتے دیکھا جا رہا ہے، اور کسی حلقہ میں احتجاج کی حرکت نہیں پیدا ہوتی!

عورت کے حقوق

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ حَمَلَتْہُ اُمُّہٗ وَھْنًا عَلٰی وَھْنٍ وَّفِصَالُہٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ (لقمان آیت ۱۴)

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے حق میں (خدمت و اطاعت کی) تاکید کی، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے (پیٹ میں) اٹھائے رکھا اور دو برس میں اس کی دودھ بڑھائی ہوتی ہے اور (اُسے حکم دیا کہ) میری اور اپنے والدین کی شکر گزاری کیا کر۔ میری ہی طرف سب کو لوٹ کر آنا ہے۔

مقصود والدین یعنی باپ اور ماں دونوں کے مرتبہ کی اہمیت کا بیان ہے لیکن شان اہتمام کے ساتھ ذکر صرف ماں ہی کی منزلت کا ہو رہا ہے کہ دیکھو تو وہ انسانیت کو جنم دینے کے لیے نو نو مہینے تک کیسے دُکھ پر دکھ سہتی ہے، کیسے ضعف پر ضعف اُٹھائے جاتی ہے، اور پھر دو دو برس تک رضاعت کی کیسی کیسی صبر آزما منزلوں سے ہو ہو کر گزرتی ہے! عورت کی عزت یوں ہی نہیں رکھ دی گئی ہے دنیا میں جتنے بھی قابلِ عزت انسان گزرے ہیں آخر سب اسی کے فرزند تو ہوتے ہیں، سب اسی کی کوکھ سے پیدا ہوتے ہیں۔ سب نے اسی کی چھاتیوں سے دودھ پیا ہے۔ ہر مرد کی گردن اس کے احسان سے جھکی ہوتی ہے!

اسلام نے عورت کی عزت کا حکم دیا ہے۔ جی ہاں، اس دینِ فطرت نے جہاں بیوی کو شوہر کے زیر دست اور شوہر کو اس کا نگران، اس پر حاکم اس پر قوام بنایا ہے، وہاں حاکم انسانیت کو ماں کے آگے جھکنے کا، اس کی مادریت کی عظمت کا حق ادا کرنے کو بھی بتایا ہے، اس کے قدموں کے نیچے جنت کی بشارت دی ہے۔ اسلام نے عورت کی عزت کے معنی یہ نہیں سمجھے ہیں کہ بازاروں میں اُسے کھلے ہوئے چہرہ کے ساتھ، کھلے ہوئے بازوؤں کے ساتھ کھلے ہوئے جسم کے ساتھ پھرایا جائے۔ کلبوں اور ہوٹلوں میں مرد کے ساتھ نچایا جائے۔ اس نے عورت کی عزت کے معنی یہ لیے ہیں کہ مرد اُسے اپنی زندگی کا لازمی جزو سمجھے، اپنی راحت و تسلی کا سرمایہ اس کی ذات سے حاصل کرے۔ اور

جو تو ہے وہی میں ہوں

کا مصداق اس کو قرار دیا۔ قرآن کی آیت نے کھول دیا کہ عورت کو یہ مرتبہ آپ ہی آپ حاصل نہیں ہو گیا، انسانیت کی تخلیق و ترتیب میں محنت بھی اُسے کیسی شدید کرنی پڑتی ہے۔ اپنے کو کیسا کیسا مٹانا، کیسا کیسا گھلانا پڑتا ہے عضویات (فزیالوجی)، بیالوجی، (حیاتیات) کی کتابوں میں دورانِ حمل و رضاعت کی جو دردناک و مفصل تشریح لکھی رہتی ہے، یہ سب بجائے خود تفسیر ہے قرآن کے وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَفِصَالُهٗ فِىْ عَامَيْنِ کی!

محمد علی مرحوم اپنا لطیفہ بیان کرتے تھے کہ ۱۹۱۳ء میں جب مسجد کانپور کے سلسلہ میں بھاگ کر لندن پہنچا، تو عین وہ زمانہ تھا ولایت میں عورتوں کی تحریک حریت و حقوق کا، اخبار والوں نے مجھ سے بڑھ بڑھ کر پوچھنا شروع

کیا، کہ تمھاری کیا رائے ہے اس معاملہ میں؟ میں نے جواب دیا کہ بھلا میرا جیسا شخص بھی کبھی عورت کے حقوق کا مخالف ہو سکتا ہے؟ ایک نہیں، آٹھ دلیلیں رکھتا ہوں، ان میں سے چار بڑی دلیلیں اور چار چھوٹی دلیلیں چار بڑی دلیلوں کے نام سُنیے ایک ماں، دو بہنیں، ایک بیوی۔ چار چھوٹی دلیلیں ہیں چار بیٹیاں۔ مقصد مرحوم کے لطیفہ کا یہ تھا کہ جس مسلمان کو ان آٹھ عورتوں کے شرعی حقوق یاد ہوں، وہ حقوق نسواں کی طرف سے غافل ہو کیسے سکتا ہے؟ اور اگر کوئی اتنا خوش قسمت نہیں کہ آٹھوں یا ان سے کچھ کم و بیش دلائل رکھتا ہے تو کم از کم ایک بڑی دلیل سے تو کوئی فرزند آدم آج تک محروم رہا ہی نہیں ہے، یعنی اپنی ماں کے وجود سے اور وہی ایک دلیل مسلمان کے لیئے بالکل کافی ہے!

نسوانی فطرت سلیم

قرآن مجید میں ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ میں حضرت شعیب اور ان کی دو صاحبزادیوں کا بھی آتا ہے ارشاد ہوتا ہے:۔

ولما ورد ماء مدین وجد علیہ امۃ من الناس یسقون ووجد من دونھم امرأتین تذودان۔

موسیٰ جب شہر مدین کے پنگھٹ پر پہنچے تو وہاں دیکھا کہ کچھ لوگ پانی پلا رہے ہیں، اور یہ بھی دیکھا کہ ان سے الگ دو عورتیں اپنی بکریوں کو روکے ہوئے کھڑی ہیں۔

عورتیں بھی آخر انسان ہی تھیں اور پھر شیخ قبیلہ کی صاحبزادیاں سارے قبیلہ کی عزت و تکریم کی مستحق، اس پر بھی سب میں گھس مل کر نہیں مجمع سے الگ پھلکی ہی کھڑی رہیں۔

قال ما خطبکما قالتا لا نسقی حتی یصدر الرعاء وابونا شیخ کبیر (قصص رکوع ۳)

موسیٰؑ نے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ لڑکیں کہ ہم نہیں پانی پلاتیں جب تک چرواہے (پانی پلا کر) ہٹ نہ جائیں، اور ہمارے والد ضعیف العمر شیخ ہیں۔ گویا کہتی ہیں کہ ضرورت تو ہم کو بھی ابھی سے ہے، لیکن آگے بڑھنے سے حیا اور مردوں کا مجمع مانع ہے اور ہم اتنا بھی جو آتی ہیں ضرورۃً ہی آتی ہیں۔ ہمارے والد جوان و توانا ہوتے تو ہم کو آنے کی ضرورت بھی نہ پڑتی۔

حضرت موسیٰؑ کا زمانہ، تحقیق حال کے مطابق ۱۵۲۰ق م تا ۱۴۰۰ ق م کا ہے۔ اس سفر کو آج سے تخمیناً ۳۴۰۰ سال قبل سمجھنا چاہیے۔ علاقہ مدین ملک مصر سے شمال و مشرق میں فلسطین کے جنوب و مغرب میں واقع تھا۔ عورت عام طور سے اس وقت شرم و حیا سے کیا واقف تھی، لیکن بہرحال یہ صاحبزادیاں پیمبرزادیاں تھیں۔ شریف طبیعتوں میں فطرت سلیم وہی تعلیم شرم و حیا کی دیئے ہوئے تھی، جسے آگے چل کر شریعت اسلامی نے اپنا ایک جزو قرار دیا حضرت موسیٰ نے ان دونوں کا کام کر دیا۔ پانی ان کے جانوروں کو پلا دیا، لڑکیاں گھر چلی گئیں۔ اس کے بعد ایک صاحبہ حضرت موسیٰ کے پاس واپس آتی ہیں لینے گھر کا پیام لے کر، تو آتی کس طرح ہیں، لے جھجک اور بے دھڑک نہیں۔ شرماتی،

ہوئی لجاتی ہوئی۔

فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ۔

ان دونوں میں سے ایک آئی، چلتی ہوئی شرم وحیا کے ساتھ۔

قرآن مجید بلا ضرورت ایک لفظ بھی نہیں لاتا۔ آخر حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں یہ سب تفصیلات بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ وہ لڑکیاں مجمع سے اپنے کو دور رکھے ہوئے تھیں، یوں شرما رہی تھیں، اور ایک صاحبزادی جب آئیں تو یوں لجاتی ہوئی!

قرآن کا ایک ایک لفظ درس ہدایت رکھتا ہے۔ بناتِ شعیبؑ اور بنت شعیبؑ کی بابت یہ تصریحات اسی معنی اور اسی مقصد کے لئے ہیں، کہ غیرت وحیاداری، مردوں سے شوق اختلاط نہیں، دوری اور بیگانگی اور خودداری نسوانی فطرتِ سلیم کا جزو ہمیشہ سے رہی ہیں۔ شریف عورتوں کے ضرورتہً باہر نکلنے کو شریعت نے نہ پہلے کبھی حرام ٹھہرایا تھا، نہ اب ٹھہرایا ہے لیکن نکلنے نکلنے کی بھی قسمیں ہوتی ہیں ایک طریقہ ان شریف زادیوں کا تھا، ایک طریقہ آج کی مہذب اور فیشن زدہ دختران حوّا کا ہے۔ یہ برقعے، نقاب یا چادر اور گھونگھٹ، یہ ریل میں زنانہ ڈبے زنانہ ویٹنگ روم، زنانہ شفاخانے زنانہ کلاسوں کے لئے بجائے استادوں کے استانیوں کی ضرورت پہ اصرار، یہ سب اسی دورِ قدیم کی یادگاریں اور "آزاد" عورت کے "آزاد" ضمیر کے لئے کس قدر تکلیف دہ قیدیں ہیں!

عورت کا مرتبہ

قرآن مجید پ۱۰ کے قریب ختم، سورۂ توبہ کی آیت ۸۷ میں منافقین پر ملامت کے سلسلہ میں آتا ہے کہ بجائے جہاد پر جانے کے رضوا بان یکونوا مع الخوالف یہ لوگ اس پر راضی ہو گئے کہ رہ جائیں خوالف کے ہمراہ۔

چند سطروں کے بعد پارہ کے بالکل ختم پر آیت ۹۳ میں پھر یہی لفظ دوبارہ ملتے ہیں:-

رضوا بان یکونوا مع الخوالف۔

یہ لوگ اس پر راضی ہو گئے کہ رہ جائیں خوالف کے ہمراہ

یہ ’خوالف‘ کیا شے ہے، جس کا ذکر انتہائی ملامت و طعن کے موقع پر ایک بار نہیں، دو دو بار آیا ہے؟

قاموس میں ہے کہ الخوالف النساء۔ خوالف کے معنی ہیں عورتیں اس کی مبسوط و محققانہ شرح تاج العروس میں مزید صراحت ملتی ہے‘ النساء المتخلفات فی البیت۔ عورتیں جو گھروں میں پیچھے چھوڑ دی جاتی ہیں۔ مع الخوالف کی تشریح میں دو مستند اہل لغت کا قول نقل ہوا ہے کہ مع النساء یعنی عورتوں کے ساتھ اور ابن الاعرابی لغوی کا قول درج ہے کہ الخالفۃ القاعدۃ من النساء۔ خالفہ کہتے ہیں خانہ نشین عورت کو

مفسرین میں امام ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ صحابی، اور قتادہ

ضحاک، حسن بصری، مجاہد، ابن زید، تابعین سب سے بالاتفاق نقل کیا ہے کہ الخوالف
سے النساء، خوالف یعنی عورتیں۔

لفظ کے معنی زبان جاننے والوں اور قرآن جاننے والوں کے اتفاق سے
طے ہو گئے۔ لیکن فقرہ کا مطلب کیا ہوا؟ اور مطلب کیا مستنبط ہوا؟ ڈانٹ منافقوں
پر پڑ رہی ہے کہ یہ بدبخت دون فطرتی کی اس سطح پر اتر آئے کہ عورتوں کے ساتھ
گھر میں گھسے رہنا قبول کر لیا اور اپنے کو اس درجہ پر گرا لائے جو اب تک خانہ نشین
عورتوں کے ساتھ مخصوص تھا! جہاد میں نہ جانا، قتال میں نہ شریک ہونا تو حصہ
عورتوں کا تھا، ان نام کے مردوں نے اپنے لیئے یہ ذلت گوارا کر لی! یہ کیا؟ تو
گویا عورت کے ہم سطح ہو جانا مرد کے لیئے، قرآن کے نزدیک کوئی ذلت کی بات
ہے! اور جہاد و قتال مشغلہ ایسا ہے جو مخصوص ہے مردوں کے لیئے اور عورتوں
کا اس سے محروم رہنا۔ بطور علوم متعارفہ کے ایک بالکل مسلّم و ناقابل بحث حقیقت
ہے! مشاغل حیات کی تقسیم زنانہ اور مردانہ، دو مختلف حصوں میں! اور
مرد کی اشرفیت، افضلیت، اکملیت! دعوائے مساوات ہمہ جہتی پر ایک ضرب کاری!

چھوڑیئے حدیث کو اور حدیث کی ان تصریحات کو عورت حکومت و
فرمانروائی کے ناقابل ہے، عورت عقل کے لحاظ سے ناقص ہے، دین کے اعتبار
سے ناقص ہے، عورت کا جہاد بس اس کا حج ہی ہے، عورت دنیا کے حق میں
ایک فتنہ ہے سردست چھوڑ جائیے اس قبیل کی ساری احادیث کو، صحاح کی احادیث
کو۔ اس وقت تو ذکر قرآن کا ہے۔ قرآن ہی صاف اعلان کر رہا ہے کہ عورت کا
مرتبہ و مقام مرد سے پست تر ہے! بیسویں صدی میں اور یہ دعوے! ایسے عرلی

کا اعلان! عورت کی تحقیر "جنس لطیف" کی توہین کی ہمت! تجدد غریب آخر کب تک صبر کرے، کہاں تک ضبط و تحمل سے کام لے، اس "کتاب" اور اس کی تعلیمات کے خلاف آخر کب تک علم بغاوت نہ بلند کرے! ؎

تا چند باغبانی صحرا کرے کوئی!

اور ہندوستان میں کسی "اتاترک" کے، کسی "لا زوال سرکار" کے پیدا ہونے کی حسرت و تمنا کو کب تک دل ہی دل میں لیے رہیے! کاش دو دن کے لیے تو ہندوستان کے عالم نسواں کو "حریت" کامل" نصیب ہو، بے حصار ٹوٹیں اور ہندوستان کی سرزمین اس "آزادی کامل" کی برکتوں سے پوری طرح مستفید ہونے لگے!

رسمی مسلمان اور کافر کا فرق

سورۂ حجر کی دوسری اور چودھویں پارہ کی پہلی آیت ہے۔

ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین

کافر لوگ بار بار تمنا کریں گے کہ کاش وہ (دنیا میں) مسلمان ہوتے!

منظر آخرت کا ہے۔ وہیں اہل کفر کی زبان و دل پر بار بار یہ تمنا آتے گی۔ تمنا کس چیز کی؟ زہد و تقویٰ کی نہیں، محض مسلمان ہونے کی۔

فتاویل القرآن ربما یود الذین کفروا باللہ فجحدوا وحدانیتہ لو کانوا فی دار الدنیا مسلمین (ابن جریر)

تفسیر کلام یہ ہے کہ کافر لوگ جو اللہ کی توحید کا انکار کرتے رہے بار بار

یہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ دنیا میں مسلمان ہوتے!

اور اسلام نام ہے محض اسلام کا۔ توحید و رسالت کے زبانی اقرار کا تلفظ شہادتین کا تقوی و طاعت کے مراتب و کمالات کا یہاں کوئی سوال نہیں مجرد کلمہ گوئی بے حقیقت نہیں، بڑی حقیقت ہے بہت بڑی نعمت ہے!

عن ابی موسیٰ قال بلغنا انہ اذا کان یوم القیامۃ واجتمع اہل النار فی النار ومعہم من شاء اللہ من اہل الکتاب قال الکفار لمن فی النار من اہل القبلۃ الستم مسلمین قالوا بلیٰ قالوا فما اغنیٰ عنکم اسلامکم وقد صرتم معنا فی النار قالوا کانت لنا ذنوب فاخذنا بہا.... فسمع اللہ ما قالوا فامر بمن کان من اہل القبلۃ فی النار فاخرجوا فقال من فی النار من الکفار یالیتنا کنا مسلمین ثم قرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الر تلک آیات الکتاب (الخ)

(ابن جریر)

ابو موسیٰؓ صحابی بیان کرتے ہیں کہ جب قیامت ہوگی اور اہل دوزخ سب دوزخ میں پہنچ لیں گے تو ان کے درمیان اہل قبلہ کی بھی ایک تعداد ہوگی جن کے لیے مشیت الٰہی یہی ہوگی، اس وقت کافر لوگ اپنے ان اہل قبلہ ساتھیوں سے پوچھیں گے، کہ تم تو مسلمان تھے؟ وہ جواب میں کہیں گے بیشک تھے۔ کافر کہیں گے، تو پھر تمھارے کام کچھ بھی تمھارا اسلام نہ آیا اور تم بھی ہمارے ساتھ دوزخ ہی میں پڑے۔ وہ لوگ کہیں گے کہ گناہ تو ہم سے بھی سرزد ہوتے تھے اور آج انھیں کو بھگت رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا یہ جواب سنے گا، اور حکم

دے گا کہ جتنے اہلِ قبلہ دوزخ میں ہیں، سب رہائی پا جائیں، چنانچہ وہ سب رہائی پاجائیں گے اس پر دوزخ میں رہ جانے والے کفار پکار اٹھیں گے کاش ہم بھی مسلمان ہوتے اس کے بعد رسول صلعم نے یہی آیت تلاوت فرمائی الٓرٰ تلک آیات الکتاب .... الخ

روایت ایک ہی راوی اور ایک ہی طریق سے مروی نہیں، متعدد راویوں اور متعدد طریقوں سے آتی ہے اور بعد کے جتنے ماہرین و مبصرین قرآن گزرے ہیں، سب نے اسے قبول کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ جو مسلمان دوزخ میں جائے گا، وہ مومن، متقی و صالح تو نہیں ہو سکتا لیکن بہر حال مسلمان ہی ہوگا۔ نام کا مسلمان، مردم شماری کے رجسٹر والا مسلمان، اہلِ قبلہ کے زمرے میں شامل۔ اور اپنے اس محض نام کے مسلمان ہونے کی بنا پر اہلِ شرک و اہلِ کفر سے امتیاز، نمایاں و موثر امتیاز حاصل کر کے رہے گا۔ آج "نسلی مسلمان" "قومی مسلمان" "موروثی" مسلمان کے خلاف جو تحریک شروع ہوئی ہے، وہ بجائے خود بالکل درست اور اصلاً بالکل صحیح ہے ان نام کے مسلمانوں کو ہرگز ان کی حالت پر چھوڑا نہیں جا سکتا، انھیں حقیقی مسلمان یقیناً بنانا چاہیے ان کی اصلاح کی ہر سعی بہر حال ضروری ہے لیکن اس سعی اصلاح میں اتنا غلو کر دینا کہ رسمی اسلام اور کفر ہم سطح ہو جائیں اور یہ خیال خواص ہی کا نہیں، عوام کے دل میں بھی بٹھا دینا کہ ہزار بارہ سو سال کے اندر جتنے بھی صوفیہ عارفین علماء مصنفین، اور حکماء متکلمین ہوتے ہیں، وہ باستثناء چند سب اسلام کے حقیقی مفہوم سے نا آشنا رہے ہیں، یہ بھی حقیقت سے بہت دور نکل جانا ہے۔" پچھلی

انفرادیت کے مقابلہ میں پوری اذاں کا ثبوت دے دیا ہے اور ایک شدت پسندی کو ہٹا کر دوسری شدت پسندی کو اس کی جگہ لا کھڑا کرتا ہے۔

احکام الٰہی

تلک حدود اللہ من یطع اللہ ورسولہٗ یدخلہ جنّٰت تجری من تحتہا الانہٰر خٰلدین فیہا وذٰلک الفوز العظیم۔ (نساء۔ رکوع ۲)

یہ اللہ کے جاری کئے ہوئے احکام ہیں اور جو کوئی حکم مانے گا اللہ اور اس کے رسولؐ کا اللہ داخل کرے گا اُسے ایسے باغوں میں کہ ان کے نیچے ندیاں پڑی بہہ رہی ہوں گی اور یہ بڑی کامیابی ہے:

ومن یعص اللہ ورسولہٗ ویتعدّ حدودہٗ یدخلہ نارًا خالدًا فیہا ولہٗ عذابٌ مہینٌ (،،)

اور جو کوئی نافرمانی کرے گا اللہ اور اس کے رسولؐ کی اور اس کے احکام کو توڑ دے گا اللہ اس کو داخل کرے گا جہنم کی آگ میں کہ اُس میں وہ ہمیشہ پڑا رہے گا اور اس کے لیے عذاب ہوگا رسوا کرنے والا۔

فریضۃ من اللہ ان اللہ کان علیمًا حکیمًا (،،)

یہ اللہ کی طرف سے مقرر حکم ہے۔ بیشک اللہ بڑا جاننے والا بندوں کی ضرورتوں اور مصلحتوں کے موافق حکم دینے والا ہے۔

یہ کون سے احکام ہیں جن کے احکام الٰہی ہونے کا اس شدومد سے

اعلان کلامِ الٰہی میں ہو رہا ہے ، جن کے ماننے پر بشارت جنت کی ، فوزِ اُخروی کی ، فلاحِ ابدی کی مل رہی ہے ، جن کے نہ ماننے کا نتیجہ عذابِ جہنم ہے دائمی عذابِ جہنم اور محض تکلیف جسمانی والا ہی نہیں ، ذلیل و رسوا کر دینے والا عذاب بھی وعدوں اور وعیدوں دونوں کا تعلق احکام میراث سے ہے تقسیم ترکہ کے شرعی احکام سے باپ کے اور بیٹے کے ، بیوی کے اور شوہر کے ، لڑکی کے اور لڑکے کے ، دور نزدیک کے سارے عزیزوں کے ، باختلافِ احوال متعین حصے شریعت نے از خود مقرر کر دیئے ہیں اور انھیں کے لیے تاکید ہے انھیں احکام میں ایک حکم یہ ہے وللذکر مثل حظ الانثیین۔ عورت کو مرد کا آدھا۔ لڑکی کو لڑکے کا نصف حصہ ملا کرے گا۔ اس حکم کو نہ ماننا اس کے خلاف عمل کرنا ، نافرمانی کرنی ہے خدا اور رسول کی ، اور اپنے کو مستحق بنا دینا ہے دنیا میں بربادی کا ، آخرت میں ہلاکت کا۔ وہی حکم جس کی مخالفت پر ہم نے اپنے آپ کو دلیر بنا لیا ہے اپنے کو عذابِ الٰہی کی گرفت سے دنیا میں اور ۔۔۔ آخرت دونوں میں نڈر سمجھ لیا ہے ! ہم نے فرداً فرداً نہیں ، شراب خوری جعلسازی ، سود خواری کی طرح انفرادی و شخصی حیثیت سے نہیں ، بلکہ اجتماعی حیثیت سے فیصلہ ہماری برادری نے ، ہماری سوسائٹی کے پُر قوت جتھے نے کر لیا ہے ، کہ مقدمہ لڑیں گے جھوٹے حلف اٹھا لیں گے ، وکیلوں کی فیس ، گواہوں کے مصارف ، اہلکاروں کے نذرانے ، کورٹ فیس کی رقموں میں اپنے دیوالے نکال کر رہیں گے ، لیکن نہ کریں گے " قرآن کے اس حکم پر عمل نہ کریں گے ۔ اللہ کی وعیدوں کو ، تہدیدوں کو جس طرح اب تک ٹھکرایا ہے آیندہ بھی ٹھکراتے رہیں گے ۔ !

آفریں اس ہمت اور اس جسارت پر! لیکن معاملہ یہیں کہاں ختم ہوا۔ وعیدیں اور تہدیدیں تو قانون کی صرف عملی خلاف ورزی پر ہیں۔ ہم نے تو اس سے آگے، کہیں آگے، قدم رکھ کر یہ اعلان کر رکھا ہے کہ ہم اعتقاداً بھی قانون اسلام کے اس جزو کو غلط اور قابل ترمیم سمجھتے ہیں! سلامت رہیں ہمارے گاؤں اور پرگنہ کی "واجب العرض" پٹواری جیسے ثقہ و معتبر راوی کی سند پر ہمارے باپ دادا کی لکھائی ہوئی! اس نے خوب اس معاملہ میں ہم کو قرآن کی حکومت سے نجات دلا دی! اب ہم ہیں اور یہ پرزہ کاغذ! اس کے بل پر ہمارے باپ اپنی بیٹیوں کا گلا کاٹیں گے، ہمارے بھائی اپنی بہنوں کے گلے پر چھری چلائیں گے، ہم منصفی اور سب ججی سے لے کر ہائی کورٹ بلکہ پریوی کونسل تک مقدمہ لڑیں گے اور حکم قرآنی کے ٹھیک مقابل اور اس کی ضد پر اپنے "رواج خاندانی" کا نعرہ لگاتے رہیں گے!

اہل اللہ سے اللہ کے واسطے جنگ

فمکث غیر بعید فقال احطت بما لم تحط به وجئتک من سبا بنبا یقین۔

پھر زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ وہ آگیا اور بولا کہ میں ایک ایسا علم لے کر آیا ہوں جو کہ آپ کو معلوم نہیں یعنی میں ملک سے ایک پختہ خبر لے کر آیا ہوں۔ (نمل آیت ۲۱)

یہ کہنے والا کون ہے؟ انسان؟ معمولی انسان بھی نہیں، ایک جانور پرندہ چڑیا کی عقل ہی کیا۔ انسان کے مقابلہ میں اس کا علم ہی کیا لیکن یہ دعویٰ اس کی

زبان سے ادا ہو رہا ہے، اور قرآن آگے سے نقل کر کے اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ پرندہ کہہ کس سے رہا ہے؟ اس کا مخاطب کون ہے؟ انسان ہی نہیں ایک غیر معمولی انسان اپنے وقت کا پیمبر سلیمان ابن داؤد درود دونوں پر اللہ کی رحمتیں ہوں، ہاں وہ پیمبر جس کے لیے چند ہی آیتیں قبل ہی یہ صراحت آچکی ہے کہ وہ "علم" سے ممتاز تھا، ولقد آتینا داؤد وسلیمٰن علماً۔

پیمبر یوں ہی اعلم الناس اپنے زمانہ کا عالم ترین انسان ہوتا ہے چہ جائیکہ ایسا پیمبر جس کا وصف امتیازی ہی اس کا "علم" ہو اس کے علم و معلومات کا ٹھکانہ ہی کیا۔ اور پھر ایک تاجدار اعظم ہونے کی حیثیت سے خبروں کے کتنے ذریعوں کا مالک! اس پر بھی دربار کا ایک مشت پر پرندہ بے دھڑک اسی سے کہہ گزرتا ہے کہ مجھے فلاں چیز معلوم ہے جو آپ کے علم میں نہیں اور اس پر نہ خود پیمبر گرفت کرتے ہیں کہ یہ کیسی گستاخانہ گفتگو ہے اور نہ قرآن ہی اس کی مذمت کرتا ہے! "علم" خدا کی دین ہے کوئی دعوے لے کر ہی نہیں سکتا کہ وہی ہر حیثیت سے دوسروں سے عالم تر ہے اور کسی کو اس باب میں اس پر جزوی فضیلت بھی حاصل نہیں ہو سکتی ہے کہ کسی بھی جزئیہ میں مرید شیخ کیا راہ نمائی کر دے اور شاگرد استاد کو سبق دے بیٹھے۔ سلف سے حسن اعتقاد بے شک ایک اچھی چیز ہے بزرگوں کی بزرگ داشت یقیناً واجب ہے، اکابر کا احترام قطعاً لازم ہے لیکن اس تعظیم و احترام کو سلف پرستی کے درجہ تک پہنچا دینا، اکابر کو عملاً معصوم سمجھ لینا، اور بعد کے آنے والوں سے پہلے گزر جانے والوں پر تنقید کا حق ہی سلب کر لینا، نہ مذہب کی تعلیم کے مطابق ہے نہ شہادت کے تجربہ کے، نہ عقل کے موافق ہے نہ

نقل کے۔

بات موٹی اور معمولی سی ہے لیکن اسی ایک حد کے نہ ملحوظ رکھنے سے کتنی خرابیاں ملت میں پیدا ہوگئی ہیں! امر متقدم کا فعل ہر متاخر کے لیے پتھر کی لکیر بن گیا ہے اور آیت وحدیث کا حکم رکھنے لگا ہے۔ مفاسد پہ مفاسد روزمرہ مشاہدہ میں آتے ہیں لیکن مجال نہیں کہ زبان بل سکے کہ اس سے فلاں بزرگ پر اعتراض لازم آتا ہے، فلاں بزرگ کی تنقیص نکلتی ہے! بزرگوں کی تعظیم کیجیے یقیناً کیجیے اکابر کے کسی قول یا فعل سے انکار کرنے میں جلدی ہرگز نہ کیجیے۔ خوب اچھی طرح غور و فکر کر لیجیے۔ لیکن ان ساری احتیاطوں اور پیش بندیوں کے بعد بھی ان کی کوئی راہ، خدا و رسول کی راہ سے الگ اور اس کے مخالف نظر آئے تو آپ اپنی آنکھیں بھی بند نہ کر لیجیے، جو معصوم نہیں ہیں انھیں معصوموں کے درجہ پر نہ رکھیے اور اللہ والوں سے اللہ ہی کے واسطے لڑ پڑیے!

اہلِ باطل کے جلسوں میں شرکت مصلحت دینی سے

روایت کسی مورخ، تذکرہ نویس کی نہیں، قرآن مجید کی آیت ہے۔

قال موعدکم یوم الزینۃ وان یحشر الناس ضحیٰ○

(طٰہٰ۔ آیت ۵۹)

موسیٰ پیمبر نے (فرعونیوں سے) کہا کہ تم سے وعدہ میلہ کے دن کا رہا اور یہ

بھی کہ لوگ دن چڑھے جمع ہو جائیں۔

یہ میلہ، مشرکوں کا میلہ دیکھنے، اس میں شریک ہونے کون جا رہا ہے؟ اس میں لوگوں کے جمع ہونے کی دعوت کون دے رہا ہے؟ پیمبر جلیل القدر، رسول برحق، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام! مصری، موحد نہیں مشرک تھے۔ اور مشرک بھی کیسے؟ ہر شرک کے جامع، بت پرست بھی، ستارہ پرست بھی، حیوان پرست بھی۔ ان کے مقررہ جشن سال میں دو بار ہوتے تھے۔ ایک ادھر مارچ میں، جو ۲۰ دن تک جاری رہتا دوسرا ادھر اگست میں، جو ۲۷ دن کی خبر لاتا۔ اور ایک تیسرا میلہ دھوم دھام، مجمع و اژدہام میں، ان دونوں سے بڑھا ہوا کسی کسی سال لگتا! مشرکوں کے سالانہ تہواروں میں کیا کیا ہوتا ہے، خصوصاً جب کہ حکومت اور سلطنت بھی اپنی ہی ہو، اس کا کچھ ہلکا سا اندازہ آج بھی ہولی کے ناچ اور دیوالی کے جمگھٹ سے ہو سکتا ہے! اور حاکم و خود مختار جاہلوں کے میلوں میں جو کچھ پیش آتا ہوگا، اس کی ہلکی سی جھلک آج بھی ماگھ میلہ اور گنگا اشنان اور ساون کے جھولے کے آئینہ میں دیکھی جا سکتی ہے!

آج ہندوستان کا کون سا پست سا پست سینما بھی ان میلوں ٹھیلوں کی پستیوں پر اتر سکتا ہے؟ کون سی سنسر کی پاس کی ہوئی فلم کی تصویریں اور راگنیاں اور "اداکاریاں" ان میلوں ٹھیلوں کی عریانیوں، بیہودگیوں، فحش کاریوں کی سطح پر اتر سکتی ہیں؟ موسیٰ پیغمبر اس جاہلی میلہ میں صرف جاتے ہی نہیں، لوگوں کو بلا کر لے جاتے ہیں، بلکہ الٹے ان ساحروں سے اور فرمائش کرتے ہیں کہ:

قال لہم موسیٰ القوا ما انتم ملقون (الشعراء۔ آیت ۴۳)

ہاں ڈال چلو اپنے عملیاتِ سحریہ میں سے، جو کچھ تمہیں ڈالنا ہے!
سحر کا لفظ یاد رکھیے۔ کان اور آنکھ کا بڑے سے بڑا فسق، سحر
کی ٹکر کا ہے؟ سحر، جس کے ڈانڈے کفر و شرک سے ملے ہوتے ہیں! تو میلہ بھی
کیسا، ایسا جس میں مظاہرہ سحر کا ہو رہا ہے اور وہ بھی پیغمبر وقت کے ایما سے!
کیا نعوذ باللہ، پیغمبر سے کسی معصیت، کبیرہ یا صغیرہ کا صدور رہا؟ یا
خدانخواستہ اس نظیر سے فاسقانہ مجمع، میلہ، ٹھیلہ میں شرکت علی الاطلاق جائز
ہوگئی؟ دونوں مفروضے باطل اور سرتاسر باطل، مجمع فساق و مجلس فسق میں شرکت
اپنی جگہ پر قطعاً ناجائز۔ اس کی حرمت کا فتوے بالکل درست۔ لیکن غرض
صحیح اور مصلحت دینی کا استثناء۔ اس کلیہ میں بھی موجود۔ پیمبر کی رضا مظاہرہ
باطل پر صرف صورۃً تھی، حقیقۃً مقصود اس باطل کا رد کرنا۔ اس سحر کا توڑنا
تھا، اور یہ تردید اور یہ ابطال خود موقوف تھا اس پر کہ پہلے اصل سحر کا مظاہرہ
تو ہولے! کیا مناظروں میں آپ روزمرہ نہیں دیکھتے، کہ پہلے ملحد کو زندیق کو،
کافر کو، معاند کو موقع تقریر کا دیا جاتا ہے، اس کی زبان سے طعن خدا پر، رسول پر،
قرآن پر سنے جاتے ہیں، تاکہ بعد میں تردید کی جاتے جواب شافی و مدلل دیا جائے؟
سچ کہا جس نے یہ کہا۔

دل علی ان لا محذور فی شہود مجامع اهل الباطل بمصلحة
دینیة ولا تصح به نفوس الطاعنین للجاه من علماء الظاهر
مگر کوئی دینی مصلحت ہو تو اہلِ باطل کے جلسوں میں جانا بالکل جائز
ہے البتہ طالب جاہ علماء اسے بوجہ خلاف وضع ہونے کے کبھی گوارا نہیں

کر سکتے۔

سوال یہاں عمر، زید، بکر کے عمل کا نہیں نہ کسی کی شخصیت زیر بحث ہے مقصود ایک اصل صحیح کا اثبات، اور عمل کی طرف دعوتِ توجہ و فکر ہے۔

شراب کے فوائد

ومنها انہ یقوی الضعیف ویھضم الطعام ویعین علی الباہ ویسلی المحزون ویسخی البخیل ویصفی اللون وینعش الحرارۃ العزیزۃ ویزید فی الھمۃ والاستعلاء۔ جلد ۲ ص۲۳۱ مصر)

شراب کے فوائد یہ ہیں کہ وہ کمزور کو قوت دیتی ہے کھانا ہضم کرتی ہے قوّت مردمی کو ترقی دیتی ہے غم زدہ کا دل بہلاتی ہے، بزدل کو بہادر بنا دیتی ہے کنجوس میں سخاوت پیدا کر دیتی ہے بدن کے رنگ کو نکھار دیتی ہے، حرارت عزیزی کو تسکین دیتی ہے اور حوصلہ و بلند ہمتی بڑھا دیتی ہے۔

یہ شراب کے فضائل و مناقب کسی کافر و زندیق کی زبان سے نہیں کسی شاعر کی زبان سے بھی نہیں، علمائے متکلمین کے سرخیل و سردار، مفسرین محققین کے امام امام فخر الدین رازیؒ کی زبان سے، ان کی مستند و شہرۂ آفاق تفسیر، مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) میں! مدح و توصیف اس شراب کی، جس کی کراہت یا حرمت کسی فقیہہ، کسی مجتہد، کی استنباط کی ہوئی نہیں، بلکہ حرمت قطعی منصوص ہے قرآن میں وضاحت کے ساتھ، اور مدح و توصیف بھی کسی مخصوص قسم کی نہیں، ایک عمومی رنگ میں!

اور امام موصوف اس میں منفرد نہیں، ایک اور مشہور مفسر جلیل ابن کثیر ہیں ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں (جلد اول ص ۵۰۱)

من حیث ان فیھا نفع البدن وتھضم الطعام واخراج الفضلات وتشحید بعض الاذھان ولذۃ الشوق المطربۃ التی فیھا کما قال حسان بن ثابت فی جاھلیۃ ونشربھا فتترکنا ملوکا، واسد الاینھنھا اللقاء

جسم کے حق میں مفید کھانے کو ہضم کرنے والی، فضلوں کا اخراج کرنے والی بعض ذہنوں کو تیز کر دینے والی، نیز سرور کی لذت بخشنے والی۔ جیسا کہ حسان بن ثابت (شاعر اسلام صحابی) نے اپنے زمانۂ قبل اسلام میں کہا ہے ؎

ہم شراب پیتے ہیں اور اسے پی کر ہم ✦ بادشاہ اور مثل شیر کے دلیر ہو جاتے ہیں

یہ دو قول صرف نمونہ کے طور پر نقل ہوئے۔ کل اکابر و فضلا کے نام اور قول کوئی کہاں تک نقل کرے! کیا خدا نخواستہ یہ حضرات شراب نوشی یا شراب فروشی کو جائز کرنے والے تھے؟ اس کی جانب رغبت و شوق و سرور کو دلاتے تھے؟ حرمت شراب کے حکم کو کسی درجہ میں بھی کم کرنے والے ہلکا کرنے والے تھے؟ ان پر یہ اتہام یا سوءِ ظن کوئی بھی پہلو صداقت کا اپنے اندر رکھتا ہے؟

ان سب کو بھی چھوڑئیے۔ بہرحال بندے تھے، بشر تھے، قرآن مجید سے بڑھ کر گندہ چیزوں کو گندہ قرار دینے والا، کوئی اور کسی کے خیال میں بھی آسکتا ہے؟ پھر خود اس نے شراب اور جوا (خمر و قمار) کی حرمتِ قطعی کے ساتھ

ساتھ اس کا بھی اعلان کیا ہے یا نہیں کہ

فیھما ..... منافع للناس

ان دونوں میں ..... لوگوں کے لیئے فائدے بھی ہیں ؟

(نفع، یہ صیغہ واحد ہی نہیں، منافع بہ صیغۂ جمع!) اور یہ کہ اثمھما اکبر من نفعھما

ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑھا ہوا ہے!

اور حافظِ شیرازؒ تو "عیب مے" کے نہیں، "ہنرِ مے" کے اعلان کی کھلم کھلا دعوت دیتے ہیں، اور اس کے چھپا جانے کو، گول کر جانے کو محض جذباتِ عوام کی پاسداری ٹھہراتے ہیں ؎

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو
نفیِ حکمت مکن از بہرِ دلِ عامے چند!

یہ حال جب اُن چیزوں کا ہے جن کی حرمت نص جلی قرآنی سے ثابت ہے تو اب کسی اور "نستۃً" ہلکی معصیت کی، کسی خاص شکل کے بعض "منفعتی" اور اصلاحی پہلوؤں پر توجّہ دلانا، ان کے اظہار معصیت کے ساتھ ساتھ، کوئی جرم کسی درجہ کا بھی ہے؟ یہ کہنا کہ تصویر کشی شریعتِ اسلامی میں قطعاً ممنوع، لیکن فلاں فلاں تصویر سے مدد تبلیغی و اصلاحی مقاصد میں لی جا سکتی ہے کسی حال میں بھی معصیت ہے؟ یہ لکھنا کہ راگ راگنی کا شغل قطعاً ناجائز لیکن فلاں راگ میں ایک درس معرفت الٰہی کا بھی مل جاتا ہے کسی حد تک بھی قابلِ ملامت ہے؟ دُنیا کے پرچہ پر کیا انصاف کی آنکھ اتنی اندھی ہو چکی ہے؟

اتباع وحبّ رسول

قرآن میں حکم رسولِ خدا صلعم کو ملتا ہے کہ آپ اپنے منکر مخاطبین سے :-

قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ (شوریٰ

آیت ۲۳)

کہہ دیجیے کہ میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی معاوضہ تو چاہتا نہیں، صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے اُس محبت کا برتاؤ رکھو جو رشتہ داروں کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔

آیت کی تفسیریں اور بھی کی گئی ہیں، لیکن اہلِ سنت کے جمہور اکابر اسی طرف گئے ہیں۔ اور یہی معنی صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس سے منقول ہیں۔ لیکن اگر کوئی احمق اس سے یہ نتیجہ نکال بیٹھے کہ مطلوب و مقصود صرف محبت ہے ذاتِ محمدیؐ کے ساتھ اور وہ بھی صرف ایک خاص درجہ میں، یعنی اتنا ہی تعلقِ محبت، جتنا عزیزوں میں باہم ہوتا ہے اور اگر کوئی حرفِ محبت وہ بھی کل اسی درجہ میں، ذاتِ محمدی کے ساتھ پیدا کر لے تو بس اس کے لیے کافی ہے اب اُسے نہ ایمان لانے کی ضرورت، نہ قصدِ اتباع و اطاعت کی حاجت تو آپ ایسے لفظ پرست عقل و معنویت سے خارج "اہلِ قرآن" کی زبان کس دلیل سے بند کریں گے ؟ اتنی محبت تو ظاہر ہے کہ ابو طالب کو آپ کے ساتھ تھی۔ ممکن ہے، اور عزیزوں کو بھی ہو پھر ان سے ایمان کا مطالبہ ناحق ہی کیا گیا!

مہمل و مضحک نتیجہ نکالنے کی ذمہ دار کم علمی اتنی نہیں جتنی کم عقلی اور کم فہمی

ہے سیاق عبارت کیا ہے۔ مخاطبت اسی گروہ سے ہو رہی ہے جس میں ایک
ایک فرد، مخالفت و عناد کی شدت میں ابوجہل ہے رسولؐ کی بات پر غور کرنے
کا ذکر نہیں، سننا تک انھیں گوارا نہیں۔ کہاں ان سے جا رہا ہے کہ تصدیق رسالت
کی منزل تو خیر ابھی چھوڑ دو اتنی رواداری اتنا تحمل تو اپنے میں پیدا کر دو جتنا کسی
عزیز و اقارب کے کلام کے وقت کیا جاتا ہے۔ رسولؐ سمجھ کر نہ سہی، عزیز ہی سمجھ کر
ان کی بات تو سن لو۔ رفتہ رفتہ یہ بات کا سننا، اتنی ہمدردی و رواداری، یہ
خود ہی ایمان و تصدیق تک پہنچا دے گی! بڑی چیز سے ہلکی چیز تک لے آنا۔ عناد
و مخالفت کا پارہ رواداری، عزیزداری، حقوق قرابت کے درجہ تک اتار
لانا، خود ایک بڑی چیز ہے منزل مقصود یہ ہرگز نہیں، لیکن منزل راہ یقیناً ہے
یہ سبق دنیا کے مصلح اعظمؐ کو دیا گیا۔ اور آئندہ قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا گیا
کہ آئندہ جو بھی اپنے ظرف، بساط و ہمت کے مطابق اصلاح و تبلیغ کی راہ میں قدم
اٹھائے، اس کے سامنے یہ روشنی کا مینار قائم رہے اور وہ زہر اگر کسی سے چھڑا نہ سکے
تو کم از کم یہ تو کر ہی دے کہ اس زہر کی مقدار کو خفیف سی خفیف حد تک اتار لائے!
اور آج جو اس راہ پر چل رہے ہیں، وہ ہوا و ہوس کی دعوت نہیں دے رہے ہیں
بلکہ فسق کے پارہ کو ۱۰۵ اور ۱۰۶ کے درجہ سے اتار کر تدریج کے ساتھ نارمل نقطہ
اعتدال و صحت، پر لا رہے ہیں!

مردم اندر حسرت فہم درست!

—۔۔—۱—

دین کے خادم

یہ تارے جو رات کو چمکتے جگمگاتے نظر آتے ہیں، ان کی تعداد آسمان کی چھت پر تو کوئی دو ہزار ہے اور اگر اس گنبد کی اُفقی دیواروں پر بھی لٹکے ہوؤں کو جوڑ لیا جائے، تو کوئی ۶ ہزار۔ لیکن اگر آلات کی مدد اور بڑی بڑی رصدگاہوں میں لگی ہوئی بڑی بڑی دُور بینوں کی وساطت سے یہ "اختر شماری" کا کام شروع ہو، تو میزان لاکھ دو لاکھ پر نہیں رُکے گی کروڑ دو کروڑ پر بھی نہیں، پورے ۲ بِلین تک پہنچے گی! یا ہندسوں میں ۲۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ ۔ یہ تعداد بھی صرف ان کی ہوئی جو اب تک انسانی آلات کی گرفت میں آ سکے اور جو اب تک ان کی دسترس سے باہر ہیں، ان کی گنتی کون کرے؟ حدود کائنات کی وُسعت بے پایاں کی پیمائش کون بشر آج تک کر سکا ہے، کبھی بھی کر سکے گا؟

زحل، زہرہ، مریخ، مشتری، عطارد وغیرہ بہت سے تاروں کے نام سے ہم آپ سب واقف ہیں۔ لیکن کُل ۲ ارب تاروں کے نام بھی تو ۲ ارب ہی ہوئے؟ یہ کس ڈکشنری میں ملیں گے؟ کس نے اب تک اتنی ہمت کی ہے؟ سنیے، کوئی مشین بالفرض ایسی نکل بھی آئے جو بے تحاشہ یہی نامزدگی کا کام شروع کر دے اور دھر منٹ نہیں، ہر سیکنڈ، کھٹا کھٹ ایک ایک تارے کا نام تجویز کرتی چلی جائے، تو بھی آپ کو اندازہ ہے کہ کل کتنی مدت لگے گی؟ کیا ۲ سال؟ دو سال؟ جی نہیں، پھر کیا دس، بیس، پچاس سال؟ پوری ایک صدی؟ یہ بھی نہیں، پورے ستر سو سال! اور یہ نامزدگی بھی صرف معلوم تاروں کی ہوئی، نامعلوم پھر بھی نامعلوم ہے

غیر معلوم رہے ان نا معلوموں کی تعداد خود بھی نامعلوم! انسان کے جہل کا دائرہ اس کے علم سے کتنا بڑا ہے! اور وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ کی یہ تفسیر دلپذیر نادانستہ و غیر شعوری طور پر سہی، بڑے بڑے مہندسوں ہیئت دانوں، "فلک پیما" ماہرین فن کی زبان سے بہرحال ہو رہی ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ۔

"علوم" الحاد، دہریت، بیدینی پھیلانے والے علوم بھی، وہ حیاتیات ہو یا نباتات، ریاضی ہو یا ہیئت، اگر یہ صحیح نقطۂ نظر سے مطالعہ کئے جائیں تو ان شاء اللہ دین کے خادم ہی ثابت ہوں گے، اور ایمان گھٹا ئیں گے نہیں، کچھ بڑھا ہی دیں گے بڑی گمراہی اور اصلی زہر ان مادی علوم کی نفس تعلیم نہیں، بلکہ غلط نقطۂ نظر سے ان کی تعلیم ہے۔ بجز ان چیزوں کے جو نص سے حرام قطعی ہیں، باقی بڑی گنجائش اس کی ہے، کہ جو چیزیں مشتبہ یا ذو جہتیں ہیں، صحیح نقطۂ نظر سے کام لے کر زہر کو تریاق میں تبدیل کر دیا جائے اور جو راہ کے کانٹے ہیں انھیں کو مہکتے ہوئے پھول بنا لیا جائے۔ سائنس، فلسفہ، ادب، شعر سب اسی دائرہ میں آجاتے ہیں۔

قیامت کی تائید سائنس کی زبان سے

امریکہ کے ایک ماہر فلکیات، جارج گیمو استاد طبعیات، جارج واشنگٹن یونیورسٹی، کی ایک کتاب حال میں دیکھنے میں آئی نام ہے BIRTH and DEATH OF THE SUN) آفتاب کی پیدائش اور موت" تو کیا آفتاب بہ ایں عظمت و اجلال ہماری آپ کی طرح فنا پذیر ہی ہے؟ اور اسی طرح فنا کی طرف قدم بڑھاتا

رہا ہے جس طرح ہم آپ اور اللہ کی ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوق ۔ فنی بحثوں کو تو صرف اہلِ فن کے لیے چھوڑیے یہ دیکھیے کہ کچھ ہمارے آپ کے بھی کام کی باتیں ہاتھ آتی ہیں ؟ آتی ہیں ، اور ایک نہیں کئی ایک ۔

ایک بات تو یہ ملی ، کہ آفتاب اور سارے نظامِ شمسی کی پیدائش کو تقریباً ۲۰ کھرب سال ہوئے ! گویا اس کی تصدیق ایک ماہرِ فن کی زبان سے ہوگئی کہ آفتاب اور ماہتاب اور ستارے سب حادث ہیں ، قدیم کوئی بھی نہیں ! مدتِ پیدائش کا سوال بالکل غیر متعلق ہے ۔

دوسری بات یہ ہاتھ آئی ، کہ آفتاب اپنے عنصر ترکیبی یعنی ہائیڈروجن وغیرہ کو بڑی احتیاط سے سنبھال سنبھال کر استعمال کر رہا ہے اس لیے ابھی ۲۰ کھرب سال یعنی ۲ ڈیل سال تک اور زندہ رہے گا اس سے تصدیق ہوگئی اس کی کہ آفتاب اور ماہتاب اور ستاروں کو ایک روز بہرحال فنا ہونا ہے ۔ اور چشم کائنات کو اذا الشمس کورت ، فاذا النجوم طمست ، واذا الکواکب انتثرت وغیرہ کا نظارہ کرنا ہے !

تیسرے پتہ اس کا چلا کہ آفتاب روز بروز گرم سے گرم تر ہوتا جا رہا ہے ۔ یہاں تک کہ اس کی گرمی کی شدت ایک دن زمین والوں کے لئے ناقابلِ برداشت ہو جائے گی ، اور روئے زمین پر جو کچھ ہے وہ سب اس سے جل جائے گا ۔ مذہب نے اگر اس کیفیت کو یوں بیان کر دیا کہ آفتاب ایک روز سوا نیزے کے فاصلہ پر آجائے گا ، تو کیا بے جا کیا ؟

چوتھی گرہ یہ کھلی کہ نئے نئے ستارے آہستہ آہستہ پیدا ہوتے جا رہے ہیں

اور پرانے فنا شدہ ستاروں کی جگہ لیتے جارہے ہیں۔ سلسلۂ آفرینش جاری ہے، اور اختر آفرین اپنا کام کرکے معطّل نہیں ہوگیا ہے کل یوم ھو فی شان کی یہ کیسی پیاری تفسیر نکل آئی!

سائنس داں بے چارے کو مذہب سے مس نہیں۔ اور اسلام کا تو اس نے نام تک بھی شاید نہ سنا ہو۔ اپنی دھن میں اپنے فن کے متعلق لکھتا چلا گیا ہے۔ لیکن یہ کیا ہے کہ قلم سے جو کچھ نکلا ہے اُس سے ہمارے حقائق کی اور تائید و تصدیق ہی ہوتی گئی ہے! کہیں یہی معنی تو اس آیت کے نہیں، کہ

لہ اسلم من فی السمٰوات والارض طوعًا وکرھًا۔

جو موجودات بھی زمین و آسمان میں ہیں وہ سب چار و نا چار اللہ ہی کے آگے جھکی ہوئی ہے!

کام کسی کا بھی کیا جائے، نام اس کا کچھ ہی رکھ لیا جائے، سب آخر میں تحلیل ہو کر اللہ اور اللہ کے دین ہی کا کام جا کر ٹھہرتا ہے۔!

بُرے القاب

"مسٹر جناح کی پتلون ڈھیلی ہوگئی"!

"سرکاری پٹھو جناح نے طاغوت پرستی کی حد کردی"!

"بُرِ نیشنلسٹ" مسلم پریس نے گہر باری کی۔

"مانسٹر جی آزاد جی مہاراج نے بھوجن کیا"

"ہندوؤں کا غلام اور غدّارِ ملت ابوالکلام آزاد اپنے وقت کا میر جعفر ہے"

" یہ قومی دیلی" مسلم لیگی اخبارات نے گل فشانیاں کیں!
ایک کا دعوٰے ہے کہ ہم ہندوستان کو "آزاد" کرا کے رہیں گے دُوسرے کا نعرہ ہے کہ ہم پاکستان لے کر دم لیں گے! دونوں کے سلاح خانہ میں گویا سب سے زیادہ مؤثر کارگر حربہ بدزبانی اور آتش بیانی کا۔

دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی!

مصرعہ میں لوگوں نے محبت کی آگ مُراد لی ہے شاعر نے بھی یہی سمجھ کر کہا تھا۔ لیکن عداوت اور نفرت کی آگ محبت کی آگ سے سوزش میں کم نہیں کہیں بڑھ کر ہے!

گویا قرآن مجید میں

لاتنابزوا بالالقاب ایک دُوسرے کے نام نہ دھرو۔

کا حکم ہی موجود نہیں! گویا احادیث نبوی میں اکرام و احترام مسلم کی تاکید اہانت و تحقیر مسلم پر سخت سے سخت وعیدیں وارد نہیں ہو چکی ہیں۔ گویا شریعت نے ہر کلمہ گو کو دوسرے کلمہ گو کا بھائی قرار نہیں دیا ہے؟ اور یہ اصُول طے نہیں کر دیا ہے کہ اجتہادی اختلافات کا اثر اس بھائی چارے پر بالکل نہیں پڑتا! گویا دوسرے فریق کے لیڈر کو گالی دینے سے کوسنے سے، اس کی تحقیر و تضحیک سے اپنے مسلک کی خوبیاں از خود روشن و ثابت ہو جاتی ہیں! اور گویا زیادہ سے زیادہ دل آزاریوں اور دل شکنیوں سے وہ بھی زیادہ سے زیادہ رکیک لہجہ میں اپنے مسلک و عقیدہ کی تبلیغ خوب ہو جاتی ہے اور لوگ اس کی طرف زیادہ سے زیادہ کھنچ کر آنے لگتے ہیں۔ کیا خوب یہ عقل اور کیا خوب یہ نقل ہے! پروپیگنڈہ

ہی کرنا ہے، تو کم از کم اسی کے طریقے اہل فرنگ سے سیکھ لیئے ہوتے! بغیر سامنے سے حملہ کئے ہوتے، بغیر مخاطب کے جذبات کو ذرا سے بھی صدمہ پہنچائے ہوئے کس طرح خاموشی کے ساتھ اس کے دل میں اندر ہی اندر جگہ پیدا کر لی جاتی ہے!

بھائیو اور دوستو، آخر شخصیتوں کو بار بار زیر بحث لانے سے حاصل کیا ہے؟ کام کی چیز، اور بحث و غور کے قابل، ہر پارٹی کا مسلک، ہر جماعت کا پروگرام ہے یا فلاں فلاں شخصیتیں؟ زہر کا جام اگر کوئی متقی پیش کر رہا ہے تو کیا اس سے زہریت میں کچھ کمی آجائے گی؟ دوا کا گلاس اگر کسی فاجر کے ہاتھ سے مل رہا ہے تو کیا اس سے دوا کی تاثیر شفا بخشی جاتی رہے گی؟ معصوم ظاہر ہے کہ نہ کوئی ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ خورد بین لگا کر دیکھیے گا، تو ہر ایک کے عیوب اس کے واقعی عیوب سے اور سینکڑوں گنے زیادہ ہی نظر آئیں گے۔ خطاکار و غیر معصوم کارکنوں کی زندگی سے مقاصد کار پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ نظر میں صرف ان کو رکھیے اور ہر کلمہ گو کی طرف سے قلب میں صفائی کر کے صرف یہ سوچیے، ایک مسلمان کی حیثیت سے اس کے لئے بہترین راہ کون سی ہے۔ مختصر یہ کہ رہنما سے راہ کو نہیں بلکہ راہ سے رہنما کو جانچیے!

معجزۂ قرآن اور جوہری بم

ایٹم بم (ذرّاتی بم، جوہری بم، ترجمہ جس لفظ سے چاہے کیجیے) کی حقیقت و ماہیت آپ سن چکے ہیں، سمجھ چکے ہیں؟ اور اس کی قیامت خیز اور لرزہ انگیز، ہولناکیوں اور ہلاکت آفرینیوں سے تو بہرحال واقف ہو چکے ہوں گے۔

جزئیات و تفصیلات میں گئے بغیر، خلاصہ سائنس کے اس جدید ترین "معجزہ" کا یہ ہے کہ مادّہ کے ہر ایٹم یعنی جوہر فرد یا سالمہ جزو لا یتجزیٰ کے اندر بے پناہ قوّت یا توانائی (انرجی) کا ذخیرہ محفوظ ہوتا ہے اور وہ اُس ذرّہ کے پھٹنے سے بے تحاشہ نکل پڑتا اور اُبل پڑتا ہے۔ ذرّہ جو جسامت میں اس قدر حقیر اور ضخامت میں اتنا صغیر ہوتا ہے کہ آنکھ سے نظر ہی نہیں آسکتا، جب وہ پھٹتا ہے، تو قلعوں کو ہلا دیتا ہے پتھروں کے در و دیوار کو جنبش میں لے آتا ہے بیسیوں نہیں، پچاسوں بلکہ سینکڑوں میل کے رقبہ میں زلزلہ پیدا کر دیتا ہے! سائنس نے قدرت کے حقیر سے حقیر اور صغیر سے صغیر فرد کے انشقاق کی بے پناہ قوّت کا مشاہدہ کرا دیا۔

کیا عالم ہوگا اس وقت جب کہ ایک ذرّہ نہیں، دس، بیس، سو پچاس ہزار دو ہزار ذرّے نہیں بے شمار ذرّات کا مجموعہ، چاہے اُسے فضا تے محض کہیے یا کوئی ٹھوس مادّی جرم۔ بہرحال آسمان پھٹے گا؟ اور السماء شق ہو کر رہے گا؟ اس وقت کی بے اندازہ ہلاکتوں کا کوئی انسانی دماغ اندازہ بھی کر سکتا ہے؟ اس وقت کے حساب و شمار ہی سے نہیں، وہم و گمان سے بھی باہر، تباہیاں اور بربادیاں کسی بشری فہم و عقل کے احاطۂ گرفت میں بھی آسکتی ہیں؟ "قیامت" کے لفظ کا اطلاق اگر اس ہنگامۂ رست و خیز پر، اس طوفان موت و ہلاکت پر بھی نہ ہوگا تو اور کس پر ہوگا؟ ذرّہ کے پھٹنے کا جب یہ عالم ہے تو آسمان کے پھٹنے سے ظاہر ہے کہ کیسا حشر برپا ہو کر رہے گا۔ اب جا کر کچھ روشنی پورے مسئلہ پر پڑی کہ قرآن مجید نے قیامت کی ہولناکیوں اور ہلاکت آفرینیوں کے سلسلہ میں

آسمان کے لیئے "پھٹنے" ہی کا لفظ کیوں بار بار استعمال کیا ہے! اذا السماء انشقت اذا السماء انفطرت وغیرھا یہاں تک کہ انسان کی شدید مشرکانہ گستاخیوں پر بھی یہی لفظ لایا ہے والسموات ینفطرت اب کچھ کچھ روشنی "انشقاق" وانفطار" کے معنی پر پڑی! سائنس کے "معجزہ" نے طوعاً خواہ کرہاً، قرآن کے معجزہ پر ایمان تازہ کر دیا!

شریعت کا ایک ضابطہ

شریعت کے ضابطے مومنین کے لیئے کچھ بن چکے ہیں کچھ بن رہے ہیں۔

انھیں میں ارشاد ہوتا ہے:۔

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقاً من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون (بقرٰ ایت ۱۹۹)

(اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اڑاؤ اور نہ اُسے احکام رسی کا ذریعہ بناؤ کہ اس سے دوسروں کے مال کا کچھ حصہ گناہ سے کھا جاؤ درآنحالیکہ تم اُسے جان بھی رہے ہو۔

"باطل" کا لفظ کس قدر وسیع وجامع مفہوم رکھتا ہے مسلمانوں کو حکم ہے کہ کسی بھی ناجائز طریق سے وہ دوسرے کے مال پر تصرف نہ کریں مسلمان پر اس ایک ذرا سے حکم سے "منفعت" اور نفع اندوزی کی کتنی راہیں حرام ہو گئیں! گویا سارے تقوے مالی کی تعلیم ان دو مختصر لفظوں میں آ گئی۔ ہر خیانت سے احتیاط کا حکم ہر قسم کی امانت و دیانت کی تاکید اسی میں شامل! مسلمان کھلے ہوئے

محرمات۔ غصب، رشوت، سرقہ، قمار، سود وغیرہ کے قریب تو خیر کیوں جانے
لگا تھا، شریعت کے مزاج شناس فقہا نے تصریح یہاں تک کردی ہے کہ وہ
سارا مال بھی باطل وناجائز کے حکم میں آیا جاتا ہے، جو

مالا تطیب بہ نفس مالکہ اوحرمۂ الشریعۃ وان طابت
بہ نفس مالکہ (احکام القرآن قرطبی)

مال کے مالک سے بغیر مالک کی خوش دلی کے حاصل کی جائے، یا مالک
تو اسے خوش دلی سے دے رہا ہے لیکن خود شریعت نے اس مد کو ناجائز
قرار دیا ہو۔

بینکم سے مراد امت اسلامی کا ہونا تو ظاہری ہے لیکن فقہا
نے یہاں بھی معنی میں وسعت دے کر ساری نسل آدم کو اس میں داخل کرلیا ہے!
یعنی مسلم ہو یا کافر کسی کا بھی مال دغا وفریب سے ظلم وتعدی سے لینا جائز
نہیں۔ صرف ایک کافر حربی کہ اس سے تو اعلانِ جنگ ہو ہی چکا ہے۔ اس سے
مستثنیٰ ہے۔ لیکن اس حد میں بھی ایک حصار قیدوں اور شرطوں کا کھنچا ہوا ہے،
رشوت، جعلسازی، خیانت، کافر حربی سے معاملت میں بھی جائز نہیں!

اور پھر وانتم تعلمون کی بلاغت ومعنویت! ذمہ دار تم خود ہو، تمہارا
علم اور تمہارا ضمیر ہے۔ تم جان بھی رہے ہو کہ تم صریحاً ظلم وزیادتی پر ہو لیکن چونکہ
وکیل وپیروکار تمہیں اچھا مل گیا ہے، یا کوئی اور دستاویز بہت مفید مطلب
تمہارے ہاتھ لگ گئی ہے، یا کسی اور طریقہ پر تم حاکم عادل کو دھوکا دینے میں
کامیاب ہو گئے۔ تو اس پر ہرگز نہ پھولو۔ اس پر امید بھی ذرا دیر کے لئے

بھی قائم نہ کرو۔ قاضی و حاکم، جج یا مجسٹریٹ جو بھی فیصلہ کر دے حاکم حقیقی کی عدالت میں ذمہ دار صرف تم، تمہارا علم اور تمہارا ضمیر ہی قرار پائے گا۔

قرآن کی کئی ہزار آیتوں میں سے ہمارا عمل اگر صرف اسی ایک آیت پر ہو جائے تو آج دنیا کا نقشہ کیسا بدل جائے! بددیانتی، حق تلفی، جعلسازی، دروغ حلفی، رشوت، مقدمہ بازی کا وجود کہیں باقی رہے؟ دنیا جنت سے کس قدر مشابہ ہو جائے!

"روشن خیال" عورت

اس ڈیڑھ دو سال کے عرصہ میں قرآن مجید کی بہترین تفسیر عربی زبان میں کون سی تصنیف ہوئی ہے؟ یہ سوال اہل علم کے حلقہ میں کیا جائے تو جواب عجب نہیں کہ بالکل متفقہ طور پر یہ ملے کہ علامہ آلوسی بغدادی کی روح المعانی۔ تو اسی تفسیر میں سورۂ نور کی ایک آیت کے ذیل میں ملتا ہے:

اعلم ان عندی بما یلحق بالزمینة المنهی عن ابدائها ما یلبسه اکثر مترفات النساء فی زماننا فوق ثیابهن یستترن به اذا خرجن من بیوتهن رهو غطاء منسوج من حریر لذة الوان وفیه من النقوش الذهبیة او الفضة ما یذهب العیون واری ان تمکین ازواجهن ونحوهم لهن من الخروج بذلک ومشیهن به بین الاجانب من قلة الغیرة۔ (جلد ۶ صفحہ ۵۶)

میرے نزدیک نوجس زیبائش کے اظہار سے روکا گیا ہے اس میں وہ کپڑا بھی شامل ہے جسے آج کل کی خوش حال خاتونیں اپنے لباس کے اوپر پہن کر گھروں سے باہر نکلتی ہیں یہ ایک رنگارنگ کا برقع ہوتا ہے ریشم کا بنا ہوا، اور اس پر سونے چاندی کا کام بنا ہوا جس سے آنکھیں جگمگا اٹھیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ شوہروں کا اپنی بیویوں کو، یا باپ بھائی کا اپنی بیٹیوں بہنوں کو) اس پوشش کو پہن کر غیروں کے مجمع میں جانے کی اجازت دینا بڑی بے غیرتی کی بات ہے۔

لیجیے، عورت بے پردہ نہیں ہے، پردہ اور برقع میں ہے، لیکن اتنی سی بات پر کہ برقع خود شوخ اور بھڑکیلا ہے) فاضل مفسر اسے بے غیرتی کی بات قرار دیتے ہیں اور تاسف سے کہتے ہیں کہ

وقد عمت البلوی بذلک یہ وبا عام ہو چکی ہے۔

تو اب جہاں سرے سے نہ برقع ہو نہ نقاب، کھلے ہوتے چہرے ہوں اور کھلے ہوئے سر، جسم کا جتنا حصہ ڈھکا ہوا ہو بھی، وہ بھی جاذب نظر ساریوں، اور طرح طرح کی رنگین و خوشنما ساریوں میں، خوشبوؤں کی مہک اٹھ رہی ہو، اور لباس سے مقصود جسم کو چھپانا نہیں، بلکہ مرد کی رغبت کے مقامات کو اور نمایاں کرنا ہو۔ آنکھوں سے شرم، دلوں سے جھجک رخصت ہو چکی ہو، ساتھ نوجوان مردوں کا ہو، دین و اخلاق کی گرفتوں سے آزاد۔ ماحول ایسا، جس میں خوف خدا اور خوف آخرت قابل مضحکہ۔ اور یہ بے حیائی عیب نہیں بلکہ بجائے خود ایک ہنر اور آرٹ! تو ارشاد ہو کہ اس صورت حال کے باب میں

ان مفسر صاحب کا فتویٰ لے کیا ہوتا؟ انہیں مفسر صاحب کا نہیں، کسی بھی مفسر کا، محدث کا، فقیہ کا، ایمان عزیز رکھنے والے مسلمان کا؟

مفسرین، محدثین، کی بحث چھوڑیے، خود قرآن کا حکم باہر نکلنے والیوں کے لئے کیا ہے؟

ولا یضربن بارجلهن لیعلم ما یخفین من زینتهن

(سورۂ نور، آیت ۳۱)

اپنے پیر زمین پر اس طرح زور زور سے نہ رکھیں کہ ان کی مخفی زیبائش (زیور وغیرہ کی) دوسروں پر ظاہر ہو کر رہیں!

کیا مناسبت "کالج گرل" کی ایک ایک ہنسی، ایک ایک قہقہہ کو، ان شرمائی لجائی، سکڑی سکڑائی، نیچی نگاہوں والی، پھونک پھونک کر قدم رکھنے والیوں سے ہے؟

حقوق انسانی

پارہ ششم، سورۃ المائدہ میں ایک آیت یہ آتا ہے:-

لا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا هو اقرب للتقوی (آیت ۸)

"اے ایمان والو، ایسا نہ ہو کہ کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ کر دے کہ تم (اس کے حق میں) انصاف نہ کرنے لگو۔ انصاف کرو کہ وہی تقویٰ سے بہت قریب ہے۔

آیت مفہوم کے لحاظ سے صاف ہے پیچیدہ نہیں تاہم بہتر ہوگا کہ متن کے ساتھ بعض حاشیوں کا بھی مطالعہ کرلیا جائے :۔

امام قرطبی لکھتے ہیں :۔

دلت الآیۃ علی ان کفر الکافر لایمنع من العدل علیہ۔

آیت سے یہ حکم نکل رہا ہے کہ کافر کا کفر اس کے حق میں انصاف کیے جانے سے مانع نہیں ہوسکتا۔

کفر سے بڑھ کر مبغوض خالق کائنات کی نظر میں کون سی چیز ہوسکتی ہے؟ اس پر بھی یہ حکم نہیں کہ ایسے مجرم سے قطعی اور کلی مقاطعہ کرلو، بلکہ اس کے حقوق انسانی اس کے ساتھ ادا کرتے رہو! تو جب عدل اور ادائے حقوق انسانی کفر کے ساتھ جمع ہوسکتے ہیں، تو ہر فسق و بدعت ہر دوسری علمی اور اعتقادی معصیت، کفر سے تو بہر حال کمتر ہے، فاسقین اور مبتدعین کے ساتھ عدل کا وجوب ظاہر ہے کہ کتنا اور زائد موکد ہوگا!

سرآمد شارحین قرآنی، علامہ زمخشری، صاحب الکشاف مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وفیہ تنبیہ عظیم علی ان وجوب العدل مع الکفار الذین ھم اعداء اللہ اذا کان بھذہ الصفۃ من القوۃ فما الظن بوجوبہ مع المومنین۔

اس میں بڑی تاکید آگئی اس کی کہ عدل جب دشمنان خدا یعنی کافروں

کے ساتھ واجب ہے تو اس کے وجوب کا کیا ٹھکانہ ہے اہلِ ایمان کے حق میں!

اور زمخشری کا یہ قول اتنا مقبول ہوا کہ اُسے امام اہلِ تحقیق فخر رازیؒ نے اور علامہ نسفی نے اپنی اپنی تفسیروں کبیر اور مدارک میں بعینہٖ نقل کر دیا ہے!

اور اس حقیقت کو صاحب بحر المحیط، محدث ابن عزناطیؒ اپنی زبان میں یوں ادا کرتے ہیں،

وفی الآیۃ تنبیہ علیٰ مراعاۃ حق المومنین بالعدل اذ کان تعالیٰ قد امر بالعدل مع الکافرین۔

آیت سے مسلمانوں کے حق میں انصاف کی تاکید نکلتی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تو کافروں سے معاملت میں انصاف کا حکم دیا ہے!

اب گزارش صرف اتنی ہے کہ "اہلِ ایمان" یا "مسلمان" کے دائرہ میں غیر لیگی حضرات کے نزدیک لیگی اور لیگی حضرات کے نزدیکی غیر لیگی آتے ہیں یا نہیں ہیں؟ یا اسلام کا دائرہ اب اتنا تنگ و محدود ہو گیا ہے کہ اس میں ایک سے زیادہ کسی سیاسی نظریہ و مسلک کی گنجائش ہی نہیں؟

مذہب بطور کھیل تماشہ

قرآن مجید، پارہ ہفتم، سورۃ الانعام کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے۔

وذر الذین اتخذوا دینھم لعبا ولھوا

اور اے پیغمبر آپ ان لوگوں سے اعراض کیے رہیے جنھوں نے دین کو

کھیل تماشہ بنا رکھا ہے۔

سوال قدرتہً پیدا ہوا کہ ایسا کون بدبخت ہوگا؟ جو اپنے مذہب کو بھی کھیل تماشہ یا سرمایۂ تفریح بناتا ہوگا؟ مفسرین نے قیاس اپنے طرف پر کیا۔ انھیں بڑی دقت پیش آئی، آخر انھوں نے حل یوں کیا کہ آیت میں دین سے مراد وہ دین ہے جس پر انھیں ایمان لانا چاہیئے تھا۔

الدّین کلفوہ دعوا الیہ وھو دین الاسلام

اور جس کی دعوت انھیں دی جارہی تھی یعنی اسلام۔

اسی کو نشانہ طنز و تمسخر منکرین و مکذبین بناتے ہوتے معنی یہ اپنی جگہ پر صحیح ہیں، لیکن دل سے یہ کھٹک نہیں جاتی، کہ دینھم (اپنے دین) کی صاف و سادہ ترکیب کے لیئے یہ ایک خواہ مخواہ کا تکلف کرنا پڑا۔

اپنے ہمسایوں کے ہاں مقدس تہوار "ہولی" کی کبھی سیر آپ نے دیکھی ہے؟ خوب پچکاریاں بھر بھر کر دوسروں کے جسموں اور کپڑوں پر رنگ ڈالے، چہرے اور حلیے بگاڑ دیجیئے جی بھر کر فحش گانے گاتیے چھوٹے بڑے سب کے سامنے پھکڑ بازی کیجیئے، شرابیں پیجیئے اور پلاتیے ناچ دیکھیئے، سوانگ نکالیئے، اسی کا نام ہولی ہے۔ دیوالی منائی جاتی آپ نے دیکھی ہے؟ خوب گھر گھر چراغ جلاتیے، بازیوں پر بازیاں جوئے کی لگاتیے، دن رات جشن مناتیے۔ تہوار کی عین تقدیس ہوتی رہے گی۔ دسہرہ، رام نومی، ناگ پنچمی کس مذہب تہوار میں میلے ٹھیلے نہیں لگتے، عیش اور رنڈی کی داد نہیں دی جاتی؟ رہا "صاحب" کا "بڑا دن" اور "ایسٹر" تو تین سو ساٹھ دنوں میں بھی شاید اتنی شراب نہ پی جاتی ہو، جتنی ان چند مقدس

ومتبرک دلوں میں اُڑ جاتی ہے! اور مندروں اور کلیساؤں کی عبادتوں کا جزو اعظم گانا بجانا، اور بھجن منڈلیوں اور CHOIR GIRLS سے کام لینا ہے یا نہیں؟ جشن "نوروز" وغیرہ کی تفصیلات کے لیے گنجائش کہاں سے لائی جائے۔

اپنے گرد و پیش کی غیر اسلامی، جاہلی و نیم جاہلی دنیا پر اور اس کے مذہبی طور طریقوں پر ایک بار ایک نظر ڈال جائیے اور ساڑھے تیرہ سو سال قبل کی آواز وحی پر ایک بار پھر کان لگائیے کہ

الذین اتخذوا دینھم لعبا ولھوا۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مذہب کو کھیل تماشہ بنائے ہوتے ہیں۔

کھیل تماشہ کا اطلاق اگر اس ساری مذہبیت پر بھی نہ ہوگا، تو اور کس پر ہوگا؟

"آج" اور "کل"

قرآن مجید کی یہ آیتیں دوران تلاوت میں بارہا نظر سے گزری ہوں گی بہتر ہوگا آج پھر ایک بار ان پر نظر کر لی جائے۔

من کان یرید الحیوٰۃ الدنیا وزینتھا نوفّ الیھم اعمالھم فیھا وھم فیھا لا یبخسون (سورۂ ہود آیت ۱۵)

جو کوئی دنیا ہی کی زندگی اور اس کی رونق کو مدِ نظر رکھتا ہے تو ہم ان لوگوں کو ان کے اعمال (کی جزا) اسی (دنیا) میں پوری طرح دے دیتے ہیں،

اور ان کے لیے اس میں ذرا کمی نہیں ہوتی ۔

حیات اور زینت حیات کی طرف طبعی رغبت و رجحان تو ظاہر ہے کہ یہاں مراد ہو نہیں سکتا وہ تو کسی نہ کسی درجہ میں بڑے سے بڑے متقی و باخدا انسان میں بھی پایا جائے گا۔ ذکر یہاں ان لوگوں کا ہے جو اس دنیوی زندگی اور اس کی رونقوں کو اپنا مطمح نظر بنائے ہوئے اور آخرت کی طرف سے آنکھیں بند کئے اسی کو اپنا مقصد وجود ٹھہرائے ہوئے ہیں، ان کے علوم و فنون میں ان کے سائنس اور آرٹ میں، ان کے ادب اور افسانے میں شروع سے آخر تک کہیں نام بھی آخرت کا نہیں آنے پاتا۔ نہ کوئی اشارہ ان کے کتب خانوں اور عجائب گھروں میں، ان کی نمائش گاہوں اور ان کی دانش گاہوں میں ایسا ملنے پائے گا جس سے ذہن آخرت کی طرف منتقل ہو۔ تو ایسوں کے لیے وعدہ کیا ہے؟ وعدہ الٰہی کیا ہے؟ یہ نہیں کہ ان کے سامان پر بجلی گرا دی جائے گی، ان کا خزانہ جلا دیا جائے گا بلکہ یہ کہ ان کی کوششیں ذرا بھی رائیگاں نہ جائیں گی، ان کی مشقت ان کی ذہانت، ان کی تلاش و جستجو اپنا ثمرہ پورے کا پورا حاصل کر کے رہے گی۔ ان کے نمبر کٹیں گے نہیں۔ سو میں سو ملیں گے۔ اس صریح وعدہ کے بعد پھر امریکہ، فرانس اور برطانیہ اور روس کی حیرت انگیز "ترقیوں" اور "کامیابیوں" پر کچھ بھی حیرت رہ جاتی ہے؟ جو انھوں نے چاہا پا لیا، جس دنیا کے پیچھے وہ دوڑے وہ انھیں مل گئی۔

"آج" یہ ہوا۔ "کل" کیا ہوگا؟ اس آیت سے متصل اور معًا بعد یہ آیت بھی تو ہے۔

اولٰٓئك الّذين ليس لهم فى الاخرة الّا النّار وحبط ما صنعوا فيها وبٰطلٌ ما كانوا يعملون (سورہ ہود آیت ۱۶)

یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لیئے آخرت میں کچھ بھی نہیں بجز آگ کے اور جو کچھ کرتے رہے ہیں، آخرت میں سب ناکارہ اور بے اثر نکل جائے گا۔

جب وہ عالم طلوع ہوگا، جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور جس کا ان "روشن خیال" "عقلیین" کو آج یقین ہی نہیں تو اس وقت صاف نظر آ جائے گا کہ اس عالم فانی کی، اس چند روزہ زندگانی والے عالم کی ساری جد وجہد یہاں کی ساری تعمیر اور منقتیں یہاں کی ساری ایجادیں اور اختراع کاریاں سب صفر محض نکلیں گی یہاں کی ساری ترقیاں اور کامیابیاں محض خواب کی ترقیاں اور کامیابیاں نکلیں گی، اور وہاں ان "روشن خیالوں" اور ان کے نادان مقلدوں کے ہاتھ کچھ بھی نہ آئے گا! ان کے تقدیری پروگرام کے دونوں جزو تو قرآن مجید نے صاف صاف بیان کر دیے ہیں، اب آپ کا ایمان اگر قرآن پر ہے تو ان دونوں میں سے کسی جزو پر حیرت کیوں کیجیے؟

تمت